www.pklibrary.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — میر تقی میر — 7

نعت — منیر عالم — 7

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — 8

انشاء نامہ

اک پنجابی نظم — ابن انشاء — 11

افسانے

تیری آنکھوں کے سوا — عقیلہ ہاشمی — 139

عیداور دید — ہماراؤ — 196

ناولٹ

اوکھے پینڈے عشق دے — رابعہ رانا — 96

شہر تمنا کی خبر لانا — صبا نور — 176

سوزِ عشق — افشاں علی — 186

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

فنا فی سبیل اللہ — راحیلہ ناز — 12

اُمید کا دیا جلایا — رمشا احمد — 52

اک جزیرہ خوابوں کا — مبشرہ انصاری — 155

Digest Novels Lovers Group

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جا سکتی ہے۔

مستقل سلسلے

Digest Novels Lovers group

حاصل مطالعہ تحریم محمود 212 رنگ حنا بلقیس بھٹی 16

بیاض تسنیم طاہر 214 میری ڈائری سے آمنہ عبداللہ 19

حنا کی محفل عین غین 217 حنا کا دسترخوان افراح طارق 20

کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 224

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ

اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،

monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماریاں

قارئین کرام! جون 2025ء کا شمارہ بطور ''عید نمبر'' پیش خدمت ہے۔

یہ شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ عید الاضحیٰ کو خوش آمدید کہہ رہی ہوں گی۔ عید الاضحیٰ ہمارا مذہبی تہوار ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان عید الاضحیٰ پر قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔

عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ، تہوار خوشیوں بھری مصروفیتوں کا دن ہوتا ہے۔ خصوصاً عید الاضحیٰ کے موقع پر تو گھر کا ہر فرد ہی مصروف نظر آتا ہے۔ مرد حضرات جانوروں کو ذبح کرنے، ان کا گوشت بنوانے میں مصروف ہوتے ہیں تو خواتین گوشت کی تقسیم میں اُلجھی ہوتی ہیں۔ گوشت ضرورت مندوں تک پہنچانا بھی ایک بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ مختلف ڈشوں کی فرمائشوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ خاتونِ خانہ کی کوشش ہوتی ہے کہ گھر کے ہر فرد کی فرمائش پوری کی جائے اور سب من پسند ڈشیں میز پر نظر آئیں۔ ایسے میں مہمانوں کی آمد سے خوشیاں دوبالا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کھانے پینے کا لطف تو مل جل کر کھانے میں ہی ہے۔ دعوتوں کا سلسلہ تو ہفتوں چلتا ہے۔ کچن سے اُٹھتی خوشبوئیں، مختلف پکوانوں سے سجے دستر خوان، مسکراہٹیں، قہقہے، یہ خوشیاں زندگی کو بارونق اور پُرلطف بناتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم کو، آپ کو یہ خوشیاں نصیب ہوئیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو قربانی کا فریضہ نہیں ادا کر سکتے۔ ان کا خیال رکھنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ کسی کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے۔

آپ سب کو ادارہ ''حنا'' کی جانب سے دلی عید مبارک!! ہماری دعا ہے کہ روزِ عید آپ سب کے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آئے۔ آمین!

شاخِ دل زرد ہے، جولائی کے شمارے میں آپ سب کی پسندیدہ لکھاری سمیرا سرفراز کا نیا سلسلے وار ناول اور دوسرا سلسلے وار ناول ''مکینِ قلب'' قرۃ العین رائے کا شروع کیا جا رہا ہے۔

اس شمارے میں: اس شمارے میں راحیلہ ناز، رمشا احمد اور مبشرہ انصاری کے مکمل ناول رابعہ رانا، صبا نور اور افشاں علی کے ناولٹ۔ عقیلہ ہاشمی، ہما راؤ اور ماہ وش طالب کے افسانوں کے علاوہ ''حنا'' کے سبھی مستقل سلسلے ہیں۔

آپ کی آراء کا منتظر

حمد باری تعالیٰ

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

نعت رسول مقبول ﷺ

ہے تیری ذات میں اسوۂ سب کے لئے
تو ہے اسوۂ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

Digest Library.com

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

Digest Novels Lovers group

ایک قوم سے لڑائی کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگ قیامت کے قریب ایسے لوگوں سے لڑو گے، جن کے جوتے، بالوں کے ہوں گے، ان کے منہ گویا ڈھالیں ہیں چوڑی، ان کے چہرے سرخ ہیں اور آنکھیں چھوٹی ہیں۔''

(صحیح مسلم)

یمن کی ہوا کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ ریشم سے زیادہ نرم ہوا یمن سے بھیجے گا جو کسی آدمی کو نہ چھوڑے گی جس میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔''

(صحیح مسلم)

قحطان کے آدمی کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ (قبیلہ قحطان کا) ایک شخص نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لکڑی سے ہانکے گا۔''

(صحیح مسلم)

قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔''

(صحیح مسلم)

جھوٹے دجال

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا نہ ہوں گے۔ (دجال کے معنیٰ مکار، فریبی ہیں) اور ہر ایک یہ کہے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

(صحیح مسلم)

جہجاہ کا بیان

سیدنا ابوہررہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''دن اور رات ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ ایک شخص بادشاہ ہوگا جس کو جہجاہ کہیں گے۔''

(صحیح مسلم)

یہودیوں سے جنگ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہود سے لڑیں گے پھر مسلمان ان کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ یہودی کسی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت بولے گا کہ "اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی ہے، ادھر آ اور اس کو قتل کر دے مگر غرقد کا درخت نہ بولے گا، (وہ ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کی طرف بہت زیادہ ہوتا ہے) وہ یہود کا درخت ہے۔"

(صحیح مسلم)

عیسائیوں کی تعداد

موسیٰ بن علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ مستورد قرشی نے کہا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ۔

"قیامت اس وقت قائم ہوگی جب نصاریٰ سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے۔" (یعنی ہندو اور مسلمانوں سے)

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "دیکھ تو کیا کہتا ہے؟"

مستورد نے کہا کہ "میں تو وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔"

سیدنا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "اگر تو کہتا ہے (تو سچ ہے) کیونکہ نصاریٰ میں چار خصلتیں ہیں، وہ مصیبت کے وقت نہایت حوصلہ والے ہیں اور مصیبت کے بعد سب سے جلدی ہوشیار ہوتے ہیں اور بھاگنے کے بعد سب سے پہلے حملہ کرتے ہیں اور سب لوگوں میں مسکین، یتیم اور ضعیف کے لئے بہتر ہیں اور ایک پانچویں خصلت ہے جو سب لوگوں سے نہایت عمدہ ہے کہ وہ بادشاہوں کے ظلم کو روکتے ہیں۔"

(صحیح مسلم)

قیامت سے پہلے قتل وخون

سیدنا یسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی، ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا کہ اے عبداللہ بن مسعود قیامت آئی، یہ سن کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے اور پہلے وہ تکیہ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

"قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور لوٹ سے خوشی نہ ہوگی" (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو لوٹ کی کیا خوشی ہوگی) پھر اپنے ہاتھ سے شام کے ملک کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ "دشمن (نصاریٰ) مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوں گے۔"

میں نے کہا کہ "دشمن سے تمہاری مراد نصاریٰ ہیں؟"

انہوں نے کہا کہ "ہاں اور اس وقت سخت لڑائی شروع ہوگی، مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کے لئے آگے بڑھے گا اور بغیر غلبہ کے نہ لوٹے گا۔

(یعنی اس قصد سے جائے گا کہ لڑ کر مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے) پھر دونوں فریق لڑیں گے یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی

Digest Library.com

علیہ وآلہ وسلم جو شخص زبردستی اس لشکر کے ساتھ ہو؟" (دل میں برا جان کر)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ بھی ان کے ساتھ دھنس جائے گا، لیکن قیامت کے دن اپنی نیت پر اٹھے گا۔" ابوجعفر نے کہا کہ مراد مدینہ کا میدان ہے۔

(صحیح مسلم)

قیامت سے پہلے مدینہ کے گھر اور آبادی کے متعلق

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے قریب) "مدینہ کے گھر اہاب یا یہاب تک پہنچ جائیں گے۔"

زہیر نے کہا کہ "میں نے سہیل سے کہا کہ "اہاب مدینہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟"

انہوں نے کہا کہ "اتنے میل پر" (یعنی کافی میل دور ہے)

(صحیح مسلم)

عراق کے اپنے درہم روک لینے کے متعلق

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"عراق کا ملک اپنے درہم اور قفیز کو روکے گا اور شام کا ملک اپنے مدی اور دینار کو روکے گا اور مصر کا ملک اپنے اردب اور دینار کو روکے گا اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے اور تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے پہلے تھے۔"

پھر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اس حدیث پر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔" (یعنی اس میں کچھ شک نہیں)

(صحیح مسلم)

قیامت کی نشانیاں

سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم باتیں کر رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم کیا باتیں کرتے تھے؟" ہم نے کہا کہ "قیامت کا ذکر کرتے تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ دس نشانیاں اس سے پہلے نہیں دیکھ لو گے، پھر ذکر کیا دھوئیں کا اور دجال کا اور زمین کے جانور کا اور سورج کے مغرب سے نکلنے کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کا اور تین جگہ خسف ہونا یعنی زمین کا دھنسنا، ایک مشرق میں، دوسرے مغرب میں، تیسرے جزیرہ عرب میں اور ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہو گی جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔" (محشر شام کی زمین ہے)

(صحیح مسلم)

☆☆☆

اک پنجابی نظم

ابن انشاء

تینوں دسیا تے توں ہسنا اے
ایہہ تینوں کجھ نئیں دسنا اے

بس اگ اپنی وچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے

اَسیں پکے آں تو خام کڑے
کجھ ہویا نئیں کی ہونا سی

اک دن دا ہسنا رونا سی
اوہ ساگر چھلاں ایویں سی

اوہ ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام کڑے

اسیں کہندے کہندے مر جانا
توں ہسدے ہسدے مر جانا

اَسیں اجڑے اجڑے رہ جانا
توں وسدے وسدے مر جانا

ہاں سوچ لیا انجام کڑے
اک گھر وچ دیوا بلدا ای

کی دیکھ سندیسے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جانی ایں

کیوں من اپنا بھٹکانی ایں
گھر آ جا پے گئی شام کڑے

Digest Novels Lovers Group

فنا فی سبیل اللہ

راحیلہ ناز

Digest Novels Urdu Group

اماوس کی رات بھی اتنی تاریک نہ ہوتی ہوگی جتنی وہاں تاریکی تھی۔ گہرے سیاہ اندھیرے نے اسے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے تھے۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پاؤں اپنی جگہ جامد ہو چکے تھے۔ اس نے چلنے کی کوشش کی تو یوں محسوس ہوا جیسے منوں بوجھ اس کے کندھوں پر دھرا ہوا اور پاؤں اس وزن سے زمین میں دھنسنے لگے ہوں۔ اسے وہ سخت زمین نرم دلدل کی طرح محسوس ہونے لگی تھی۔ مایوسی ناامیدی اور خوف سے اس کا برا حال تھا۔ اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ قریب تھا کہ وہ ساری کی ساری اس دلدل کا نوالہ بن جاتی اچانک وہ بھیانک سناٹا ٹوٹا تھا۔ اس کے کانوں سے کوئی آواز ٹکرائی تھی۔ چند لمحے اسے اس آواز کے الفاظ سمجھنے میں لگ گئے تھے پھر وہ الفاظ مجسم اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے تھے پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ان لفظوں سے روشنی پھوٹنے لگی تھی۔ اس روشنی نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ بھیانک اندھیرے کو روشنی نے نگل لیا تھا۔ دلدل بھی کہیں غائب ہوگئی تھی۔ ہر طرف نور ہی نور چھا گیا تھا۔ اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت رنگ برنگے پھولوں سے بھرے باغ میں کھڑی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں سفید پھولوں کا گلدستہ تھا جس سے نکلنے والی مدہوش کن مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ پٹ سے اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور اپنے سامنے موجود منظر نے اسے حیرانی و بے یقینی میں مبتلا کر دیا تھا۔

✦✦✦

اس نے اپنے حسن کو چار چاند لگانے کے لیے خود کو خوب بنایا سنوارا ہوا تھا۔ اس نے گلابی

Digest Novels Lover

مکمل ناول

رنگ کی بغیر بازوؤں کی میکسی پہنی ہوئی تھی جس پر ہلکی سنہری کڑھائی تھی۔ اس کے سیاہ خوبصورت بال کندھوں پر ڈھیر کی صورت پڑے تھے۔ گلابی ہی میک اپ نے اس کے چہرے کے نقوش کو مزید قاتلانہ بنایا ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ایک خوبصورت گلابی گڑیا کی مانند تھی۔ اس کی گردن غرور سے تنی ہوئی تھی اور چہرے کے تاثرات یوں تھے جیسے ایک دنیا کو فتح کر کے بیٹھی ہوئی ہو۔

اس کے برابر سامنے اس کا محبوب شوہر بیٹھا ہوا تھا جس کا وجیہہ سراپا براؤن تھری پیس سوٹ میں اور نمایاں تھا۔ اس کے چہرے پر کالی گھنی مونچھیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ اس کے انداز میں ہر چیز کی طرف سے لاپرواہی اور بے نیازی تھی اگر اس کی توجہ کا کوئی مرکز تھا تو وہ اس کے سامنے بیٹھی اس کی محبوب بیوی تھی جس کی پیاری مسکراہٹ کا وہ شیدائی تھا۔

آج ان کی شادی کی سولہویں سالگرہ تھی اور شہر کے اس سب سے مہنگے ترین ہوٹل کے اس خواب ناک اور روح پرور ماحول میں یہ چھوٹا سا لنچ وہ اسی خوشی میں اپنی بیوی کو کھلا رہا تھا ورنہ گرینڈ پارٹی تو شام کو ان کے گھر پر تھی جس میں ان کے دونوں بچوں کے علاوہ تمام دوستوں اور عزیز و اقارب نے شرکت کرنا تھی۔

وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے میں مگن لنچ کر رہے تھے جب وہ "شخص" ان کے پاس آیا تھا۔ وہ ان کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھی البتہ وہ آج بہت عرصے بعد ان کے پاس آیا تھا۔

"ہیلو" دونوں کے بہت قریب پہنچ کر اس نے کہا تھا۔ ان دونوں نے چونک کر بیک وقت سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

انہیں اس وقت کسی کے بھی آنے کی توقع نہیں تھی خاص کر اس شخص کی تو بالکل بھی نہیں۔ آنے والے اس شخص کو دیکھ کر اس وجیہہ شخص کے ماتھے پر پہلے حیرت پھر ناگواری و بےزاری کی سلوٹیں ابھری تھیں۔ جبکہ وہ گلابی گڑیا تو اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ دونوں خاموش رہے تھے اس کے ہیلو کا جواب انہوں نے نہیں دیا تھا مگر آنے والے شخص نے ان دونوں کی چپ کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی اور تھوڑے فاصلے پر موجود دوسری میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی اٹھا کر ان کے پاس رکھی تھی اور اطمینان سے اس پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ وجیہہ شخص اسے کچھ کہتے کہتے نجانے کیا سوچ کر لب بھینچ کر چپ کر گیا تھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی چمچ اس نے پلیٹ میں رکھ دی تھی اور تھوڑا پیچھے ہو کر بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ گلابی گڑیا نظریں جھکائے اپنے وجود کی لرزش پر قابو پانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس کا شوہر آنے والے شخص کی آمد پر اتنا بے چین ہو گیا تھا کہ اس میں آنے والی اتنی واضح تبدیلی کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ اس کی ساری توجہ بس اس آنے والے شخص کی طرف تھی۔

"آپ لوگوں کی پرائیویسی میں مداخلت کرنے پر میں معذرت خواہ ہوں۔" اس آنے والے شخص نے کہا تھا لیکن الفاظ کے برعکس اس کے لہجے میں عجیب سی سختی و کرختگی تھی اور وہ ذرا بھی معذرت خواہ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا حلیہ کوئی خاص اچھا نہیں تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پر سیاہ ہی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ کبھی وہ ایک خوبرو پرکشش نوجوان ہو گا۔

مگر اب کثرت شراب نوشی اور سگریٹ نوشی نے اس کے ہونٹوں کو سیاہ کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد بھی سیاہ حلقے تھے۔ سفید رنگت

Digest Novels Lovers group

سنولا چکی تھی۔ سر کے بڑے بڑے بال بکھرے ہوئے تھے جن میں سفید بال نمایاں تھے۔ اس کی سیاہ وسفید بے ہنگم سی داڑھی بھی تھی۔

"میرے پاس آپ کے لیے ایک بہت ہی حسین اور خوبصورت تحفہ ہے جسے وصول کر کے آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔

میں نے یہ تحفہ کچھ عرصہ پہلے آپ کو اس لیے نہیں دیا کیونکہ میں اتنا حسین تحفہ دینے کے لیے تحفے ہی کی طرح کی حسین ساعت ایک خوشگوار گھڑی کا انتظار کر رہا تھا تاکہ اس تحفے کا حسن دوبالا ہو جائے" اس وجیہہ شخص کی طرف متوجہ بولتے بولتے وہ چپ ہوا تھا۔ اس نے اپنی پینٹ کی دائیں طرف والی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا تھا پھر پیکٹ کھول کر ایک سگریٹ نکال کر منہ میں ڈالا تھا اور پیکٹ کو اپنے سامنے میز پر رکھا تھا پھر منہ میں رکھے سگریٹ کو لائٹر کا شعلہ دیکھایا تھا۔ لائٹر کو سگریٹ کے پیکٹ کے پاس رکھا تھا پھر سگریٹ پکڑ کے گہرے گہرے کش لینے لگا تھا۔ وہ وجیہہ شخص جو پہلے اسے ناگواری سے دیکھ رہا تھا اب بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا تھا۔ اس کی بے چینی کی وجہ وہ موٹے موٹے آنسو تھے جو اس شخص کی سرخ آنکھوں سے موتیوں کی صورت نکلتے اس کی بے ہنگم و بے ترتیب سی داڑھی پر پھسلتے بالوں کی نوکوں سے نیچے گر رہے تھے جبکہ وہ شخص سگریٹ کے گہرے کش لیتے خلا میں کسی ان دیکھی چیز کو گھورتا جیسے اپنے آنسوؤں سے بالکل بے خبر تھا جبکہ گلابی گڑیا بالکل ساکت بیٹھی تھی۔ ماحول میں عجیب طرح کی وحشت سوار تھی جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ آدھی سگریٹ پینے کے بعد اس نے باقی ٹکڑے کو سامنے میز پر رکھی ایش ٹرے میں رکھ دیا تھا۔ دھوئیں کی ایک پتلی باریک لکیر بل کھاتی اوپر اٹھنے لگی تھی۔

تو پھر کیا خیال ہے اس تحفے کی رونمائی کر دوں؟" اب کے اس شخص نے براہ راست اس گلابی گڑیا کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا۔ وہ زبان سے کچھ کہہ نہیں سکی تھی بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ یہ اور بات ہے اس کی آنکھیں خاموش ہو کر بھی خاموش نہیں تھیں۔ وہ بول رہی تھیں۔ بڑی بے بسی، بڑی لاچاری سے اس سے التجا کر رہی تھیں کہ وہ کچھ نہ بولے کچھ نہ کہے خاموش رہے اور وہاں سے چلا جائے۔ وہ شخص اس گلابی گڑیا کی آنکھوں کی زبان اچھے سے سمجھ رہا تھا۔ اسے کسی اور کی آنکھیں یاد آنے لگی تھیں۔ اس کا دل یوں تڑپا تھا جیسے کسی نے دہکتی آگ میں ڈال دیا ہو۔ اس نے گلابی گڑیا پر سے نظریں ہٹالی تھیں۔

"تم ہوش و حواس میں رہنا۔ تمہیں اس دنیا کی سب سے بڑی خوش خبری ملنے والی ہے۔ یہ نہ ہو اتنی بڑی خوشی پا کر تمہارا دماغ الٹ جائے" اب اس نے اس وجیہہ شخص کی آنکھوں میں دیکھتے اسے خبردار کیا تھا جو ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو اپنی بیوی کی طرف عجیب نفرت بھری نظروں سے دیکھتے دیکھا تھا اور اپنی بیوی کی گھبراہٹ بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی مگر وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا مگر پھر اس شخص کے اگلے الفاظ نے اس وجیہہ شخص کے وجود کے جیسے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا جبکہ گلابی گڑیا گلابی نہ رہی تھی بالکل سرسوں کے پھول کی طرح زرد پڑ گئی تھی۔

✦✦✦

حسان خان کو جب دلاور بابا کو ہارٹ اٹیک

Digest Novels Lovers

ہونے کی خبر ملی تھی تو وہ اس وقت کاروبار کے سلسلے میں ٹوکیو میں تھا۔

شکر یہ تھا کہ وہ ٹھیک ہو گئے تھے۔ واپس آ کر وہ ان کی عیادت کو جانا چاہتا تھا مگر کاروباری مصروفیات کی وجہ سے فوری طور پر نہیں جا سکا تھا اور اب اس کے جانے سے پہلے ہی انہوں نے اسے بلا لیا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اسے اس طرح ملنے کے لیے بلایا ہو نہ وہ ان سے بہت زیادہ بے تکلف تھا۔ دلاور بابا اس کے سگے تایا تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزاری تھی اور کچھ عرصہ پہلے ہی یونیورسٹی سے بطور وائس چانسلر ریٹائر ہوئے تھے۔ ان سے بڑے بھی اپنے بابا دادا کی وفات کے بعد ان کے جانشین کے طور پر اپنے علاقے کے سردار بنے تھے جبکہ خود اس کے اپنے بابا جان نے دادا کے شروع کیے کاروبار کو آگے بڑھایا تھا۔ ان کا شمار پشاور کی چند بڑی کاروباری شخصیات میں ہوتا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے بھی بابا جان کا کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کے دونوں چھوٹے بھائی بھی اپنی تعلیم مکمل کر کے کاروبار میں شامل ہو گئے تھے۔ تین سال پہلے اس کے بابا جان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے بعد اس نے بڑی خوش اسلوبی سے کاروبار کو سنبھالا تھا۔

اب دلاور بابا کے بلاوے پر وہ فوراً ہی گاؤں روانہ ہوا تھا۔ دلاور بابا نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ ملنے ملانے کھانے پلانے کے بعد انہوں نے تنہا اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔ ان کا چھوٹا بیٹا جو اس وقت گھر میں موجود تھا وہاں سے چلا گیا تھا۔

"تمہارا شادی وادی کرنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں؟" انہوں نے اسے بغور دیکھتے پوچھا تھا۔ وہ ان کے سوال پر چونک اٹھا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ کوئی خاص بات ہو گی جو انہوں نے اسے اس طرح بطور خاص بلوایا تھا مگر یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں پوچھیں گے۔

"نہیں فی الحال تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا" حیرت سے نفی میں سر ہلاتے اس نے انکار کیا تھا۔

"تو اب ارادہ کر لو، میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں" وہ بے دھڑک بولے تھے۔

"جی؟" حیرت کی زیادتی سے وہ بس جی ہی کہہ سکا تھا۔ ساتھ اسے یاد آیا تھا کہ ان کی ساری بیٹیاں شادی شدہ اور بچوں والی تھیں۔

"ہاں میں تمہاری شادی اپنی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں۔ میری بیٹی بہت اچھی ہے۔ ذرا دنیا سے دور ہے۔ تارک الدنیا کہہ لو مگر مجھے یقین ہے وہ تمہاری بہت اچھی ساتھی ثابت ہو گی" ان کے کہنے پر اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ کیا ردعمل دے۔

شادی اور وہ بھی اس طرح بالکل کسی انجان سے۔ نہیں ایسا تو وہ بالکل نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ تو سرے سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ کی بیٹیوں کی تو بابا جان شادی ہو چکی ہے؟"

"وہ میری سگی بیٹی نہیں ہے، وہ میری مسلمان بیٹی ہے اور وہ پٹھان بھی نہیں ہے پنجابی ہے۔"

اسے ان کی بات تھوڑی عجیب لگی تھی۔ ان کی ایسی بیٹی کے بارے میں تو اس نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

digest.library.com

’’میں تم پر کوئی زبردستی نہیں کر رہا تم اچھی طرح سوچ لو مگر پہلے ایک بار اسے دیکھ لو پھر اگر تم راضی ہوئے تو میں اس کے بارے میں تمہیں سب بتا دوں گا‘‘ ان کے کہنے پر وہ گڑبڑا گیا تھا وہ تو سچ مچ اس کی شادی کروانے پر تلے بیٹھے تھے اور اسے وہ لڑکی دیکھانے پر بھی تیار تھے حالانکہ پورے خاندان میں سب سے زیادہ انہیں ہی کنزرویٹو سمجھا جاتا تھا۔ وہ دنیا کے ساتھ ویسے نہیں چلے تھے جیسے باقی خاندان چلا تھا۔

’’آپ جانتے ہیں میں شادی نہیں کرنا چاہتا، مجھے کبھی کوئی سمیرا کے جیسے نہیں ملی۔‘‘ جھجکتے اس نے اپنے جذبات بیان کیے تھے سمیرا اس کی بیوی تھی۔ آج سے تقریباً دس سال پہلے جب وہ پچیس سال کا تھا کاروبار کے سلسلے میں کراچی گیا تھا جہاں ایک پارٹی میں اس کی ملاقات سمیرا سے ہوئی تھی جو کراچی کی ایک نامور کاروباری شخصیت کی بیٹی تھی۔ سمیرا اسے پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی۔ وہ بھی اس سے بہت متاثر ہوئی تھی پھر یہ اچھا لگنا دھواں دھار محبت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ سمیرا کے پاپا نے شروع میں مخالفت کی تھی۔ وہ سمیرا کی شادی اس سے کرنے کو تیار نہیں تھے مگر اپنی بیٹی کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہیں راضی ہونا پڑا تھا۔ دھوم دھام سے دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔

سمیرا کی سنگت میں اس کے پانچ سال بہت اچھے گزرے تھے پھر ایک کار ایکسیڈنٹ میں وہ اس سے بچھڑ گئی تھی۔ اس کے لیے تو زندگی کا مفہوم ہی بدل گیا تھا۔ اولاد جیسی نعمت سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ بالکل ہی تنہا اور گم سم ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی بہن بھائیوں اور دوستوں نے اسے دوسری شادی کرنے کا مشورہ دینا شروع کر دیا تھا مگر اس کا دل کبھی نہیں مانا تھا۔ بہنوں خاص کر بڑی بہن نے تو زبردستی سہی چند ایک لڑکیوں سے اس کی ملاقات بھی کروائی تھی مگر ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو اس کے دل کے تار چھیڑ سکتی سو وہ صاف انکاری ہو جاتا تھا۔

’’ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو وہ تمہاری بیوی کی طرح نہیں ہے، دونوں کے مزاجوں میں بہت فرق ہے‘‘ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے تائید میں سر ہلایا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

’’میری بیٹی بھی شادی کے لیے راضی نہیں ہے۔ وہ کبھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی اس لیے میں نے پہلے کبھی اسے شادی کرنے کے لیے نہیں کہا مگر اب جب میں ایک ہارٹ اٹیک بھگت کے بیٹھا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں اسے ایسے ہی چھوڑ کر دنیا سے نہ چلا جاؤں۔ میں اسے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر دنیا سے جانا چاہتا ہوں جو اس کی حفاظت کر سکیں۔ اس کا خیال رکھ سکیں۔‘‘

’’میرے بارے میں آپ کو کیسے خیال آیا ہے؟‘‘ اس نے بے بسی سی محسوس کرتے پوچھا تھا۔ وہ مسکرا دیے تھے۔

’’میں اس کی شادی کسی عام شخص سے نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ عام نہیں ہے ورنہ میرے اپنے بیٹے موجود ہیں اور وہ تینوں اس سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کر چکے ہیں مگر میں ان تینوں کو اس کے قابل نہیں سمجھتا۔

اب جب میں اس کی شادی کرنے کے لیے سوچا تو میں نے اپنے جاننے والے کچھ لوگوں کو پرکھا ہے کہ وہ اس کے قابل ہیں یا نہیں تو کوئی بھی اس پرکھ پر پورا نہیں اترا سوائے تمہارے۔‘‘

’’میرے؟‘‘ اس نے حیرت سے اپنی

Digest Novels Lovers Group

طرف اشارہ کرتے پوچھا تھا۔

"ہاں، میں نے زوار خان) ان کا بڑا بیٹا (کو باقاعدہ تمہاری جاسوسی کرنے پر لگایا تھا۔ تمہاری بیوی کو مرے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ اتنے زیادہ امیر ہونے اور تنہائی کے باوجود تم نے کوئی خرافات نہیں پالی نہ کسی بے راہ روی کا شکار ہوئے ہو۔ میرے خیال میں یہ تمہارے ایمان والے اور حیا والے ہونے کی نشانی ہے اس لئے میں نے تمہیں اپنی بیٹی کے قابل سمجھا ہے" دلاور بابا کے تفصیل بتانے پر اس نے خود کو مزید بے بس محسوس کیا تھا یعنی وہ اس کی شادی کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

"میرے خیال میں باقی باتیں بعد میں ہوں گی پہلے تم اسے دیکھ لو" کہتے دلاور بابا اٹھے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ٹھیک ہے خود ہی کہہ رہے ہیں ناں زبردستی کوئی نہیں ہے۔ میں بھی اسے دیکھنے کے بعد صاف انکار کر دوں گا دل میں منصوبہ بناتے وہ دلاور بابا کو بھول ہی گیا تھا جو اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک کایاں شخص تھے یا پھر اس کے دلی تاثرات چہرے پر اتنے واضح آ گئے تھے جنہیں انہوں نے پڑھ لیا تھا۔

ان کے ذہن میں اپنی بیوی کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ جب انہوں نے اپنی بیوی کو بتایا تھا کہ انہوں نے سعدی کے لیے حسان خان کا انتخاب کرلیا ہے تو اس نے کہا تھا۔

"اگر آپ واقعی حسان خان کے لیے سنجیدہ ہیں تو آپ اس پر زبردستی نہ کریں بلکہ اسے ایک نظر سعدی دیکھا دیں۔ مجھے یقین ہے سعدی کو دیکھنے کے بعد وہ کبھی بھی شادی سے انکار نہیں کرے گا"

انہیں اپنی بیوی کی بات سمجھ میں آ گئی تھی تبھی اب اسے سعدی کو دیکھانے لگے تھے۔

وہ حسان خان کے جذبات سمجھ رہے تھے مگر کچھ بولے بغیر خاموشی سے چل دیئے تھے۔

حسان خان ان کی خاموشی پر شکر پڑھتا ان کے پیچھے ہو لیا تھا۔

دلاور بابا اسے اپنی لائبریری میں لائے تھے۔ ان کا سٹڈی روم لائبریری کے پچھلے حصے میں واقع تھا۔ وہ آرام سے جا کر اپنی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے جبکہ اسے اشارے سے اپنے پیچھے والی دیوار میں موجود کھڑکی کی طرف جانے کا اشارہ کیا تھا جو ان کے بائیں طرف تھی۔

"کھڑکی کھول کر تم اسے دیکھ سکتے ہو" انہوں نے کہا تھا۔ تھوڑا جھجکتے وہ کھڑکی کی جانب آیا تھا اور اس کے دونوں پٹ کھول دیئے تھے۔ اب وہاں جالی رہ گئی تھی جو کے فکس تھی کھل نہیں سکتی تھی۔ اس نے جالی کے پار دیکھا تھا اور وہ عین اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ کھڑکی کے باہر چھوٹا سا صحن تھا پھر برآمدہ تھا) برآمدے کے پیچھے تین کمرے تھے(وہ برآمدے میں نیچے بچھی چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر دھیمی سی مسکان تھی اور وہ اپنے سامنے بیٹھی بچی سے قرآن پاک سن رہی تھی۔ بچی کی پشت حسان خان کی طرف تھی جبکہ اس کا رخ۔

اس بچی کے پیچھے دس بارہ بچیاں اور بھی بیٹھی تھیں۔ حسان خان اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی حسین اتنی پرکشش شخصیت کو دیکھے گا۔ اس کا وجود کالی چادر میں لپٹا ہوا تھا جبکہ چاند سا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ حسان خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں جبکہ منہ کھل گیا تھا۔ اسے گھورتے حسان خان کو چند لمحے ہی گزرے ہوں گے جب اس نے اپنی

Digest Novels Library

نظریں اٹھائی تھیں) اُف، اس کی بڑی بڑی غزالی آنکھیں حسان خان کے دل میں اتر گئی تھیں (اور ادھر ادھر دیکھا تھا۔ اس کی حسین پیشانی پر ناگواری سلوٹیں ابھری تھیں۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی تھی اور ناکام ہو کر اس نے براہ راست سامنے کھڑکی کی جانب دیکھا تھا جہاں اندر وہ کھڑا تھا۔ باہر تیز دھوپ کی وجہ سے روشنی تھی جبکہ اندر زیادہ روشنی نہیں تھی اس لیے باہر سے اندر دکھائی نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی مگر اس کا وجدان اتنا تیز تھا کہ وہ اس کے دیکھنے کو محسوس کر گئی تھی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ کوئی اسے کھڑکی سے دیکھ رہا ہے۔ اس نے فوراً اپنا چہرہ دائیں جانب موڑ کر چھپا لیا تھا پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور قریب موجود دروازے سے اندر چلی گئی تھی جبکہ وہ مسمرائز وہیں کھڑا اس دروازے کو گھورتا جا رہا تھا جہاں سے وہ اندر گئی تھی۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ وہ اس کے حسن سے گھائل ہوا تھا مگر مگر کچھ اور بھی تھا۔ اسے دیکھ کر حسان خان کو کوئی عجیب سا مگر اچھا سا احساس ہو رہا تھا۔ ایسا احساس جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ اسے الجھن سی بھی ہو رہی تھی۔ وہ اپنی کیفیت کو سمجھنا چاہا رہا تھا۔ اپنے احساسات کو کوئی نام دینا چاہ رہا تھا مگر نہیں دے پا رہا تھا۔ اسے جیسے اپنی کیفیت کو سمجھنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے یا کوئی ایسے لفظ تھے ہی نہیں جو اس کے ان جذبات کی ترجمانی کر سکتے۔ وہ ادھر ہی کھویا کھڑا تھا۔

"اوں ہوں" دلاور بابا نے ہنکارا بھرا تھا مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

"حسان خان!" اب کے انہوں نے اونچی آواز میں اسے پکارا تھا۔ وہ چونک کر ان کی طرف پلٹا تھا۔

"آؤ بیٹھو ادھر" انہوں نے اپنے سامنے موجود کرسی کی جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں قدم بڑھا کر آ کر کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک اس کے حسن کے زیر اثر مسحور تھا جبکہ دلاور بابا بہت خوش تھے۔ تھوڑی دیر پہلے والے حسان خان اور اب والے حسان خان میں زمین آسمان کا فرق آ چکا تھا۔

✦✦✦

حسان خان کی کیفیت پر انہیں سات سال پہلے کا وقت یاد آنے لگا تھا۔ علاقے کے سردار کا بھائی ہونے کی حیثیت سے ان کا ایک مقام تو تھا ہی مگر وہ خود بھی اپنی عادات اور اخلاق کے اتنے اچھے تھے کہ علاقے کے بہت سے لوگ اپنے مسائل اور مجبوریاں لیے ان کے پاس آتے رہتے تھے اور وہ حتی الامکان کوشش کرتے تھے کہ ان کے کام آسکیں۔

اس دن ان کے یونیورسٹی سے واپس آنے کے تھوڑی دیر بعد ملازم نے انہیں کسی قاسم خان کے آنے کی اطلاع دی تھی جو ان سے ملنا چاہتا تھا تو وہ ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے۔ وہ قاسم خان کو نہیں جانتے تھے۔ وہ ایک قبول صورت جوان آدمی تھا۔ اس کا حلیہ اس کی غربت کی کہانی بتا رہا تھا مگر اس کے ساتھ کھڑی لڑکی ایک تو خوبصورت بہت تھی دوسرے کچھ شاہانہ سی بھی تھی۔ اس نے سفید ململی سی بڑی سی چادر لپیٹ رکھی تھی مگر اس کا چہرہ بے حجاب تھا۔

اس کے سرخ چہرے کی طرح آنکھیں بھی بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ بہت روتی رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کسی بہت اچھے خاندان کا فرد ہونے کا

DigestLibrary.com

احساس فوراً ہوتا تھا۔

”خان یہ بی بی بڑی مظلوم ہے اور معصوم بھی، آپ اس کے کام آؤ اسے اپنے گھر میں رکھ لو۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔“ قاسم خان نے انہیں کہا تھا۔

”یہ میرے مالکوں میں سے ہوتی ہیں۔ میں ان کے گھر ملازم ہوں۔ یہ بہت اچھی ہیں بس اپنوں کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہو گئی ہیں“ وہ مزید بولا تھا۔

میرے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں خان کہ میں انہیں اپنے گھر آرام سے رکھ سکوں اس لیے میں انہیں یہاں لے آیا ہوں“ وہ عاصم خان کو سن رہے تھے مگر ان کی نظریں اس لڑکی پر تھیں جس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو قطرہ قطرہ اس کی ناک کی نوک سے ٹپکتے اس کی گود میں گر رہے تھے۔ انہوں نے اسی وقت ملازمہ کو بلا کر اسے زنان خانے میں اپنی بیوی کے پاس بھجوا دیا تھا اور خود قاسم خان سے تفصیل پوچھنے لگے تھے پھر اسے بہت سی تسلیاں دیتے اسے رخصت کر دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی بیوی کو خصوصی طور پر اس لڑکی کا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی جبکہ ان کی بیوی نے بتایا تھا کہ وہ لڑکی جب سے آئی ہے بالکل خاموش گم سم سی ہے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کر رہی۔

دوسرے دن یونیورسٹی سے آنے کے تھوڑی دیر بعد وہ اسی لائبریری میں یہیں بیٹھے اپنی معمول کی پڑھائی میں مصروف تھے۔ ان کی بیوی کئی برسوں سے بچیوں کو قرآن پڑھا رہی تھی۔ کھڑکی کھلی ہونے کی وجہ سے اس وقت بھی بچیوں کی قرآن پڑھنے کی دھیمی آوازیں انہیں آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی جب ایک بہت ہی پرسوزِ دل گداز آواز ابھری تھی۔ کسی نے سورت الرحمٰن کی تلاوت کرنا شروع کی تھی۔ آواز بہت اونچی تھی اور اس میں دکھ تھا، درد تھا، کرب تھا، فریاد تھی اور ایک عجیب طرح کا سکون بھی تو تھا۔ بلاشبہ اتنی خوبصورت تلاوت انہوں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ان کی آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ مسحور وہ تلاوت سنتے چلے گئے تھے۔ وہ پیاری آواز وہ خوبصورت لفظ ان کی روح میں اترتے چلے گئے تھے۔ تلاوت ختم ہوئی تھی۔ آواز آنا بند ہوئی تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔ اپنے گالوں پر الجھن سی محسوس کر کے انہوں نے اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ ان کی انگلیاں گیلی ہو گئی تھیں۔ ان کی داڑھی تر تھی۔ نجانے کب سے وہ رو رہے تھے۔ وہ تلاوت سننے میں اتنے مگن رہے تھے کہ انہیں اور کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ اپنی آنکھوں اور چہرے کو صاف کرتے وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑے ہوئے تھے اور باہر دیکھا تھا۔ وہ اب ان کی بیوی سے لپٹی بلک بلک کر رو رہی تھی پھر روتے اس نے جو پہلے الفاظ کہے تھے وہ سن کر وہ ساکت ہو گئے تھے اور وہ آج تک سکتے میں تھے سات سال گزر جانے کے باوجود بھی۔

وہ حال میں واپس آئے تھے۔ حسان خان ان کے سامنے سُن سا بیٹھا تھا۔

”ہاں تو پھر کیا فیصلہ ہے تمہارا؟“ ابرو اچکاتے اس کی کیفیت پر مسکراتے) بہت خوش تھے آخر ان کا سب سے بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا بغیر کسی زبردستی کے (انہوں نے پوچھا تھا۔

”کوئی آنکھوں کا اندھا، عقل سے پیدل خبطی، پاگل، سنکی، دیوانہ ہی ہو گا جو اس سے شادی سے انکار کرے گا“ وہ بے اختیار بڑبڑایا تھا۔ اس کا دل دھڑک دھڑک کر اپنے ہونے کا

digest library.com

احساس دلا رہا تھا۔ اسے اپنا بنانے کے خیال سے کوئی سنسنی سی تھی جو اس کے وجود میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

"ہیں۔۔ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ اس کی بڑبڑاہٹ کو سمجھ نہیں سکے تھے۔

"آں کچھ کچھ نہیں" وہ گڑبڑا کر ہوش میں آیا تھا۔

"میں تیار ہوں۔ آپ بے شک آج ہی نکاح کر دیں" اب کے وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا۔

"اچھا" اب اتنی جلدی بھی مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے اسے مصنوعی ڈانٹ پلائی تھی۔

"تم اس کے بارے میں پہلے سب کچھ جان تو لو" وہ بولے تھے جبکہ اسے کچھ بھی جاننے سے اب دلچسپی نہیں تھی بس وہ اسے مل جائے مگر ان کے اگلے الفاظ نے اسے حیران کر دیا تھا۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھے گیا تھا۔

✦✦✦

"چل رہے ہو میرے ساتھ دعوت میں یا نہیں؟ اس کے اپارٹمنٹ کے ساتھی اور دوست جلیل نے گہری نیند سے اسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کرتے پوچھا تھا۔

"کون سی دعوت یار؟" اس نے موندی آنکھوں سے اسے دیکھتے نیند بھری آواز میں پوچھا تھا۔

"پرسوں تمہیں بتایا تو تھا نا کہ فرید نے اپنی بیٹی کی پیدائش کی خوشی میں ہم سب دوستوں کو آج دعوت پر بلایا ہے"

"ہاں۔۔ وہ سالا تمہارا مولوی دوست" اسے یاد آ گیا تھا۔

"ہاں وہی۔ میں تیار ہو رہا ہوں تم بھی اٹھ کر تیار ہو جاؤ"

"مجھے تو نیند آ رہی ہے یار" وہ آنکھیں بند کیے بولا تھا۔

"دس بج گئے ہیں یار۔ اب اس نیند کو بھگاؤ۔ اچھی دعوت ہو گی۔ تم بھی فریش ہو جاؤ گے ورنہ تم نے نشہ کرنا اور سونا ہی ہے" جلیل نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ کر اسے بٹھایا تھا۔

"تم جان نہیں چھوڑو گے میری یار" وہ جھنجھلایا تھا۔

"نہیں اس لیے فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

"ایک تو تم دوست نہیں مصیبت ہو میرے لیے" وہ بڑبڑاتے اٹھا تھا۔ جلیل اسے اٹھتے دیکھ کر اس کے کمرے سے چلا گیا تھا۔

"یار وہ دوست تو تمہارا ہے۔ مجھے ساتھ لے جانے کی کیا تک بنتی ہے؟" وہ اس کے حسب منشا تیار تو ہو گیا تھا مگر جھنجھلایا ہوا بھی بہت تھا۔

"تمہیں نیک لوگوں کی صحبت کی ضرورت ہے اس لئے تمہیں لے جا رہا ہوں" جلیل نے بڑی سنجیدگی سے اسے ساتھ لے جانے کی وجہ بتائی تھی۔

"ہونہہ نیک لوگ" اس نے استہزائیہ ہنکارا بھرا تھا۔

"کوئی نیک ویک نہیں ہوتا ہے سب ڈرامے ہوتے ہیں لوگوں کے۔ اصل میں کچھ لوگ ذہنی فتور کا شکار ہوتے ہیں۔

دوسروں سے مختلف نظر آنے کے لیے نیک ہونے کا بہروپ بھرتے ہیں۔ منافق اور کھوکھلے لوگ" کہتے اس نے سائیڈ ٹیبل سے لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالا تھا اور اس کے ساتھ چلنے کو تیار تھا۔

"بات تو یہ ہے رضا" جلیل اس کے ساتھ

باہر نکل کر دروازہ بند کرتے بولا تھا۔

''انسان نہ تو مکمل فرشتہ ہو سکتا ہے نہ مکمل شیطان بلکہ انسان ان دونوں کی خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہوتا ہے''

اب دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔

''انسانوں میں اچھائیاں برائیاں دونوں ہوتی ہیں البتہ کچھ لوگوں میں اچھائیوں کی نسبت برائیاں زیادہ ہوتی ہیں اور کچھ لوگوں میں برائیوں کی نسبت اچھائیاں زیادہ ہوتی ہیں اگر ہم یہ توقع کریں کہ ہمیں انسانی روپ میں فرشتے ملیں تو ایسا ممکن نہیں''جلیل اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولتا چلا گیا تھا۔

''بندۂ خدا یہی تو میں تمہیں کہہ رہا ہوں جس نیک بندے کی صحبت میں تم مجھے لے جا رہے ہو جب اس کے کرتوت تمہارے سامنے عیاں ہوں گے نا تو تم سر پکڑ کر رو دو گے''رضا پہلی سی ہی تلخی و حقارت سے بولا تھا۔ دونوں لفٹ سے باہر آئے تھے۔ جلیل نے بے بسی سے سر جھٹکا تھا۔ اس کی کسی بات کا رضا پر اثر نہیں ہوا تھا اور یہ کوئی پہلی بار نہ تھا۔ رضا ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا مگر جلیل بھی ہار نہیں مانتا تھا۔

''میں تمہیں یہی تو بتانے کی کوشش کر رہا ہوں نا کہ اگر اس جیسے اچھے انسان میں کوئی بشری کمزوری ہے بھی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل اچھا یا نیک نہیں رہا حالانکہ میں نے اسے امریکہ کی اس نیویارک ریاست میں رہتے ہوئے بھی بہت سی بشری کمزوریوں سے بچا ہوا پایا ہے''جلیل نے کہتے کار کا دروازہ کھولا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ رضا نے بھی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا تھا۔ کار وہ رضا ہی کی تھی مگر چلاتا اسے جلیل ہی تھا کیونکہ نشے کی حالت میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے پکڑے جانے کے بعد اس کا لائسنس منسوخ ہو چکا تھا۔

''تم سے شناسائی کو دس سال تو فرید سے واقفیت کو مجھے کم و بیش سات سال ہو چکے ہیں''جلیل نے گاڑی چلاتے کہنا شروع کیا تھا۔

''ہاں سات سال قبل ہم دونوں اکٹھے ایک ہی فلائٹ سے امریکہ پہنچے تھے۔ فلائٹ کے دوران میری پہلی بار فرید سے ملاقات ہوئی تھی''رضا نے تائید کرتے گہرا کش لیا تھا۔

''فرید ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی چار بہنوں اور دو بھائیوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ لیے وہ یہاں پہنچا تھا۔

چھوٹی موٹی نوکریاں کرتے ان سات سالوں میں وہ خود ایک چھوٹی سی فیکٹری کا مالک بن چکا ہے جس کے پیچھے اس کی سخت محنت اور ایمانداری ہے۔ تمام شرعی احکامات کی پابندی بھی کرتا ہے۔ نمازیں پڑھتا روزے رکھتا ہے۔ اس ملک کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد اپنی دولت کی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ اس ملک کی تمام اخلاقی اور تہذیبی برائیوں سے بھی میں نے اسے آج تک دور پایا ہے اس لیے میری نظر میں وہ بہت اچھا انسان ہے''جلیل کی تفصیلی وضاحت سن کر رضا نے قہقہہ لگایا تھا۔

''میرے بارے میں کیا خیال ہے اس کی ان خوبیوں کا تو مجھ سے دور کا بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے''

جلیل نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی پھر سامنے متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا وہ واقعی فرید کا الٹ تھا پاکستان کے ایک نامور بزنس ٹائیکون کا اکلوتا، لاڈلا مگر بگڑا ہوا بیٹا جو باپ کی بھیجی کمائی کو شراب اور جوئے میں بے دریغ لٹاتا تھا ہاں وہ عورتوں سے اتنا ہی دور تھا جتنا

فرید اور جلیل سب کچھ نہ جان کر بھی یہ ضرور جانتا تھا کہ اس کے پیچھے کسی نیکی کا نہیں بلکہ شدید نفرت کا جذبہ تھا جس نے رضا کو عورتوں سے دور کیا ہوا تھا۔

"بڑی گہری سوچ میں گم ہو گئے ہو" رضا کے طنز پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم میرے دوست ہو رضا اور میں اس دوستی کے درمیان کسی بھی اچھی اور بری عادت کو نہیں لانا چاہتا" رضا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"تم مجھے برا کہہ لو بلکہ مجھے برا ہی کہو مجھے اچھا لگے گا کیونکہ میں منافق نہیں کہلانا چاہتا" اس نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں چھوڑتے کہا تھا۔ باقی راستہ خاموشی سے کٹا تھا اور دونوں فرید کے گھر پہنچ گئے تھے۔

یہ ایک مردانہ دعوت تھی جو فرید نے اپنے گھر میں دی تھی۔ اس میں فرید نے اپنے قریبی دوستوں اور چند جاننے والوں کو بلایا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ آٹھ لوگ اور آئے تھے جن میں صرف ایک ڈیوڈ امریکی تھا باقی سب پاکستانی تھے۔

بہت اچھا کھانا کھانے کے بعد اب کافی کا دور چل رہا تھا۔ رضا اب بے چین ہو رہا تھا مگر جلیل بڑی بے تکلفی سے گپیں لگاتے یوں ریلکس بیٹھا تھا جیسے اس کا دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو جبکہ اسے اب "طلب" نے تھوڑا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے غلطی کی تھی ایک بوتل ساتھ لے آتا۔ گہرے کش لیتے اس نے فرید کی طرف دیکھا تھا جو دوسرے لوگوں سے محو گفتگو تھا۔ وہ اونچے لمبے قد کا ایک قبول صورت جوان تھا جس کے چہرے پر سیاہ داڑھی بھلی لگ رہی تھی۔ اس میں ایسی کوئی خاص بات تو ضرور تھی کہ وہ رضا کو برا نہیں لگ رہا تھا۔ پچھلے سات سال اس نے لوگوں سے بھاگتے ان سے نفرت کرتے خاص کر عورتوں سے شدید نفرت کرتے گزارے تھے مگر فرید ان چند لوگوں میں سے تھا جو اسے برے نہیں لگتے تھے یہ اور بات ہے وہ اس پر تنقید کرتا رہتا تھا (جلیل کے سامنے)۔ اس کا فرید سے زیادہ ملنا جلنا نہیں تھا۔ وہ جلیل کا قریبی دوست تھا۔ اس نے پچھلے سال پاکستان جا کر شادی کی تھی مگر وہ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بچے اس آزاد ماحول میں پروان چڑھیں اور اپنے مذہب سے دور ہو جائیں۔

رضا نے اب بے زاری سے نیا سگریٹ سلگاتے ان کی باتوں پر توجہ دینے کی کوشش کی تھی۔

"یار فرید!! ویسے وہ گیدڑ سنگھی مجھے بھی دے دو جو تم پاکستان سے ساتھ لائے تھے اور جس سے تم نے یہاں پہنچتے ہی مٹی کو سونا بنا ڈالا ہے" اس کے دوستوں میں سے سلمان نے کہا تھا جس پر فرید مسکرا دیا تھا لیکن نجانے کیوں رضا کو اس کی مسکراہٹ اداس لگی تھی۔

"ہاں یار تمہیں اس راز سے پردہ ضرور اٹھانا چاہئے کہ صرف سات سال کے عرصے میں تم نے اتنا کچھ کیسے حاصل کر لیا ہے؟" اب کے عالم نے پوچھا تھا جس پر باقیوں نے تائید میں سر ہلا ہے تھے۔

"دراصل دوستو مجھے کسی کی دعا لگ گئی ہے" اس نے مسکراتے کہا تھا مگر اس کی آنکھیں ہونٹوں کا ساتھ نہ دے سکی تھیں۔ پل میں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں پھر آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے چلے گئے تھے۔ سب ششدر اسے دیکھنے لگے تھے۔

Digest Novels Land

''تم لوگ مجھے نیک کہتے ہو مجھے پارسا سمجھتے ہو مگر میں نہ نیک ہوں نہ پارسا۔ میں۔۔۔ میں تو بہت خطا کار گناہگار ہوں مگر وہ جس کا میں مجرم ہوں وہ بڑی دیالو بڑی سخی تھی۔ اس نے مجھے دعا دی تھی بلکہ میں نے اس سے دعا لی تھی اور سب اس کی دعا کی بدولت ہے کہ میں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا مجھے کامیابی ملی'' بھرے گلے سے کہتا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے وہ سسک اٹھا تھا۔ سب کی حیرانی کے ساتھ تجسس بھی شامل ہو گیا تھا مگر ان میں سے کسی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ یکدم وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس نے بشاشت کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی پھر اس بارے میں کچھ نہیں بولا تھا۔

''بیٹی کا نام کیا رکھا ہے؟'' باتیں کرتے جلیل نے اچانک اس سے پوچھا تھا۔

''سعدی گڑیا'' فرید نے بڑے احترام سے نام لیا تھا جبکہ رضا جو اتنی دیر سے بے زاری ولا تعلقی سے بیٹھا ہوا تھا تڑپ کر اپنی جگہ پر سیدھا ہوا تھا۔ یہ نام قہر بن کر اس پر ٹوٹا تھا۔

''بہت ہی منحوس سا نام رکھ لیا ہے۔ بدل ڈالو اسے'' وہ بے اختیار بولا تھا۔

فرید نے اس پر غصہ بھری نظر ڈالی تھی۔

''یار رضا کوئی اچھی بات بھی کر لیا کرو'' جلیل نے اسے جھڑکا تھا۔

''میں بالکل سیریس ہوں۔'' بے نیازی سے کندھے اچکاتے وہ بولا تھا۔

''اس نام کی ایک بڑی ہی منافق ہستی کو میں جانتا ہوں۔''

''اور میں اس نام کی بڑی ہی مقدس بڑی پاک ہستی سے ملا ہوں'' فرید نے غصے سے کہا تھا۔

''یہ وہی پاک ہستی تو نہیں ہے جس کے لیے ابھی رو رہے تھے'' وہ تو تھا ہی بے رحم فوراً بولا تھا۔

''ہاں تم ٹھیک سمجھے ہو'' فرید نے رنجیدگی سے اقرار کیا تھا۔

digest library.com

''پھر اسے ہاتھ سے جانے کیوں دیا ہے؟ شادی کر لیتے اس سے'' اس نے بڑی لاپرواہی سے مشورہ دیا تھا مگر فرید یوں تڑپا تھا جیسے رضا نے اس کے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو۔

''میں؟ میری یہ اوقات؟ میرے جیسے گناہگار، خطا کار کا اتنا اچھا نصیب کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو اس کا مجرم ہوں۔

گناہگار ہوں وہ رندھی آواز بولا تھا۔ آنکھیں پھر گیلی ہو چکی تھیں۔

''حوصلہ کرو یار'' جلیل نے اس کا کندھا تھپکا تھا۔

''ویسے یار تم نے مجھے بلکہ میرے خیال میں ہم سب کو تجسس میں مبتلا کر دیا ہے۔ ایسا کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟'' سلیم نے پوچھا تھا۔

''ہاں یار میں دیکھ رہا ہوں جب سے تمہیں بیٹی کی خوشخبری ملی ہے تم بہت رقیق القلب ہو گئے ہو، پہلے تم ایسے نہیں تھے'' فرید کے سب سے قریبی دوست شہزاد نے کہا تھا۔

''ہاں یار بتاؤ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟ کہہ دینے سے تمہارے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا'' جلیل نے کہا تھا۔

''کوئی اپنے عیب بھی بھلا خود کسی کو بتاتا ہے؟'' پھیکی سی مسکراہٹ سے انہیں دیکھتے اس نے کہا تھا۔

''میں نے آج تک کبھی کسی کو کچھ نہیں بتایا اس بارے میں مگر میں اس بارے میں سوچتا بہت ہوں۔ وہ ہر وقت میرے ذہن میں رہتی

ہے اور دل میں بھی"

رضا کے دل میں جیسے کسی نے چٹکی سی لی تھی۔ وہ تو اسی کے قبیلے کا فرد تھا۔

"میں آج بھی آپ لوگوں کو کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ اپنے گناہوں کا اظہار تم لوگوں کے سامنے کیا کروں مگر میں اپنے دل کا بوجھ بھی تو اتارنا چاہتا ہوں۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ تم لوگ سات سال کہتے ہو، میں کہتا ہوں مجھے تو صدیاں ہو گئی ہیں اذیت کی اس بھٹی میں جلتے ہوئے۔

رضا کہہ رہا ہے میں اپنی بیٹی کا رکھا یہ نام بدل دوں۔ اسے کیا پتا وہ کتنی عظیم ہستی ہے جس کے نام پر میں نے اپنی بیٹی کا نام رکھا ہے۔

نجانے کیوں آج اپنا آپ کھول دینے کا جی بھی چاہ رہا ہے" وہ دھیمی آواز میں بولتا جا رہا تھا۔ سب ہمہ تن گوش تھے۔

"وہ وہ کوئی بہت پاک ہستی تھی جس کا میں انجانے میں یا پھر جان بوجھ کر ہاں جان بوجھ کر مجرم بن گیا تھا۔

میں ایک سفید پوش خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ چار بہنوں اور تین بھائیوں میں میرا نمبر تیسرا تھا۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں تھیں باقی سب مجھ سے چھوٹے تھے۔ میرے ابا لڑکوں کے کالج میں کلرک تھے۔ تنخواہ تو انہیں ہر مہینے مل جاتی تھی۔ مگر بے تحاشا مہنگائی اور افراد خانہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمارا گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا۔ ابا پڑھائی کے معاملے میں ہم بھائیوں پر بہت سختی کرتے تھے۔ یہ ان کی سختی کا نتیجہ تھا کہ اسکالرشپ پر میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا تھا مگر یونیورسٹی میں میں اپنی تعلیم نہیں بلکہ اپنی نقالی کرنے کی صلاحیت کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ میں بچپن سے ہی لوگوں کی آوازوں کی زبردست نقالی کر لیتا تھا۔ میں دوسرے لوگوں کی نقلیں اتارتا تھا اور دیکھنے اور سننے والے خوش ہوتے تھے اور مجھے داد دیتے تھے لیکن اسے میری خوش قسمتی کہیں یا بدبختی کا آغاز یونیورسٹی دور کے بعد ہوا تھا۔

ان دنوں میں ایم اے سیاسیات کی ڈگری ہاتھ میں لیے نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا جب ایک دن میری یونیورسٹی فیلو ثنا کی کزن حنا مجھے تلاش کرتی مجھ تک پہنچی تھی" رضا جو صوفے سے ٹیک لگائے لیٹنے کے انداز میں بیٹھا ہوا لاپرواہی سے اسے سن رہا تھا سگریٹ کا کش لینا بھول کر یکدم سیدھے ہو کر بیٹھتے فرید کو گھورنے لگا تھا جس نے اب دوسری بار اس کے جانے پہچانے نام لیے تھے پھر جوں جوں فرید بولتا گیا تھا رضا کا خون خشک ہوتا گیا تھا۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔

ارے وہ تو اندھا تھا اندھا۔ سات سالوں سے اندھوں والی زندگی گزار رہا تھا اور آج فرید نے اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی اتار دی تھی۔ اسے سب کچھ صاف بالکل روشن نظر آنے لگا تھا۔

اور جو نظر آ رہا تھا وہ بہت بھیانک تھا۔

فرید چپ ہوا تو ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ سب ششدر اپنی جگہ بیٹھے تھے جب جلیل کی نظر رضا پر پڑی تھی۔ دانت پر دانت جمائے اس کا منہ سختی سے بند تھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں اور جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"رضا یار کیا ہوا؟" وہ لپک کر اس تک پہنچا تھا۔ رضا نے بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتا پانی قطرہ

قطرہ اس کے گالوں پر پھسلنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر اتنا حزن تھا کہ جلیل کا دل کٹنے لگا تھا۔

"حوصلہ کرو یار! مجھے اپنی تکلیف بتاؤ" جلیل نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کرتے کہا تھا۔ باقی سب بھی اٹھ کر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"م...... تم...... مجھے...... بد...... بد دعا...... لگ...... لگ گئی...... گئی ہے" رضا نے اٹک اٹک کر بمشکل کہا تھا۔ سب ششدر اسے دیکھتے رہ گئے تھے جبکہ فرید، فرید سفید پڑ گیا تھا۔

تمہارے خان بابا خود تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے میں تمہیں بتا دوں وہ ابھی تم سے ملنے آئیں گے

"بے بے کے کہنے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ان سات سالوں میں یہ پہلی بار تھا کہ خان بابا خود اس سے بات کرنا چاہتے تھے۔

میں نے انہیں تمہارے انکار کا بتا دیا ہے اس لیے وہ کہہ رہے تھے وہ خود تم سے بات کریں گے" اس کی سوالیہ نظروں پر بے بے نے کہا تھا۔ وہ بے چین ہو گئی تھی۔ وہ پھر سے انکار کرنا چاہتی تھی۔ کہنا چاہتی تھی کہ خان بابا کو منع کر دیں مگر ان کے بے تحاشا احسانوں نے اس کی زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔ بے بسی سے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا مگر بے بے نے اس کے آنسو دیکھ لیے تھے۔

"تمہارے بابا اب تمہارے لیے پریشان رہنے لگے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں اپنی زندگی میں تمہاری شادی کر دیں" بے بے اسے سمجھانے کو بولی تھیں مگر یہ بات وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا چلو تم خود انہیں انکار کر دینا، پریشان مت ہو" انہوں نے اسے دلاسہ دیا تھا مگر وہ بہت پریشان تھی۔ جن کے گھر رہتے اسے سات سال بیت گئے تھے وہ انہیں کیسے انکار کرتی بھلا۔ بے شک رازق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر وسیلہ تو وہ بنے ہوئے تھے۔ وہ ان کا لایا رزق کھاتی تھی۔ ان کا دیا لباس پہنتی تھی اور سب سے بڑھ کر انہوں نے اس کی شرم و حیا اس کے پردے کا ہمیشہ احترام کیا تھا۔ ان بیتے سات سالوں میں انہوں نے ایک بار بھی اس سے بات نہیں کی تھی۔ اس کا سامنا نہیں کیا تھا۔ پہلے دن جس دن وہ ان کے گھر آئی تھی اس کی ان پر نظر پڑی تھی بس دوبارہ اس نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

انہوں نے کبھی اس سے کچھ نہیں کہا تھا بلکہ ہمیشہ اس کی ضروریات کا خیال رکھا تھا۔ اس کے یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد ان کے تینوں بیٹوں نے باری باری اس سے شادی کرنے کی خواہش کا ان سے اظہار کیا تھا لیکن بے بے نے اسے بتایا تھا کہ خان بابا نے انہیں صاف انکار کر دیا تھا۔ خان بابا سے مایوس ہو کر انہوں نے بے بے کے ذریعے اس تک بھی اپنی اپنی خواہش پہنچائی تھی مگر اس نے انہی کے بابا کے گھر رہتے ہوئے انہیں انکار کر دیا تھا مگر بے بے اور خان بابا اس سے بالکل ناراض نہیں ہوئے تھے اور اب تقریباً دو ماہ پہلے خان بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اللہ کا شکر تھا کہ وہ ٹھیک ہو گئے تھے مگر ٹھیک ہونے کے فوراً بعد انہوں نے بے بے کے ذریعے اس تک پیغام پہنچایا تھا کہ وہ اب اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے بے بے کو تو صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ کبھی بھی شادی نہیں کرے گی مگر

اب بے بے کہہ رہی تھیں کہ خان بابا خود اس سے بات کرنا چاہتے ہیں تو وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ ان کی اتنی زیادہ احسان مند تھی کہ ان کے سامنے اس کی زبان نہیں کھل سکتی تھی مگر اس معاملے میں وہ خود پر جبر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے دور ہو گئی تھی اور اب اس دنیا کا حصہ بننے کی نہ اس کی خواہش تھی اور نہ اس میں اتنی ہمت تھی۔

"وہ خان بابا کو کیا کہے کہ اس کی جان بچ جائے" وہ بے بسی سے سوچنے لگی تھی مگر کچھ بھی ذہن میں نہیں آرہا تھا۔

قرآن پڑھانے کا وقت ہونے والا تھا۔ وہ وضو کر کے باہر برآمدے میں آکر چٹائی پر بیٹھ گئی تھی جہاں وہ روزانہ بچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی تھی۔ بے بے اس کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے خود بھی خاموش تھیں۔ بچیوں کے آنے کا وقت ہونے والا تھا مگر ان کے آنے سے پہلے ہی خان بابا وہاں آگئے تھے۔ بے بے کے بتانے پر اس نے چادر درست کرتے حجاب لے لیا تھا۔ خان بابا کے سلام کی آواز سن کر اس کا جھکا سر مزید جھک گیا تھا۔ خان بابا اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر چٹائی پر بیٹھ گئے تھے۔ دونوں کے درمیان بے بے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ بے بے کے بھاری بھرکم وجود کے پیچھے چھپ سی گئی تھی۔

"سعدی بیٹے آپ کی بے بے نے آپ کا انکار مجھ تک پہنچا دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ کا یہ فیصلہ کوئی اچھا فیصلہ نہیں ہے۔" خان بابا نے کہنا شروع کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں میں مرنے سے پہلے آپ کو کسی اچھے شخص کے حوالے کر جاؤں جو آپ کا محرم ہو۔ جو آپ کا خیال رکھے جیسے آپ کا حق ہے میں آپ کو یہ گارنٹی نہیں دے سکتا کہ میرے بعد یا آپ کی بے بے کے بعد میری اولاد آپ کو اتنی ہی عزت اور سکون سے یہاں رہنے دے گی اور آپ کا ایسا ہی خیال رکھے گی جتنا اب آپ کا خیال رکھا جا رہا ہے۔

ہمارے بعد آپ بہت سی مشکلات کا شکار ہو سکتی ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا۔

آپ کو شاید یاد نہ ہو مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے یہاں آنے کے بعد جو پہلی بات جو پہلے الفاظ آپ نے اپنی بے بے سے کہے تھے۔ آپ کے وہ لفظ میرے لیے وہ روشنی تھی جس نے آج تک آپ کے معاملے میں میری رہنمائی کی ہے۔) میں ان لفظوں کو کیسے بھول سکتی ہوں جو الہام کی صورت اللہ تعالیٰ ہی نے میرے دل میں اتارے تھے۔ وہ لفظ میری وہ سوچ تھی جس نے اس کٹھن وقت میں میری بھی رہنمائی کی تھی (دوسرے آپ بہت سمجھدار اور باشعور ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت کرتی ہیں۔ آپ کے پاس علم بھی ہے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں اسلام میں ترک دنیا کا یا عیسائیوں کی طرح کی رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

آپ نے جب اپنے حالات اپنی بے بے کو بتائے تھے تو وہ ساری باتیں میں نے بھی سنی تھیں اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا کہ جس نے مجھے اتنی اچھی مسلمان بیٹی دی تھی۔ میں نے آپ کو اپنے لیے انعام سمجھا تھا اور آپ کے شایان شان آپ کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ آپ کے مزاج کو مدنظر رکھتے میں نے اپنی ساری اولاد کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ ان کی طرف سے ذرا بھی کوئی ایسی بات نہ ہو جو آپ کو ناگوار گزرے مگر آنے والے وقت کا کچھ پتا نہیں کہ کیا ہو جائے نہ کوئی گارنٹی ہے بس

Digest Novels Lovers group

سب سے بہترین بات یہی ہے کہ آپ کو آپ کے محرم کے حوالے کر دیا جائے اس لیے میں نے آپ کے ایک خیر خواہ کی حیثیت سے آپ کو اپنی مسلمان بیٹی سمجھ کر آپ کی شادی اپنے بھتیجے حسان خان سے طے کر دی ہے۔ اپنے تمام جاننے والوں اور رشتہ داروں میں حسان خان مجھے سب سے زیادہ آپ کے قابل لگا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کا بہت خیال رکھے گا۔ دس سال پہلے اس نے شادی کی تھی۔ پانچ سال کی رفاقت کے بعد اس کی بیوی ایک حادثے میں انتقال کر گئی تھی جس کے بعد اس نے ابھی تک دوسری شادی نہیں کی۔ وہ ایک اچھا انسان ہے اور مجھے یقین ہے آپ خوش رہیں گی" خان بابا چپ ہو گئے تھے جبکہ وہ جیسے کسی پاتال میں گرتی جا رہی تھی۔ اس کا وجود سرد پڑ گیا تھا اور اکڑی ہوئی زبان کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔ وہ بس بے حس و حرکت بیٹھی رہ گئی تھی۔

"بیٹے اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے یا آپ کچھ کہنا چاہیں تو میں سننے کو تیار ہوں" چند لمحے بعد خان بابا نے کہا تھا۔ وہ جیسے دو ٹکڑوں میں بٹ گئی تھی۔ اس کا اندر چیخ چیخ کر انکار کر رہا تھا جبکہ باہر سے وہ اپنی جگہ جامد بت بنی بیٹھی تھی۔

"بیٹے آپ نے پریشان نہیں ہونا۔ میں سمجھتا ہوں آپ کی بہتری اسی میں ہے" چند منٹ اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہنے کے بعد خان بابا نے کہا تھا اور پھر اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ وہ خوفزدہ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ ایک بار پھر وہ پل صراط کا سفر کرنے والی تھی مگر اسے کوئی امید نہیں تھی اسے پار کر لینے کی۔ پہلی بار تو پھر بھی کہیں خوش کن خواب موجود تھے مگر اب خوفناک وہم اور خدشات اسے ڈرا رہے تھے لیکن وہ خان بابا کو کچھ بھی کہنے کی جرأت نہیں کر سکی تھی۔ بس اس کے پیٹ میں سخت گولہ سا گھومنے لگا تھا اور وہ درد سے بے حال ہو گئی تھی۔

digest.library.com

☆☆☆

حسان خان بے یقینی سے دلاور بابا کو دیکھ رہا تھا جو کہہ رہے تھے۔

"حسان خان، سعدی بیٹی کے میرے گھر آنے کے بعد ان سات سالوں میں تم پہلے واحد مرد ہو جس نے اسے دیکھا ہے"

انہوں نے کتنی ناقابل یقین سی بات کی تھی۔ اس بات کا کیا مطلب ہوا بھلا؟ وہ ناقابل یقین، ناقابل فہم نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"جس دن وہ میرے گھر لائی گئی تھی میں نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ دوسرے دن دوسری دفعہ میں نے اسی کمرے میں اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھا تھا جہاں سے تم نے اسے دیکھا ہے اور بس۔ اس کے بعد میں نے اسے ان سات سالوں میں کبھی نہیں دیکھا اور نہ میرے بیٹوں نے اسے دیکھا ہے اور مرد ملازم زنان خانے کی طرف جاتے ہی نہیں۔ وہ گھر سے باہر کبھی نہیں گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تمہاری بے بے نے اسے اپنے ساتھ کہیں لے جانے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے شروع میں بہت کوشش کی تھی کہ خاندانی تقریبات میں یا ویسے ہی کبھی اسے کہیں باہر ساتھ لے جائیں مگر وہ ہمیشہ سختی سے انکار کر دیتی تھی۔ میرے کہنے پر میری بیٹیوں نے بھی اس کا بہت خیال رکھا ہے مگر وہ کبھی ان کے گھر بھی نہیں گئی۔ تین سال پہلے وہ بہت بیمار ہو گئی تھی تب بھی اس نے ہسپتال جانے سے صاف انکار کر دیا تھا تو ہم اس کے چیک اپ کے لئے لیڈی ڈاکٹر گھر لائے تھے۔

میرے سامنے اس نے ایک راہبانہ سی

زندگی گزاری ہے۔ میں تم پر جبر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے تمہیں اسے دیکھنے دیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اسے دیکھ کر تم فوراً مان جاؤ گے۔ ویسے یہ تجویز تمہاری بے بے کی تھی جو میری سمجھ میں آ گئی تھی ورنہ میری اپنی خواہش یہی تھی کہ تم اسے دیکھے بغیر ہی میری بات مان لیتے") شاید تبھی اس کے چہرے پر موجود نور نے مجھے اتنا زیادہ متاثر کیا ہے("کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا ہوتا ہے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ماننے والے ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں نا تو ان پر آزمائشیں بھی بہت آتی ہیں۔ یہی حال میری اس بیٹی کا بھی ہے۔ یہ بھی سخت آزمائش سے گزری ہے۔ میں چاہتا ہوں تم سب جان لو، ہر بات سے باخبر ہو" دلاور بابا نے کہا تھا مگر اس نے ان کی اگلی باتیں لاپرواہی و بے توجہی سے سنی تھیں۔ اس کے حالات جان کر حسان خان کو تھوڑا افسوس بھی ہوا تھا مگر اسے اپنا بنانے اسے حاصل کر لینے کی خوشی اس افسوس سے کہیں زیادہ تھی۔

دلاور بابا نے اس کے بارے میں سب کچھ بتانے کے بعد اپنی میز کی دراز سے ایک کاپی نکال کر اس کے سامنے رکھی تھی۔ اسکول جانے والے بچے عموماً ایسی کاپی استعمال کرتے ہیں۔

"یہ سعدی بیٹی کے یہاں آنے کے چند ماہ بعد تمہاری بے بے نے مجھے لا کر دی تھی پڑھنے کے لیے۔ یہ سعدی نے لکھی ہے تم بھی اسے ایک بار پڑھ لو اس سے تمہیں سعدی بیٹی کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہو گی" انہوں نے کہا تھا۔ اس نے کاپی اٹھا کر اپنے سامنے میز پر رکھی تھی اور اسے کھولا تھا۔ پہلے دو صفحے خالی تھے۔ تیسرے صفحے پر بار بار اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس نے اگلا صفحہ پلٹا تھا۔ اور پڑھنے لگا تھا۔

التجا

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے قدموں میں آنا چاہتی ہوں
بھول کر ساری دنیا کو میں صرف آپ کو چاہنا چاہتی ہوں
نارسائی پر دل مضطرب تڑپے مچلے
ہو جائے گر آپ کی نظر کرم تو پھر سنبھلے
اندھیرا پھیلا ہے میرے ہر طرف
آپ کی روشنی کی ہے مجھے طلب
سکون دل آپ مجھے عطا کریں
ان ظالموں کو آپ تباہ کریں
فریاد میری کو سن لیں میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میں عاجز گناہگار بندی ہوں خاک دھول (بہت مجبور)
ظالموں نے میرے پر کاٹ دیئے ہیں
مجھ پر ستم ہزار ہا کیے ہیں
ان ظالموں سے ان کے مظالم کا حساب لیں
اس دنیا میں بھی وہ اپنے مظالم کا جواب دیں

صفحے پر آنسوؤں کے کئی قطرے گرے ہوئے تھے جہاں جہاں آنسو گرے تھے وہاں سے کاغذ اکڑا ہوا تھا۔ عجیب سا رنج محسوس کرتے اس نے آگے صفحہ پلٹا تھا جہاں دعا لکھی ہوئی تھی۔

دعا

تمنا ہے اک بار جاؤں روضہ پاک
حال دل سناؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
کر دوں اپنا سینہ چاک
دل کو میرے تسلی ہو تھام کر جالیوں کو
ہو جائے میرا اندر باہر پاک
سکون دل ملے دیکھ کر مدینے کی فضاؤں کو
چوم لوں میں اک بار طیبہ کی خاک
سینے پر میرے گناہوں کا جتنا بوجھ ہو

Digest Novels Corner

ہو جائے سب کا سب راکھ
دل پر میرے پھر کسی داغ کا نشان نہ ہو
ہو جاؤں میں بالکل صاف پاک
اے کاش پہنچے میری صدا قبولیت کی منزل کو
دعا کو ہاتھ اٹھائیں سب جن وانس وملائک

وہ صفحے پلٹتا گیا تھا۔ دعائیں، نعتیں التجائیں پڑھتا گیا تھا۔ وہ بہت ہی حساس بہت ہی مظلوم شخص کی تحریریں تھیں۔

گہری سانس لیتے اس نے کاپی بند کر دی تھی۔

دلاور بابا نے اس کے متاثر تاثرات کو سکون سے دیکھا تھا اور کاپی ان کے آگے سے اٹھا کر دوبارہ میز کی دراز میں رکھ دی تھی جبکہ وہ اپنی زندگی کو سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی سمیرا یاد آئی تھی۔ سمیرا اور سعدی میں یقیناً زمین و آسمان کا فرق تھا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضد کہنا بالکل درست تھا۔ سمیرا بہت ماڈرن اور زمانے کے ساتھ چلنے والی تھی۔ اسے پارٹیز اور ہلا گلا بہت پسند تھا اور وہ جانِ محفل ہوا بھی کرتی تھی۔ وہ سمیرا کے مقابلے میں تھوڑا ریزرو ٹائپ تھا مگر پھر بھی اس کی خوشی میں ہر وقت اور ہر بات میں اس کا ساتھ دیتا تھا۔ یہ سچ تھا اس نے سمیرا سے محبت کی تھی اور اس کی یاد میں اس نے پانچ سال گزار دیئے تھے۔ کبھی کسی اور عورت سے متاثر نہ ہوا تھا مگر آج، آج اس کے ساتھ عجیب معاملہ ہو گیا تھا۔ آج سعدی کو دیکھ کر اس کا دل ایسے دھڑکا تھا جیسا سمیرا کے لیے بھی کبھی نہیں دھڑکا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کئی عورتیں دیکھی تھیں۔ کاروباری سلسلے میں وہ بہت بار بیرون ممالک سفر کر چکا تھا۔ مختلف ممالک کے حسن کو اس نے دیکھ رکھا تھا مگر سعدی جیسی عورت اس نے پہلے کبھی بھی کہیں بھی نہیں دیکھی تھی۔ سعدی سب سے الگ سب سے جدا تھی۔ اس کا حسن لاجواب تھا تو اس کا کردار بے مثال تھا۔ آج کے دور میں اتنی ڈھکی چھپی اتنا صبر کرنے والی اتنی حسین بیوی کا ملنا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام ہی تھا جو بیٹھے بٹھائے اسے اچانک مل رہا تھا۔

✧✧✧

وہ شدت سے سعد بھائی کے آنے کی منتظر تھی مگر وہ نہیں آئے تھے حالانکہ انہیں خط لکھے ہوئے اسے چند دن ہو چکے تھے اور امکان تھا کہ خط انہیں مل چکا ہوگا پھر ان کے نہ آنے کی وجہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ سعد بھائی کو بلائے اور وہ نہ آئیں۔ وہ تو اس پر جان چھڑکتے تھے۔

”کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ ہوں۔“ بے چینی سے ٹہلتے وہ سوچ رہی تھی۔ دادی کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی اور وہ چاہتی تھی سعد بھائی ان کی زندگی میں ان سے مل کر ایک بار پھر ان سے معافی مانگ لیں۔ وہ خود تو سعد بھائی کے لیے دادی سے بہت دفعہ معافی مانگ چکی تھی۔ دادی جب صحت مند تھیں تب بھی اور اب جب وہ بہت بیمار ہو چکی تھیں تب بھی۔ یہ نہیں تھا کہ سعد بھائی نے خود کبھی دادی سے معافی نہیں مانگی تھی۔ بہت دفعہ مانگی تھی مگر دادی نے انہیں کبھی معافی کا مژدہ نہیں سنایا تھا اور اب جب وہ بہت بیمار تھیں اور ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اب بچنے والی نہیں ہیں تو وہ چاہتی تھی کہ اس وقت سعد بھائی ضرور آ کر دادی سے مل لیں۔ وہ جانتی تھی دادی بھی سعد بھائی کے آنے کی منتظر تھیں وہ زبان سے نہیں کہتی تھیں مگر وہ ان کی نظریں آسانی سے پڑھ لیتی تھی۔

دادی اس بیماری میں اس کے لیے بھی تو پریشان تھیں۔ وہ یقیناً چاہتی تھیں کہ جب ان کی

Digest Library.com

آنکھیں بند ہوں تو وہ اکیلی نہ ہو بلکہ سعد بھائی کا سہارا اس کے ساتھ ہو۔

اس نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر دادی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ غنودگی میں تھیں۔ چند دن کے تیز بخار نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔

وہ بہت کمزور ہو چکی تھیں۔ اس کی منت سماجت کے باوجود انہوں نے راولپنڈی شہر میں کسی اچھے ہسپتال میں جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ یہاں گاؤں مین ایک سرکاری ڈسپنسری تھی مگر وہاں ڈاکٹر آئے روز چھٹی پر ہی رہتا تھا۔ ابھی تک گاؤں میں فون کی سہولت بھی نہیں آئی تھی کہ وہ فون کر کے سعد بھائی کو بلا لیتی۔ دادی کی حالت پر اس کا دل دکھ رہا تھا۔

''دادی!'' اس نے ان کے پاس بستر پر بیٹھ کر ان کا دایاں ہاتھ پکڑ کر پکارا تھا۔

''اوں'' انہوں نے ہلکی سی نحیف آواز نکالی تھی مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ اس نے مزید انہیں پکار کے تنگ نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔ اس کا دل بہت اداس تھا۔ اسے رونا آئے جا رہا تھا مگر وہ دادی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے بمشکل ضبط کیے اس نے اپنی آواز پر قابو پایا ہوا تھا مگر وقفے وقفے سے آنکھوں سے نکلتے آنسو صاف کرتی جا رہی تھی۔

دادی کے ساتھ اسے اب سعد بھائی کی طرف سے بھی پریشانی لاحق تھی۔ دادی اور سعد بھائی یہ دو ہی رشتے اس کی کل کائنات تھے۔

وہ سعدی تھی۔ سعد بھائی اسے سعدی گڑیا کہتے تھے۔ اس نے اپنے امی ابو کو کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ امی اس کی پیدائش پر اور ابو اس کی پیدائش سے بھی تین ماہ پہلے ایک حادثے میں فوت ہو گئے تھے۔ دادی اور اس سے دس سال بڑے سعد بھائی نے اس کا خیال رکھا تھا۔

جب وہ صرف پانچ سال کی تھی تو اس وقت سعد بھائی میٹرک پاس کر کے راولپنڈی شہر پڑھنے چلے گئے تھے۔ وہ بہت لائق تھے۔ انہیں سکالرشپ ملا تھا ورنہ وہ لوگ اتنے امیر نہیں تھے کہ سعد بھائی پڑھنے راولپنڈی جا سکتے۔ دادا فوجی تھے اس لئے دادی کو پنشن ملتی تھی اور گاؤں میں تھوڑی سی ان کی زمین بھی تھی جس سے تھوڑا اناج مل جاتا تھا یوں ان تینوں کا بمشکل سہی گزارا ہو جاتا تھا۔ سعد بھائی مہینے میں ایک چکر گھر کا لگا لیتے تھے اسے سعد بھائی کا یوں دور چلے جانا بہت برا لگتا تھا۔ اس نے سعد بھائی کو پڑھنے اور پنڈی جانے سے منع کیا تھا مگر وہ آگے سے ہنستے رہے تھے اور پھر اسے پڑھنے کے بہت سے فائدے بتا کر اسے بھی پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ خیر لائق تو وہ بھی بہت تھی۔

پڑھنا اسے اچھا لگتا تھا مگر سعد بھائی سے جدائی کی قیمت پر نہیں۔ اب سعد بھائی اس کے کہنے پر پڑھنا تو چھوڑ نہیں سکتے تھے اسے مختلف بہانوں سے بہلاتے رہتے تھے۔ تھوڑا سمجھدار ہونے پر اس نے سعد بھائی سے پڑھنا چھوڑ دینے کی ضد کرنا تو چھوڑ دی تھی مگر ان کی جدائی اسے اب بھی پہلے کی طرح بہت بری لگتی تھی۔

جب وہ پانچویں جماعت میں تھی ان دنوں دادی نے پہلی بار سعد بھائی سے ان کی شادی کر دینے کی بات کی تھی۔

''نہیں دادی، ایسا سوچنا بھی نہیں۔ ابھی تو میں نے بہت پڑھنا ہے، کسی مقام پر پہنچنا ہے پھر اس جھمیلے میں پڑوں گا۔''

سعد بھائی بیٹھے سے کھڑے ہو گئے تھے اور سختی سے بولے تھے۔

''لڑکی بہت پیاری ہے میں نہیں چاہتی اس کی کہیں اور......۔ دادی نے اپنی منتخب کردہ

لڑکی کے بارے میں ابھی کچھ کہنا شروع ہی کیا تھا جب وہ مزید تڑپے تھے۔

"نہیں دادی یہاں کسی سے کچھ نہیں کہنا، میں یہاں شادی نہیں کروں گا" انہوں نے اتنے سخت لہجے میں کہا تھا کہ دادی ان کی شکل دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"یہاں نہیں کرو گے تو پھر کہاں کرو گے؟" انہیں گھورتے دادی نے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا، جب وقت آئے گا تو میں آپ کو بتاؤں گا" دادی سے نظریں چراتے وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

دادی کو ان پر شک ہو گیا تھا اور یہ شک تین چار سال بعد عملی شکل میں سامنے آ گیا تھا۔

سعد بھائی نے ایم بی اے مکمل کر لیا تھا اور اب کسی سے قرض لے کر انہوں نے اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کیا تھا اور انہیں امید تھی کہ وہ جلد ہی بہت کامیاب ہوں گے۔ انہی دنوں انہوں نے پہلی بار شازمہ بھابھی کے بارے میں دادی سے بات کی تھی۔

"دادی وہ جو میری کلاس فیلو شازمہ تھی نا وہ بہت پیاری ہے" لاڈ سے دادی کے کندھے پر سر رکھے وہ سرگوشی میں بولے تھے۔ دادی نے دونوں ہاتھوں سے ان کے سر کو غصے سے پیچھے کیا تھا جبکہ وہ جو ان کے ساتھ والی چارپائی پر بیٹھی کتاب کھولے پڑھنے میں مصروف تھی یکدم پوری آنکھیں کھولے سعد بھائی کو دیکھنے لگی تھی

"پیاری دادی" انہوں نے پھر دادی کے کندھے پر سر رکھنا چاہا تھا مگر دادی نے پھر انہیں جھٹک دیا تھا۔

"پلیز دادی ناراض نہ ہوں" انہوں نے اب کے دادی کا دایاں ہاتھ پکڑا تھا جو انہوں نے غصے سے چھڑا لیا تھا۔

"میں نے جو لڑکی دیکھی تھی نا، وہ بھی بہت پیاری تھی" وہ اسی غصے سے بولی تھیں۔

"مگر میں اس سے محبت تو نہیں کرتا تھا نا دادی" سر کھجاتے، نظریں جھکائے تھوڑا جھینپے وہ بولے تھے۔

"یہ محبت کس بلا کا نام ہے؟" دادی نے چڑ کر غصے سے انہیں گھورتے پوچھا تھا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئے تھے۔

"اسے بھی تم سے محبت ہو گی یقیناً" دادی نے پھر طنز کیا تھا۔ سعد بھائی نے اسی طرح سر جھکائے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"تمہیں ایسی شرم و حیا سے عاری لڑکی اچھی لگتی ہے جو تم سے نکاح سے پہلے ہی بے تکلف ہے؟ تف ہے تم پر"

دادی کا غصے سے برا حال تھا۔

"آئندہ تم نے اس بے حیا کا نام بھی لیا نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا"

"دادی ایسے نہ کہیں ناں، میں اس سے شا۔۔شادی کرنا چاہتا ہوں" وہ اسی طرح سر جھکائے بولے تھے۔

دادی سناٹے میں انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"میری بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت ہے؟ میں نے کہا ہے آئندہ اس کا نام نہیں لینا" وہ دکھ سے بولی تھیں۔

"پلیز دادی" انہوں نے لجاجت سے دادی کا دایاں بازو پکڑا تھا جسے انہوں نے فوراً جھٹک دیا تھا

"دادی میں نے اسے حاصل کرنے کی بہت دعائیں کی ہیں بہت کوششیں کی ہیں" وہ رنجیدگی سے بولے تھے۔

"نا اس میں ایسے کون سے سرخاب کے پر

digest library.com

ہیں؟ بتاؤ مجھے، شرم و حیا والی تو ہے نہیں" دادی کا غصہ ہنوز تھا۔

"دادی وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور میں...... میں اس کے ڈیڈی کا مقروض بھی ہوں" انہوں نے جھجکتے کہا تھا۔

"کیا مطلب، یہ کیا کہہ رہے ہو؟ دادی حیرانی پریشانی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔ وہ بھی دنگ رہ گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی سعد بھائی کوئی ایسی بات کریں گے۔

"وہ دادی اس کے ڈیڈی نے کہا تھا وہ کسی غریب کو اپنی بیٹی نہیں دیں گے ہاں اگر میں دولت حاصل کرلوں تو پھر وہ یہ رشتہ قبول کرلیں گے تو اس لیے میں نے انہی سے قرض لے کر کاروبار شروع کیا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی خاطر مجھے لاکھوں روپے دیئے ہیں ورنہ کون کسی کو اس طرح پیسے دیتا ہے؟" وہ بولے نہیں تھے دھماکہ کیا تھا۔ دادی انہیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تھیں۔ وہ خود بھی سناٹے میں آگئی تھی۔

"او!! تو تم بک گئے ہو" دادی دکھ سے بولی تھیں۔

"میں بکا نہیں ہوں دادی" انہوں نے اتنی دیر میں پہلی بار سر اونچا کیا تھا۔

"وہ مجھے اچھی لگتی ہے دادی اس پہلے پل، اس پہلے لمحے سے جب میں نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا مگر جب اس کے ڈیڈی نے شرط رکھی کہ وہ مجھے اپنی بیٹی تب دیں گے جب میں ان کے آفس میں کام کروں گا، ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں گا تو میں نے صاف انکار کردیا تھا۔ انہوں نے بھی مجھ کنگلے کو اپنی بیٹی دینے سے صاف انکار کردیا تھا چاہے یہ ان کی اپنی بیٹی کی خواہش بھی تھی۔ تب میں نے درمیانہ راستہ نکالا تھا۔ میں نے انہیں کہا تھا وہ مجھے قرضہ دے دیں میں کاروبار کروں گا اور کما کر ان کا قرضہ اتار دوں گا۔ اپنی بیٹی کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے میری بات مان لی تھی۔

دادی وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے، میں اس سے دستبردار نہیں ہوسکتا تھا"

دادی کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"پلیز دادی روئیں نہیں" سعد بھائی پریشان ہوگئے تھے۔ وہ خود بھی پریشان تھی۔ کبھی دادی کو دیکھتی کبھی سعد بھائی کو۔ اس کا دل دونوں کے لیے دکھی تھا۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد تمہیں یہ سب کچھ مجھے بتانے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟ دادی نے اپنے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔

"دادی آپ چلیں نا میرے ساتھ ان کے گھر۔" وہ اب تھوڑے شرمندہ سے بولے تھے۔

"میرے نہ جانے سے تم اپنا ارادہ تو نہیں بدلو گے، تم نے خود ہی سب کچھ طے کرلیا ہے۔ میرے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا" وہ چہرہ صاف کرتے بھرآئی آواز میں بولی تھیں۔

"پلیز دادی مجھ سے ناراض نہ ہوں" سعد بھائی اب گھبرا گئے تھے۔

"سعدی گڑیا! دادی کو راضی کرو نا" بھائی اب اس کی طرف مڑے تھے۔ وہ کتاب ہاتھ سے رکھ کر لپک کر دوسری چارپائی پر بیٹھی دادی سے لپٹی تھی۔

"دادی آپ سعد بھائی سے ناراض نہ ہوں۔ آپ ان کی بات مان لیں" دادی سے لپٹے اس نے کہا تھا۔ دادی نے اسے بھی پکڑ کر جھٹکے سے پرے کردیا تھا۔

"تمہارا جو دل چاہا تھا تم نے کیا، آگے بھی

اپنی مرضی کر لو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی مگر میرے سامنے تم آئندہ اس چڑیل کا نام نہ لینا نہ مجھے کہیں ساتھ لے جانے کی بات کرنا اور ہاں یہ جو سوغاتیں لائے ہو نا واپس لے جانا اور آئندہ میرے لیے کبھی کوئی چیز نہ لانا" دادی غصے سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ سعد بھائی اور وہ ان کے پیچھے گئے تھے۔ انہیں بہت منایا تھا مگر دادی کی نہ ہاں میں نہ بدلی تھی۔ دو دن دادی کی منتیں کرنے کے بعد سعد بھائی مایوس ہو کر واپس چلے گئے تھے پھر چند دن بعد آ گئے تھے دادی کو منانے مگر بہت نرم دل دادی اس معاملے میں چٹان ثابت ہوئی تھیں۔ بالآخر سعد بھائی مایوس ہو گئے تھے۔

"میں سعدی کو تو ساتھ لے جا سکتا ہوں نا دادی؟" سعد بھائی نے اس کے لیے ان سے اجازت لینی چاہی تھی۔

"تمہاری ہی بہن ہے، جو مرضی آئے کرو" وہ بولی تھیں۔ دادی ناراض تھیں مگر وہ سعد بھائی کے ایک دفعہ کہنے سے ہی ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔ وہ دادی کی طرح سعد بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

سعد بھائی کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھنا اسے بہت اچھا لگا تھا مگر ان کے گھر کو دیکھ کر تو وہ سچ مچ ششدر رہ گئی تھی۔ اتنی خوبصورت کوٹھی تھی وہ۔

سعد بھائی یہ کس کا گھر ہے؟" اس کے پوچھنے پر وہ مسکرا دیے تھے۔

"تمہارا"

"میرا؟" سینے پر ہاتھ رکھے اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ہاں" میرا گھر تمہارا گھر ہی ہوا نا" انہوں نے کہا تھا تو وہ خوش ہو گئی تھی۔

اس شام سعد بھائی اسے ساتھ لے کر شازمہ بھابھی کے گھر گئے تھے۔ سعد بھائی نے انہیں پہلے سے بتایا ہوا تھا کہ وہ دادی کو ساتھ لائیں گے۔ اب دادی تو آئی نہیں تھیں نجانے وہ لوگ سعد بھائی سے کیا کہتے۔

شازمہ بھابھی کے ڈیڈی کا گھر سعد بھائی کے گھر سے بھی کئی گنا بڑا اور عالیشان تھا۔ بھاری بھر کم شخصیت کے مالک ان کے ڈیڈی بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔ ان کی ممی اتنی ہی دبلی پتلی اور سفید رنگت کی تھیں۔ انہوں نے بغیر بازو کے گہرے گلے اور زرد پھولوں والی قمیص اور سفید شلوار پہنی ہوئی تھی۔ قمیص کے ساتھ کا باریک دوپٹہ ان کے بائیں کندھے پر جھول رہا تھا۔ انہوں نے بے تحاشا میک اپ بھی کیا ہوا تھا۔ ان کا اتنا غیر اخلاقی سا حلیہ دیکھ کر اس کی نظریں جھک کر رہ گئی تھیں۔ اس نے اپنے سلیقے سے لپٹی شال کو خواہ مخواہ ہی درست کیا تھا۔ اس طرح کے حلیے والی عورت دیکھنے کا اس کا زندگی کا پہلا اتفاق تھا۔ سعد بھائی تو انہیں سلام کرتے بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ گئے تھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھا لیا تھا۔

"تمہاری دادی نہیں آئیں" ڈیڈی نے اپنی موٹی کھردری سی آواز میں پوچھا تھا۔

"نہیں" سعد بھائی نے اطمینان سے انکار کیا تھا۔

"کیوں؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں، وہ اس شادی پر خوش نہیں ہیں" انہوں نے سچ بول دیا تھا۔

"تو پھر؟" ان کے ماتھے پر ناگواری کے بل آئے تھے۔

"تو پھر کیا؟ میں آ گیا ہوں۔ انہوں نے مجھے منع نہیں کیا، خود شادی میں شریک ہونے سے انکار کیا ہے"

"میری بیٹی کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے کہ تمہاری دادی یوں انکار کریں" اب کے ممی غصہ ہوئی تھیں۔

"وہ گری پڑی نہیں میری عزت ہے اور دادی آہستہ آہستہ راضی ہو جائیں گی۔ انہوں نے ماں باپ سے بڑھ کر میرا خیال رکھا ہے تبھی تو میں آج یہاں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں میں نے محبت سے، نرمی سے انہیں کہا ہے وہ نہیں مانی۔ میں ان پر کسی قسم کا جبر نہیں کروں گا۔ ہاں میں نے ان کی بھی بات نہیں مانی" سعد بھائی کے کہنے پر وہ منہ بنائے چپ کر گئی تھیں۔

"شازی کدھر ہے؟ سعد بھائی کے بے دھڑک پوچھنے پر وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔ انہی کے گھر بیٹھے کتنی بے تکلفی سے وہ ان سے ان کی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

"اپنے کمرے میں ہوگی" ممی لاپرواہی سے بولی تھیں اور اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟

"آؤ بیٹے تمہیں شازی سے ملواتا ہوں" سعد بھائی اٹھتے بولے تھے اور وہ ان کی اتنی زیادہ بے تکلفی کو سوچتی ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔ ان کے خاندان میں تو شادی سے پہلے دولھا کے سسرال جانے کا کوئی تصور نہیں تھا جبکہ یہاں سعد بھائی کا انداز یوں تھا جیسے یہ ان کا اپنا ہی گھر ہو اور بھابھی کے ممی ڈیڈی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر سعد بھائی اسے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر لے آئے تھے اور ایک دروازے کے سامنے رک کر انہوں نے انگلی سے اس پر دستک دی تھی اور نسوانی آواز میں یس سن کر انہوں نے دروازہ کھولا تھا اور اسے ساتھ لیے اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ بہت شاندار اور خوبصورت بیڈ روم تھا مگر اس کی مکین اس سے بھی کئی زیادہ خوبصورت اور نرم و نازک سی تھی۔ گلابی رنگت والی شازمہ نے گلابی ہی بغیر بازو کی شرٹ اور بلیک پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کی صراحی دار خوبصورت گردن بہت نمایاں تھی۔ اس کے وجود پر دوپٹہ ندارد تھا۔

سعد بھائی کو دیکھتے ہی وہ بے ساختہ مسکرائی تھی اور ان کی طرف بڑھی تھی مگر اس پر نظر پڑتے ہی دو تین قدم کے فاصلے پر رک گئی تھی۔

"اوہ دادی آ گئیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں" سعد بھائی جواب دیتے آگے بڑھ کر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا تھا۔ وہ جو ابھی تک شازمہ بھابھی کے حسن کے سحر میں گم اپنی جگہ پر کھڑی تھی چونک گئی تھی۔

"بھائی آپ سگریٹ پیتے ہیں؟" آگے بڑھ کر صوفے پر ہاتھ رکھے ان کے سر پر کھڑی وہ پوچھنے لگی تھی۔

"کچھ نہیں گڑیا، ایسے ہی کبھی کبھار شغل کر لیتا ہوں" وہ بھی یوں چونکے تھے جیسے اس کی موجودگی کو فراموش کر چکے ہوں۔ کہتے انہوں نے سگریٹ کی ڈبیہ واپس جیب میں رکھ لی تھی۔

"کیوں دادی کیوں نہیں آئیں؟" شازمہ بھابھی نے حیرت سے سعد بھائی کو دیکھتے پوچھا تھا۔

"کیونکہ وہ بہت عقلمند اور باشعور انسان ہیں، میں ویسے ہی ان سے ناراض ہو رہا تھا" سعد بھائی تلخی سے بولے تھے۔

Novels Lovers Digest

''کیا ہوا، ناراض کیوں ہو رہے ہو؟ شازمہ بھابھی نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''عجیب ناشکرے لوگ ہو تم لوگ۔ جو نہیں آیا اس کے نہ آنے کا رونا رو رہے ہو اور جو آ گیا ہے اسے پوچھ ہی نہیں رہے ہو۔'' سعد بھائی نے اسی غصے سے کہا تھا۔

''کیا مطلب؟ شازمہ بھابھی نہیں سمجھی تھیں نہ اسے سعد بھائی کی باتوں کی کچھ سمجھ آئی تھی۔

''پہلے تمہارے (parentsوالدین) نے دادی کا پوچھا لیکن تمہاری ممی نے آگے بڑھ کر میری بہن سے ہاتھ تک نہیں ملایا۔ اب تم دادی کا پوچھ رہی ہو جبکہ میری بہن سے ملی تک نہیں ہو''ان کے شکوے پر شازمہ بھابھی شرمندہ ہو گئی تھیں جبکہ اس کا دل سعد بھائی کے لیے فخر سے بھر گیا تھا۔

'' ,sorry dear وہ دادی کا تصور ہی اتنا زیادہ ذہن میں تھا کہ......... میں اب مل لیتی ہوں اس سے'' کہتے آگے بڑھ کر انہوں نے اس کے دونوں گالوں پر پیار کیا تھا۔ ایک مسحور کن خوشبو اس کے نتھنوں میں گھسی تھی۔

''اب خوش ہو؟'' پوچھتے شازمہ بھابھی نے سعد بھائی کے ساتھ بیٹھتے اپنا بازو ان کے کندھے پر رکھا تھا جبکہ وہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ اب چھوٹی نہیں تھی۔ دسویں جماعت میں گئی تھی۔ محرم نامحرم کے فرق کو اچھی طرح جانتی تھی۔

ادھر سعد بھائی نے گڑبڑا کر بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات پر جھینپ کر شازمہ بھابھی سے دور کھسکے تھے۔

''کیا ہوا؟'' وہ سعد بھائی کے انداز پر نا سمجھی۔ سے انہیں بغور دیکھنے لگی تھیں۔

''کچھ نہیں'' شرمندہ سے سعد بھائی نے ان کی طرف دیکھا نہیں تھا۔

''تو پھر مجھ سے دور کیوں ہوئے ہو تم؟'' شازمہ بھابھی نے غصے سے پوچھا تھا۔ جبکہ وہ ان کے اس طرح بے باکی سے پوچھنے پر شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''ہمیں تھوڑا فاصلے سے بیٹھنا چاہیے نا ابھی'' سعد بھائی کو مجبوراً کہنا ہی پڑا تھا۔ وہ حیرت و بے یقینی سے پوری آنکھیں کھولے انہیں گھورنے لگی تھیں۔

''یہ، یہ تم کیسی دقیانوسی باتیں کر رہے ہو؟ ان کا سکتہ ختم ہوا تھا تو وہ کھڑے ہو کر غصے سے بولی تھیں۔

''ٹھیک تو کہہ رہا ہوں'' بے بسی سے کہتے سعد بھائی نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ ٹھیک باتیں نہیں گنواروں والی باتیں ہیں'' وہ بیک وقت صدمے اور غصے میں تھیں۔

''تم، تم اس کی وجہ سے ایسی باتیں کر رہے ہو؟ نفرت و حقارت سے اسے گھورتی اس کی طرف اشارہ کرتی وہ بولی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم آرام کرو ہم بعد میں بات کریں گے چلو سعدی'' سعد بھائی کہتے اٹھے تھے اور اسے ساتھ لیے کمرے سے باہر آ گئے تھے۔ شازمہ بھابھی پیچھے غصے سے لرزتی رہ گئی تھیں۔

''اُف بھائی بھابھی تو بہت ہی حسین ہیں بالکل کرسٹل کی گڑیا کی طرح'' ان کے کمرے سے باہر آتے ہی اس نے سرگوشی میں سعد بھائی سے کہا تھا۔ وہ ہنس دیئے تھے اور اسے لیے شازمہ بھابھی کے ممی ڈیڈی کے پاس آ بیٹھے تھے جہاں وہ ان سے تھوڑی دیر پہلے ملے تھے۔

"تم آنٹی سے باتیں کرو میں ابھی آتا ہوں" چند منٹ بعد سعد بھائی کہتے اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ اسے یقین تھا وہ شازمہ بھابھی کے پاس گئے ہیں۔ آنٹی کا انداز نخوت والا ہی تھا مگر انکل نے اس سے اسکول کی، پڑھائی کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سعد بھائی آ گئے تھے۔ ان کے پیچھے شازمہ بھابھی بھی تھیں جو مسکراتی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے والے غصے کا کوئی نام و نشان نہیں تھا ان کے چہرے پر۔ یقیناً سعد بھائی انہیں منا کے لائے تھے۔ اس نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھیں اور نہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک آدھ دفعہ جو اس کی ان سے اتفاقاً نظر ٹکرائی تھی اسے ان کی نظروں میں بڑی سرد سی نفرت کی تپش کا احساس ہوا تھا۔

چند دن بعد سعد بھائی کی شادی کی تقریب منعقد ہوئی تھی۔ اس تقریب میں بیٹھے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی دنیا سے بالکل مختلف دنیا میں آ گئی تھی۔ اس نے گاؤں میں چند شادیوں میں شرکت کی ہوئی تھی جہاں عورتوں اور مردوں کے بیٹھنے کا الگ الگ انتظام ہوتا تھا جبکہ یہاں ایسا کچھ نہ تھا۔ عورتیں مرد سب اکٹھے ہی ایک ہی ہال میں موجود تھے۔

دوسرے اس نے کبھی کوئی دلہن بغیر گھونگٹ کے نہیں دیکھی تھی جبکہ شازمہ بھابھی اگرچہ بہت پیاری لگ رہی تھیں مگر ان کا گھونگٹ تو دور ان کا تو دوپٹہ بھی ان کے سر پر نہ تھا اور وہ ہنستی مسکراتی سر اٹھائے سب باتیں بھی کیے جا رہی تھیں اور صرف وہی نہیں بلکہ وہاں کسی بھی لڑکی یا عورت کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ شازمہ بھابھی نے اس کے شال لپیٹے رکھنے پر بھی اعتراض کیا تھا۔

"اسے کہو آج تو تھوڑی دیر کے لیے یہ شال اتار دے کیوں میری مووی خراب کرے گی" سٹیج پر آنے سے پہلے شازمہ بھابھی نے سعد بھائی سے کہا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے سٹیج پر آئے تھے۔ وہ بھی سعد بھائی کا ہاتھ پکڑے ان کے ساتھ تھی۔

"جس طرح تمہیں اپنی مرضی کا حق ہے اسی طرح میری بہن کو بھی ہے۔ ویسے بھی میرا بیٹا بہت پیارا لگ رہا ہے"

اسے دیکھتے سعد بھائی مسکرا کر بولے تھے جس پر شازمہ بھابھی کا منہ بن گیا تھا البتہ وہ پھر کچھ بولی نہیں تھیں۔

شادی کے دوسرے دن سعد بھائی اسے گاؤں چھوڑنے آئے تھے تو شازمہ بھابھی کو بھی ساتھ ہی دادی سے ملوانے لے آئے تھے۔ دادی شازمہ بھابھی سے تو مل لی تھیں مگر سعد بھائی سے نہیں بولی تھیں۔ سعد بھائی خود ہی ان سے لپٹ کر معافی مانگتے رہے تھے۔ چند گھنٹوں بعد وہ دونوں واپس چلے گئے تھے اور وہ دادی سے لپٹی سعد بھائی کی طرف سے معافی مانگتی رہی تھی۔) دادی کے شادی میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سعد بھائی نے پھر کسی اور رشتہ دار کو بھی نہیں بلایا تھا(دادی کی ناراضگی کے باوجود سعد بھائی ہر مہینے گاؤں کے ایک دو چکر ضرور لگا لیتے تھے مگر شازمہ بھابھی ساتھ نہیں آتی تھیں۔

دوسری دفعہ سعد بھائی شازمہ بھابھی کو تب گاؤں لائے تھے جب ان کا بیٹا فہد دو ماہ کا تھا اور سعد بھائی اسے ملانے لائے تھے۔ پیارے سے بھتیجے سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی تھی اور پہلی بار اس نے دادی سے ضد کی تھی کہ وہ بھی سعد بھائی کے ساتھ پنڈی شہر میں رہیں مگر دادی نے صاف انکار کر دیا تھا۔ دادی کی سعد بھائی کے

Digest Library . com

ساتھ جا کر نہ رہنے کی ضد کی وجہ سے ہی اسے میٹرک کے بعد پرائیویٹ پڑھنا پڑھا تھا حالانکہ سعد بھائی نے بھی دادی سے بہت کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چل کر رہیں تا کہ وہ ریگولر کالج میں تعلیم حاصل کر سکے اور اس نے خود بھی دادی سے بہت ضد کی تھی مگر دادی کی نہ ہاں میں نہ بدلی تھی۔

فہد سے دو سال چھوٹی۔ فاطمہ کو بھی سعد بھائی ان لوگوں سے ملانے لائے تھے۔

اسے اب پرائیویٹ ایم اے اردو کیے بھی سال ہونے والا تھا۔ دادی اب زیادہ بیمار ہوگئی تھیں۔ ویسے تو تھوڑی بہت وہ بیمار رہتی ہی تھیں مگر اب ان کی حالت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ اس کی منت سماجت کے باوجود وہ پنڈی شہر ہسپتال جانے سے انکاری تھیں۔ اس نے سعد بھائی کو خط لکھ دیا تھا۔ اسے انتظار تھا کہ سعد بھائی آئیں تو وہ دادی کو زبردستی ہی شہر میں کسی بڑے ہسپتال لے جائیں گے مگر سعد بھائی نہیں آئے تھے۔ نجانے کیوں؟ وہ ان سے اتنے غافل پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔

اس کا انتظار، انتظار ہی رہا تھا اور دادی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی تھیں۔ اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایک تو دادی کے جانے کا غم اوپر سے سعد بھائی کی طرف سے پریشانی۔ وہ بالکل ہی دل چھوڑ بیٹھی تھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔

وہ بالکل مایوس نڈھال چارپائی پر پڑی تھی جب بالکل اچانک سعد بھائی آگئے تھے دادی کی وفات کا سن کر ان کا بھی برا حال ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ بھابھی اور بچوں کے ساتھ امریکہ گئے ہوئے تھے اور رات کو واپس پہنچے تھے اور اس کا خط پڑھ کر وہ صبح صبح نکل آئے تھے۔ ان پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا شکریہ ادا کر کے جنھوں نے اتنے دن اس کا خیال رکھا تھا سعد بھائی اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ بھابھی اس سے نارمل انداز میں ملی تھیں۔ وہ اسے پسند نہیں کرتی تھیں مگر اسے کوئی شکایت نہیں تھی کیونکہ سعد بھائی اس کا بہت خیال رکھتے تھے اور پھر فہد اور فاطمہ بھی تو تھے جن میں اس کی جان تھی۔ اسے وہاں آئے ابھی دس دن بھی نہیں ہوئے تھے جب اس کا شازمہ بھابھی سے پہلا بڑا اختلاف ہوا تھا۔ شازمہ بھابھی اس کے لیے کپڑے لائی تھیں جو کہ یقیناً سعد بھائی کے کہنے پر اس کا خیال رکھا گیا تھا۔ ملازمہ وہ کپڑے اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ اس نے جب وہ کپڑے شاپنگ بیگز میں نے نکال کر دیکھے تھے تو اسے غصہ چڑھا تھا۔ وہ کپڑے لیے شازمہ بھابھی کی تلاش میں سعد بھائی کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دستک دینے پر شازمہ بھابھی کا کم ان سن کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر سامنے ہی سعد بھائی کو کھڑا دیکھ کر جھجک کر رک گئی تھی۔ شازمہ بھابھی بھی ان کے پاس کھڑی تھیں۔

"اندر آجاؤ سعدی بیٹے" اسے جھجکتا دیکھ کر سعد بھائی بولے تھے۔ وہ شاید ابھی پہنچے تھے کیونکہ وہ اپنی ٹائی کھول رہے تھے۔ وہ آہستہ قدموں سے اندر آگئی تھی۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔ پتا نہیں سعد بھائی کے سامنے شازمہ بھابھی کو ان کے لائے کپڑے واپس کرنے چاہئیں یا نہیں؟ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز صوفے پر رکھ دیئے تھے۔

"کیا بات ہے سعدی گڑیا کوئی کام ہے؟" اس کی خاموشی پر سعد بھائی نے پوچھا تھا۔ شازمہ بھابھی بھی صوفے پر پڑے شاپنگ بیگز

Digest Novels Library

کو دیکھتی تھیں کبھی اسے۔

''وہ میں یہ کپڑے بھابھی کو واپس کرنے آئی تھی'' نہ چاہتے بھی وہ کہہ اٹھی تھی۔ جھوٹ تو اس نے بولنا نہیں تھا۔

''ہوش میں ہو تم؟ جانتی ہو کتنی بڑی بوتیک سے میں یہ کتنے مہنگے کپڑے لائی ہوں اور تم نخرے کر رہی ہو؟ شازمہ بھابھی کا پارہ چڑھا تھا۔

''شازی؟'' سعد بھائی نے انہیں تیز لہجے میں پکارا تھا اور ساتھ گھورا بھی تھا۔

''کیا بات ہے سعدی گڑیا، کیا ہے ان کپڑوں کو؟'' اس کے پاس آتے انہوں نے پوچھا تھا۔

''بھابھی جیسے کپڑے خود پہنتی ہیں ویسے ہی سارے میرے لیے لے آئی ہیں۔ میں یہ کپڑے نہیں پہنوں گی۔ میرے لئے سادہ شلوار قمیص ہی ٹھیک ہیں بھائی'' وہ بولی تھی۔ سعد بھائی نے ہاتھ میں پکڑی ٹائی صوفے پر رکھی تھی اور آگے بڑھ کر ایک شاپنگ بیگ کھول کر کپڑے دیکھے تھے اور پھر انہیں واپس ڈال دیا تھا۔ ان کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ انہوں نے مڑ کر ایک غصہ بھری نظر شازمہ بھابھی پر ڈالی تھی اور ٹائی اٹھا کر دوبارہ لگانے لگے تھے۔

''چلو میں اپنے بیٹے کو ابھی ویسے ہی کپڑے دلا دیتا ہوں جیسے پسند ہیں'' سعد بھائی نے اسے کہا تھا تو وہ خوش ہو گئی تھی۔ سعد بھائی بھابھی کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ ان کے پیچھے تھی۔

''بھائی فہد اور فاطمہ کو بھی ساتھ لے چلیں؟'' سعد بھائی کے ساتھ چلتے اس نے پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہے بلاؤ انہیں بھی'' ان کے کہنے پر وہ رکی تھی۔

''بھائی اس وقت تو وہ قاری صاحب سے قرآن پاک پڑھتے ہیں، آپ بھی ساتھ چلیں بلانے'' اس کے کہنے پر سعد بھائی اس کے ساتھ سٹڈی کی طرف آئے تھے جہاں قاری صاحب فہد اور فاطمہ کو قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ وہ جب دونوں سٹڈی میں داخل ہوئے تھے تو قاری صاحب فاطمہ کو عربی حرف ''ق'' پڑھنا سکھا رہے تھے۔

''سعد بھائی میں نے بھی قرآن پاک پڑھنا سیکھنا ہے'' قاری صاحب کو پڑھانے کا انداز اتنا اچھا تھا جو اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے بے اختیار سعد بھائی کا بازو پکڑے فرمائش کی تھی۔

''تمہیں قرآن پاک پڑھنا آتا تو ہے'' سعد بھائی نے حیرت سے کہا تھا۔

''ہاں مگر ایسے تو نہیں آتا نا تجوید کے ساتھ۔ مجھے تو ''ق'' کی یہ آواز حلق سے نکالنا ایسے نہیں آتی جیسے ابھی فاطمہ سیکھ رہی ہے۔'' وہ بولی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے پڑھ لو۔'' سعد بھائی فوراً راضی ہو گئے تھے۔

''آپ قاری صاحب سے کہیں نا مجھے بھی پڑھائیں'' اس نے کہا تھا۔ اگرچہ ان دونوں نے ساری باتیں سرگوشی کے انداز میں کی تھیں اس کے باوجود ان تینوں نے انہیں بخوبی سنا تھا۔ فہد اور فاطمہ دیکھ بھی انہی کی طرف رہے تھے البتہ قاری صاحب نے ان کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان کی عمر تیس پینتیس سال کے درمیان ہوئی ہو گی۔ وہ اچھی شخصیت کے مالک تھے۔

سعد بھائی نے آگے بڑھ کر سلام کرتے ان سے ہاتھ ملایا تھا۔

''قاری صاحب آپ سعدی کو بھی قرآن

Digest Novels Lovers

پاک پڑھنا سکھا دیں" سعد بھائی کے کہنے پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا تو وہ خوش ہو گئی تھی۔

"میں ابھی آتی ہوں" کہتی وہ وہاں سے بھاگتی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ جلدی جلدی وضو کر کے وہ سٹڈی میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے بڑی خوشی و ذوق سے اپنا پہلا سبق لیا تھا۔ لیکن اس کے دل میں ایک نئی پریشانی آ گئی تھی۔ اس وقت تو سعد بھائی اس کی خاطر وہاں بیٹھے رہے تھے مگر آئندہ وہ پتا نہیں اس کے قرآن پڑھنے کے وقت پر گھر آ سکیں گے یا نہیں؟

قاری صاحب کے جانے کے بعد اس نے سعد بھائی سے پوچھ لیا تھا۔

"تم جانتی ہو میں روز ایک ٹائم پر تو گھر نہیں آتا۔ کبھی کس وقت آتا ہوں کبھی کس وقت مگر تم فکر نہ کرو میں رضیہ (ملازمہ) سے کہہ دوں گا وہ قرآن پاک پڑھتے وقت تمہارے ساتھ ہی رہا کرے گی" سعد بھائی کے کہنے پر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

"تم لوگ گاڑی میں بیٹھو۔ میں تمہاری بھابھی کو بھی لے آتا ہوں" اس وقت تک سعد بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ شازی بھابھی کو لینے چلے گئے تھے۔ نجانے انہوں نے شازی بھابھی کو کیا کہا تھا مگر جب تھوڑی دیر بعد سعد بھائی آئے تھے تو وہ ان کے ساتھ تھیں اور ان کا انداز بالکل نارمل تھا۔

سعد بھائی نے اسے اس کی پسند کی شاپنگ کروائی تھی۔ اس نے چند ڈھونڈ ڈھانڈ کر ریڈی میڈ سوٹ لیے تھے کیونکہ زیادہ تر تو ریڈی میڈ سوٹ ایسے تھے جو وہ پہننا نہیں چاہتی تھی اور چند اس نے ان سلے سوٹ لیے تھے جو سعد بھائی درزی کو دے آئے تھے۔

"سعدی گڑیا، میں سوچ رہا ہوں تمہارا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دوں۔ گھر میں بیٹھ کر بور ہونے سے بہتر نہیں ہے کہ آگے پڑھ لو" گھر واپس آتے سعد بھائی نے اسے کہا تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یونیورسٹی تو بہت اوپر کی چیز تھی اس نے تو کالج میں بھی نہیں پڑھا تھا۔

"میں یونیورسٹی میں پڑھ سکتی ہوں بھائی؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

"کیوں نہیں پڑھ سکتی۔ ایم اے اردو کر چکی ہو اب ایم اے انگلش کر لو" سعد بھائی اس کی ادب میں دلچسپی بخوبی جانتے تھے۔ وہ ہر مہینے کوئی نہ کوئی نئی کتاب اس کے لیے گاؤں لے کر جاتے تھے۔

"ٹھیک ہے بھائی" خوشی سے اس کی حالت غیر تھی۔ سعد بھائی کے اتنے زیادہ خیال رکھنے پر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"تمہاری شاعری کا کیا حال ہے اور نظمیں لکھی ہیں یا نہیں؟" وہ پوچھنے لگے تھے۔

"ہاں بہت سی لکھی ہیں بھائی" اس نے بتایا تھا۔

"شازی تمہیں پتا ہے ہماری گڑیا شاعرہ بھی ہے؟" انہوں نے اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی شازمہ بھابھی سے پوچھا تھا۔

"اچھا، پہلے کبھی تم نے نہیں بتایا" انہوں نے کہا تھا۔

"اپنی کوئی نظم تو سناؤ نا" پھر پیچھے اس کی طرف مڑ کر انہوں نے کہا تھا۔ ان کا انداز سادہ سا تھا مگر ان کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہ تھی اور آنکھوں میں عجیب ٹھنڈک سی تھی۔ وہ جھینپ گئی تھی۔

"بھئی میں سنا دیتا ہوں" سعد بھائی نے کہا تھا اور اس کی لکھی نظم تحت الفظ پڑھنے لگے

digest library.com

تھے

خدا سے عشق سچا
جو کرے گا بندہ
ملے گی راحت دنیا میں اسے
ہوگا نام اس کا اچھا
اس کی زندگی بنے گی
اس کی عاقبت سنورے گی
خدا رہے گا دوست اس کا
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو پیروی کرے گا
دین سے جو رہیں گے نابلد
وہ ہمیشہ کے ہیں ناخلف
خدا کے حضور کرے گا جو سجدہ
ملے گا اس کو انعام اس کا
دولت جنہیں ہے جاں سے پیاری
کرے گی نہ وہ ان سے کبھی وفاداری
لیکن جو کرے گا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا
خدا اسے دے گا دنیا میں ہی جزا
اے دوست اپنے ہی فائدے کی اک بات سمجھ لے
کرے گا جو محبت خدا سے
خدا ہمیشہ اس سے محبت کرے گا۔

Digest Novels Lovers Group

جب وہ ایف اے کر رہی تھی تب اس نے یہ حمد لکھی تھی۔ سعد بھائی کے گاؤں آنے پر اس نے بڑے جوش سے انہیں یہ حمد سنائی تھی جس پر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ اسے نہیں پتا تھا سعد بھائی کو وہ زبانی یاد ہے۔

سعد بھائی نے سچ مچ اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ صبح یونیورسٹی شام کو قرآن پڑھنا، زندگی ایک مخصوص مصروفیت میں ڈھل گئی تھی۔

شازمہ بھابھی سے اس کا دوسرا اختلاف اس وقت ہوا تھا جب اس نے ان کی پارٹی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

شازمہ بھابھی اس کی موجودگی میں پہلی دفعہ گھر پر پارٹی دے رہی تھیں۔ وہ ایسی پارٹیز کی بہت شوقین تھیں۔ دوسروں کی پارٹیز میں بھی وہ بہت شوق سے شرکت کرتی تھیں اور اپنے گھر میں بھی آئے روز پارٹیز دیتی رہتی تھیں۔ یہ اتنے دن جو انہوں نے پارٹی نہیں دی تھی اس کی وجہ دادی کی فوتگی تھی۔ سعد بھائی کے دکھ کو مدنظر رکھتے انہوں نے جلدی پارٹی دینے سے اجتناب کیا تھا اب چند دن پہلے ہی وہ اور بھائی گاؤں جا کر دادی کا چالیسواں کر آئے تھے۔

پارٹی سے دو دن پہلے شازمہ بھابھی نے اسے رات کے کھانے پر بتایا تھا کہ وہ پارٹی دے رہی ہیں اس لئے اسے اپنے لیے اچھے سے کپڑوں کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ اس نے شازمہ بھابھی کو دیکھا تھا پھر سعد بھائی کو۔ یقیناً شازمہ بھابھی نے سعد بھائی کو خوش کرنے کے لیے ان کے سامنے اسے پارٹی کا بتایا تھا۔ خوش قسمتی سے آج سعد بھائی رات کے کھانے پر موجود تھے اور ایسا کبھی کبھار ہوتا تھا ورنہ انہیں کاروبار کی مصروفیت رہتی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا نوالہ نہ چاہتے بھی اس نے منہ میں رکھا تھا۔

"پارٹی صرف عورتوں کی ہی ہے بھابھی؟" اس نے انہیں دیکھے بغیر پوچھا تھا۔ اسے پتا تھا انہیں غصہ آئے گا اور واقعی انہیں غصہ آ گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ انہوں نے منہ بنائے پوچھا تھا۔

"اگر پارٹی میں آدمی بھی آئیں گے تو میں ایسی پارٹی میں شرکت نہیں کروں گی بھابھی" اس نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔

"یہ کیسی منطق ہے بھلا، کیا مرد انسان نہیں ہوتے جو تم ایسے کہہ رہی ہو؟ انہیں طیش آیا تھا۔

"نامحرم بھی تو ہوتے ہیں نا بھابھی" وہ بے اختیار بولی تھی۔

"میں اپنی ساری دوستوں سے کہہ چکی ہوں کہ پارٹی میں انہیں اپنی نند سے ملواؤں گی اور تم.........." ان کا بس نہ چلا تھا کہ میز سے کوئی برتن اٹھا کر اس کے سر پر دے ماریں۔

"شازی غصہ مت کرو۔ اگر اسے پارٹی اٹینڈ کرنے کا شوق نہیں تو کوئی بات نہیں تم اپنی دوستوں سے اسے پھر کبھی ملا دینا" سعد بھائی نرمی سے بولے تھے۔

"سعد تم ہمیشہ اس کی غلط بات پر بھی اس کا ساتھ دیتے ہو۔ یہ یونیورسٹی جا کر مردوں کے ساتھ اور مردوں سے پڑھ سکتی ہے۔ قرآن پاک بھی ایک مرد سے پڑھ سکتی ہے مگر میری دی ہوئی پارٹی میں شرکت نہیں کر سکتی۔ پھر تم کہتے ہو میں اس کا خیال رکھوں، اسے اپنی بیٹی سمجھوں" غصے میں کھانا کھانا بھول کر وہ پھٹ پڑی تھیں۔

"بھابھی میں یونیورسٹی تعلیم حاصل کرنے جاتی ہوں اگر کوئی ایسی یونیورسٹی ہو جو صرف عورتوں کے لیے ہو اور جس میں صرف عورتیں پڑھانے والی ہوں تو میں شوق سے ایسی یونیورسٹی میں پڑھنا پسند کروں گی مگر ہمارے لیے ایسی کوئی یونیورسٹی نہیں ہے۔ قرآن بھی اگر مجھے کوئی اتنا اچھا پڑھانے والی خاتون قاریہ ہوں تو میں قاری صاحب کی بہ نسبت ان سے پڑھنا پسند کروں گی" وہ نرمی سے بولی تھی۔

"پارٹی میں شرکت کرنے کا میرے نزدیک کوئی مقصد نہیں ہے سوائے فضول ملنے جلنے کے۔ مجھے کیا ضرورت ہے غیروں کے سامنے خواہ مخواہ جاؤں" اس نے وضاحت سے اپنا موقف پیش کیا تھا۔

"کام ڈاؤن یار، سعدی ٹھیک کہہ رہی ہے جیسے اس کی مرضی" سعد بھائی نے شازمہ بھابھی کے کندھے پر تھپکی دی تھی جو اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"تم دونوں کو ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم دونوں دوستوں کی طرح رہو اور جہاں نظریات ٹکرائیں وہاں پیچھے ہٹ جایا کرو" سعد بھائی نے دونوں کو نصیحت کی تھی۔

"تم نے کہا تھا اس کا خیال رکھو۔ میں اس کے لیے مہنگے ترین، خوبصورت ترین کپڑے لائی اس نے انہیں ریجیکٹ کر دیا۔ ابھی پرسوں میں نے اسے اپنے ساتھ پارلر جانے کے لیے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ آج پارٹی میں شرکت سے انکاری ہے۔ یہ خود کو بہت نیک پاک سمجھتی ہے اور مجھے گناہگار اور برا" شازی بھابھی روہانسی کہہ رہی تھیں اور وہ منہ کھولے حیرت سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بھابھی، میں نے کبھی آپ کو کچھ غلط کہا ہے کیا؟ آپ تو میری ہر چیز ہر بات پر اعتراض کرتی ہیں مگر میں نے آپ کو کبھی کچھ نہیں کہا" اس نے فوراً صفائی پیش کی تھی۔

"میری ہر بات پر انکار کرنا مجھے برا کہنا ہے یا نہیں؟ وہ اسی غصے میں بولی تھیں۔

"دادی کہتی تھیں کہ کہ........." بھابھی کی حقارت بھری نظروں پر اس کی زبان لڑکھڑا کر رک گئی تھی۔ مگر پھر اس نے حوصلہ کیا تھا۔

"بھابھی بہت سی ایسی باتیں جنھیں آپ کی ممی نے آپ کو اچھا بتایا ہے میری دادی نے انہیں بہت برا بتایا ہے اور مجھے یقین ہے انہوں مجھے جو اچھا بتایا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا بتایا ہے وہ واقعی برا ہے۔ ہم دونوں کی تربیت میں فرق ہے اور بس ورنہ مجھے آپ سے ذرا بھی

Digest Novels Lahore

شکایت نہیں ہے۔ کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کی شادی کی کوئی ایک بات بتائیں جو میں نے آپ سے آپ کے حوالے سے بری کہی ہو۔ سعد بھائی سے پوچھیں میں نے کبھی ایک لفظ کی بھی آپ کی برائی کی ہو حالانکہ مجھے آپ کی بہت سی باتوں سے اختلاف ہے" اس کی وضاحت پر وہ اسے بس غصے ونفرت سے گھور کر رہ گئی تھیں۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔

"میرا بیٹا بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے اس لیے اب اس سے اپنی ناراضی ختم کرو اور مسکراؤ" سعد بھائی کے کہنے پر شازی بھابھی نے سر جھٹک دیا تھا۔

تین مہینے میں اس نے پورا قرآن پاک تجوید سے پڑھ لیا تھا جس کے بعد اس نے قاری صاحب سے پڑھنا چھوڑ دیا تھا البتہ پڑھائی میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔ سعد بھائی کے کہنے پر اس نے انگریزی ادب لے لیا تھا لیکن وہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا اس نے سمجھا تھا۔ کلاس میں ساتھ بہت سے لڑکے بھی پڑھتے تھے جن کی وجہ سے وہ سر ہی نہیں اٹھاتی تھی۔ چند لڑکیوں سے اس کی بات چیت تو تھی لیکن ان سے اتنی بے تکلفی نہ تھی کہ انہیں اپنی مشکل بتاتی اس لیے یونیورسٹی سے آنے کے بعد بس بیٹھی پڑھتی ہی رہتی تھی۔

شازمہ بھابھی سے اس کے تعلقات سرد مہری کا شکار تھے۔ وہ سامنا ہونے پر فوراً انہیں سلام کرتی تھی اور وہ بے نیازی سے جواب دے دیتی تھیں۔ سعد بھائی کی موجودگی میں دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیتی تھیں۔ انہوں نے دوبارہ اسے کبھی اپنی کسی ایکٹیویٹی میں شرکت کے لیے نہیں کہا تھا کیونکہ ان کی پارٹی کے دن وہ اپنے کمرے میں بند پڑھائی کرتی رہی تھی۔

اس دن شازمہ بھابھی اور فہد سعد بھائی سے اس دفعہ چھٹیوں میں سوئٹزرلینڈ لے جانے کی فرمائش کر رہے تھے جب ایک انوکھی سی پیاری سی خواہش نے اس کا دل دھڑکا یا تھا۔

"بھائی شکر اللہ آپ کے پاس تو بہت سے پیسے ہیں ناں؟" اس نے تھوڑا جھجکتے کہا تھا۔

"ہاں بہت سے ہیں، میرے بیٹے کی جو خواہش ہے وہ کرے" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"تو بھائی آپ مجھے پھر عمرہ کروائیں نا" خوشی سے چمکتی آنکھوں سے انہیں دیکھتے اس نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے ہم سب عمرہ کرنے چلیں گے" وہ فوراً راضی ہو گئے تھے۔ خوشی سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ اتنی بڑی سعادت اسے مل سکتی تھی؟ وہ دوسرے دن ہی اس نے سعد بھائی کے ساتھ جا کر پاسپورٹ کے لیے اپلائی کر دیا تھا۔

اس کے چند دن بعد وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد کھانا کھا رہی تھی جب ملازمہ نے اسے آ کر کہا تھا کہ شازمہ بھابھی اسے ڈرائنگ روم میں بلا رہی ہیں۔ وہ دوپٹہ درست کرتی ڈرائنگ روم میں چلی آئی تھی جہاں بھابھی کے ساتھ تقریباً ان کی ہم عمر دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں بہت ماڈرن تھیں۔ اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو نمایاں کرنے والا لباس انہوں نے پہنا ہوا تھا۔ ایک ایک نقش کو ابھارنے کے لیے میک اپ کی تہیں ان کے چہروں پر موجود تھیں۔ وہ بھابھی سے ملتا جلتا نمونہ تھیں۔

وہ سلام کرتی ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

Digest Novels

"سعدی یہ میری فرینڈز ہیں نتاشا اور حنا،" شازمہ بھابھی نے ان کی طرف اشارہ کرتے ان کا تعارف کرایا تھا۔

"انہیں تم سے ملنے کا بہت شوق تھا اس لیے تمہیں بلایا ہے"

"دراصل شازی تمہارا اتنا ذکر کرتی ہے کہ سوچا تم سے مل لیں"

(بھابھی اس کا ذکر کرتی ہیں جیسے کچھ سمجھتی ہی نہیں) اس نے حیرت سے کھلا منہ فوراً بند کیا تھا۔

جیسا شازی بتاتی ہے بالکل ویسی ہی ہو" عجب استہزائیہ لہجہ تھا حنا کا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"کس سبجیکٹ میں ماسٹرز کر رہی ہو؟" نتاشا نے پوچھا تھا۔

"انگلش میں"

"او!" اس نے آگے سے یوں منہ بنایا تھا جیسے پوچھ رہی ہو اسے بی سی بھی آتی ہے یا نہیں؟ سعدی کو اس کا انداز بہت برا لگا تھا۔ اس نے شازمہ بھابھی کی طرف دیکھا تھا وہ مسکرا رہی تھیں۔

"شازی تم اپنی نند کا بالکل خیال نہیں رکھتی ہو" حنا کے کہنے پر اس کے ساتھ بھابھی نے بھی حیرانی و پریشانی سے اسے دیکھا تھا جیسے انہیں اپنی دوست سے ایسی بے وفائی کی امید نہ ہو۔ اپنی ہی دوست انہیں برا کہہ رہی تھی۔

"دیکھو نا بے چاری کتنے رف حلیے میں ہے، اسے کبھی بیوٹی پارلر ہی لے جاؤ۔ اچھے اچھے کپڑے لے کے دو، بے چاری کو بتاؤ اپنا خیال کیسے رکھنا ہے" حنا کہتی جا رہی تھی اور بھابھی کا چند لمحے پہلے والے تاثرات والا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا تھا۔

حنا واضح طور پر اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"میں بے چاری نہیں ہوں" غصے کو بمشکل ضبط کرتی وہ بولی تھی لیکن لہجہ پھر بھی سخت ہو گیا تھا۔

"یہ کیا انداز ہے سعدی؟ وہ تم سے ہمدردی کر رہی ہے اور تم۔۔" شازمہ بھابھی غصے سے بولی تھیں۔

"اسے ہمدردی نہیں مذاق اڑانا کہتے ہیں، میں سب سمجھتی ہوں"

"سب سمجھتی ہو تو غصہ کرنے کے بجائے خود کو ایسا بناؤ کہ کوئی تمہارا مذاق نہ اڑا سکے" نتاشا نے کہا تھا۔

بھابھی اور حنا کے چہروں پر آگ لگانے والی مسکراہٹیں تھیں۔ اسے آگ لگ بھی گئی تھی مگر وہ غصہ کر کے ان سے جیت نہیں سکتی تھی۔ وہ شکل وصورت میں ان سے کسی طرح کم نہیں تھی بلکہ ان سے زیادہ ہی خوبصورت تھی۔ اس بھائی کی بہن تھی جسے دیکھتے ہی شازمہ بھابھی مر مٹی تھیں۔ ہاں وہ ان کی طرح چمک دمک والی نہیں تھی۔ اس کا ڈھیلا ڈھالا لباس، اس کی بڑی سی چادر اس کے حسن کو چھپا لیتے تھے لیکن اس کا اسے کوئی احساس کمتری نہیں تھا۔ وہ تو جان کے خود کو ایسے لباس میں چھپاتی تھی۔ وہ اپنے حسن و جمال کو نامحرموں، غیر لوگوں کو دکھانے کے سخت خلاف تھی۔

اس کے پردے، اس کی سادگی سے نفرت کرنے والی بھابھی نے آج حد کر دی تھی تو ان کی دوستوں نے انتہا۔ اب وہ مزید چپ نہیں رہ سکتی تھی۔

"میرا مذاق اڑانے والی آپ لوگ خود احساس کمتری کا شکار ہیں" وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کے لیے آپ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں پھر بھی مطمئن نہیں ہوتیں۔آپ لوگوں کی صبح یہ سوچ کر ہوتی ہے کہ آپ نے آج کیا پہننا ہے، کیسا میک اپ کرنا ہے کہ سب سے نمایاں ہو جائیں، باقی ساری عورتیں آپ کے سامنے ماند پڑ جائیں سارے مرد آپ کے گیت گاتے آپ کے پیچھے پیچھے ہوں۔ یہ احساس کمتری ہے۔

اور یہ سب کرنے میں آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود پار کر جاتی ہیں اور اسے فیشن اور ماڈرنزم کا نام دیتی ہیں۔

الحمد اللہ مجھے ایسا کوئی احساس کمتری نہیں ہے'' ان کے دل جلا کر وہ پرسکون اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے سرخ چہرے، غیض سے بھری آنکھیں اسے مزہ دے رہی تھیں۔

''بننا سنورنا ہمارا حق ہے۔تم ماسی کے حلیے میں رہنے والی، تمہیں کیا پتا خوبصورت بننا کیسا ہوتا ہے۔'' حنا حقارت سے بولی تھی۔

''شکر اللہ میں قدرتی طور پر ہی خوبصورت ہوں، مجھے واقعی نہیں پتا خود خوبصورت بننا کیسا ہوتا ہے۔''

(ایک اور چوٹ) حنا تلملا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا تم خوبصورت ہو؟ تمہارا حلیہ اور تمہاری سوچ دونوں دقیانوسی ہیں، تمہیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں تم اس محل کی مالکن ہو'' حنا چیخی تھی۔

''یہ آپ کا احساس کمتری بول رہا ہے اور کچھ نہیں'' کہتے وہ وہاں سے جانے کو مڑی تھی۔

''رکو'' حنا نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

''تم ایسے نہیں جا سکتی، پہلے یہ فیصلہ ہوگا کہ خوبصورت کون ہے، تم یا میں؟''

''اور اس کا فیصلہ کون کرے گا۔تم لوگ یا میں؟'' اس نے طنزیہ استفسار کیا تھا۔

''تو ٹھیک ہے ہم مقابلہ رکھ لیتے ہیں۔ججز فیصلہ کریں گے کہ خوبصورت کون ہے؟ نتاشا نے کہا تھا۔

''مجھے فضول مقابلوں میں حصہ لینے کا کوئی شوق نہیں ہے'' ناگواری سے کہتے اس نے حنا سے بازو چھڑوایا تھا۔

''اب احساس کمتری کا شکار کون ہو رہا ہے؟ طیش سے بھری حنا نے بھی طنزیہ دریافت کیا تھا۔ باقی دونوں کے چہروں پر بھی غصہ اور ناگواری تھی۔

''آپ تینوں'' اس نے جلتی پر تیل ڈالا تھا۔

''بکواس بند کرو، میں تمہیں اپنی فرینڈز کی انسلٹ کرنے کی اس طرح اجازت نہیں دے سکتی'' شازمہ بھابھی غصے سے اس کے قریب آئی تھیں۔

''میں نے آپ کی بھی انسلٹ کی ہے'' وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے'' شازمہ بھابھی طیش سے غرا رہی تھیں۔ وہ جانے کے بجائے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔

کام ڈاؤن یار، اتنا غصہ نہ کرو'' نتاشا نے بھابھی سے کہا تھا۔

'' بکواس کر رہی ہے یہ اور میں غصہ نہ کروں؟'' وہ چیخی تھیں۔

''اِل مینرڈ اور جاہل ہے یہ'' وہ مسکرا دی تھی۔

اس کی مسکراہٹ نے تینوں پر بجلی گرائی تھی۔ بھابھی کی زبان کو تالا لگا تھا اور تینوں اسے غصے سے گھورنے لگی تھیں۔

"اپنے پہ بات آئی ہے تو آپ کو تکلیف ہوئی ہے بھابھی، اپنے رویے پر غور کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ آپ نے مجھے کتنی تکلیف دی ہے۔ آپ نے مجھے خود بلایا پھر مجھ پر بے جا تنقید کی، میرا مذاق اڑایا۔ میری انسلٹ کرنے کا آپ کو کس نے حق دیا ہے؟" اس نے تینوں کو دیکھتے پوچھا تھا۔

"میں آپ کو جواب دینے پر مجبور تھی کیونکہ اگر میں ایسا نہ کرتی تو کل آپ یہی سین دہراتی بلکہ ہر روز یہی کرتیں اور پھر میرے پیٹھ پیچھے مجھے بے وقوف کہہ کر قہقہے بھی لگاتیں" ان کے چہروں پر ابھرنے والے تاثرات نے اسے بتا دیا تھا کہ اس نے کتنا صحیح اندازہ لگایا تھا۔ میری باتیں جو آپ کو انسلٹ لگی ہیں یہ حقیقت ہے جھوٹ نہیں۔"

"یہ جو اتنی باتیں تم نے ہمیں سنائی ہیں ناں اس کا مزہ تو تمہیں چکھنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ حنا دانت پیستے بولی تھی۔

"میں کوئی مقابلہ وقابلہ نہیں کر رہی، وہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ مقابلہ تو اب ہو کر رہے گا۔ بہت خوابوں میں جو تم رہتی ہو نا خود ہی زمین پر آ جاؤ گی۔" بہت خوبصورت ہوں میں، والا سارا خمار اتر جائے گا تمہارا" حنا نے اس کے بازو کو جھٹکا دیتے کہا تھا۔

"تمہیں میری فرینڈز کی بات ماننی ہوگی۔ تم نے بہت انسلٹ کی ہے ان کی، ان کے مہمان ہونے کا بھی نہیں خیال کیا تم نے"

" شازمہ بھابھی عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"جیسا سلوک آپ نے میرے ساتھ کیا ہے ویسا ہی میں نے بھی تو کیا ہے اور اب آپ بہت غلط کہہ رہی ہیں۔ میں کہیں کوئی مقابلہ کرنے نہیں جا رہی" اس نے دوٹوک انکار کیا تھا۔

"تمہیں کہیں اور نہیں جانا پڑے گا۔ ہم یہ مقابلہ یہیں گھر میں رکھ لیں گے" اب کے نتاشا بولی تھی۔

"آپ لوگ ہوش میں ہیں، پتا نہیں کیا الٹی پلٹی باتیں کیے جا رہی ہیں۔ مجھے کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے" وہ جھنجھلائے بولی تھی۔

"لیکن ہمیں تو سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے اور تمہیں اس کا حصہ بننا پڑے گا" حنا نے کہا تھا جس کا پارہ ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا تھا۔

"کب رکھیں مقابلہ؟" اسے نظر انداز کرتے حنا نے بھابھی اور نتاشا کو سوالیہ دیکھتے پوچھا تھا۔

"آنے والے سنڈے کو رکھ لیتے ہیں" نتاشا جھٹ بولی تھی۔

"ٹھیک ہے" بھابھی اور حنا فوراً متفق ہوئی تھیں جبکہ وہ کچھ نہیں بولی تھی مگر اس فضول کام کو کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ سر جھٹکتی وہاں سے چل پڑی تھی۔

"تیاری کر لینا، اگر تم خود نہ آئی نا تو میں تمہیں گھسیٹ کر یہاں لے آؤں گی" شازمہ بھابھی نے جیسے اس کی سوچ پڑھ لی تھی فوراً اسے وارننگ دی تھی۔ اس نے انہیں ان سنا کر دیا تھا۔

"سعدی گڑیا، تمہاری بھابھی کسی مقابلے کا ذکر کر رہی ہے، کیا ہو گیا تھا، کیوں لڑائی ہوئی ہے ان لوگوں سے؟" اس رات کھانا کھاتے سعد بھائی نے مسکرا کر اس سے پوچھا تھا۔

Digest Novels Lovers

"کوئی مقابلہ نہیں ہے بھائی ایسے ہی ان کی فضول باتیں ہیں" وہ بڑبڑائی تھی۔

"تم بات سے پیچھے ہٹنے کی کوشش نہ کرو اچھا، حنا اور نتاشا تو اپنے سب دوستوں کو انوایٹ کر چکی ہیں" شازمہ بھابھی تیکھی نظر اس پر ڈال کر بولی تھیں۔

"کیسے دوستوں کو؟ میں نے کوئی تماشا نہیں کرنا۔ میں نے نہ کسی نامحرم کے سامنے جانا ہے نہ ہی کوئی بے ہودہ مووی بنوانی ہے۔" وہ غصہ ہوئی تھی۔

سعد بھائی نے سوالیہ شازمہ بھابھی کو دیکھا تھا۔

"میں انہیں منع کر دوں گی۔ کوئی مرد نہیں ہو گا صرف عورتیں ہوں گی اور کوئی مووی وغیرہ بھی نہیں بنے گی" شازمہ بھابی تھوڑا پرسکون ہوئی تھیں۔

"یہ کچھ کرنا کیا بہت ضروری ہے؟" اس کے چہرے پر موجود ناگواری کو دیکھتے سعد بھائی نے بھابھی سے پوچھا تھا۔

"بہت ضروری ہے۔ میں تمہیں بتا دوں اس کی بے جا حمایت نہ کرنا اور اسے بھی سمجھا دو۔ میں مزید اپنی انسلٹ برداشت نہیں کروں گی۔ تم وہاں تھے نہیں نا۔ ہوتے تو دیکھتے اس نے ان دونوں کو کتنی سنائی ہیں" بھابھی نے سعد بھائی کو وارننگ دی تھی۔

"بیٹے اپنی بھابھی کی یہ فرمائش پوری کر ہی دو، ساری عورتیں ہی تو ہوں گی۔ ہو سکتا ہے تمہارے وعظ سے وہاں کوئی راہ راست پر ہی آ جائے۔" سعد بھائی نے بھابھی کو دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ہونہہ" شازمہ بھابھی نے سر جھٹکا تھا۔

"تم پھر اس کی بے جا حمایت کر رہے ہو۔ میں کچھ کہوں گی نا تو مجھے ہی برا کہو گے۔"

"میرے بیٹے کا خیال رکھنا، اسے کوئی تکلیف نہ ہو" سعد بھائی نے اب پوری سنجیدگی سے انہیں نصیحت کی تھی۔

✦✦✦

وہ اس نام نہاد مقابلے کا دن تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ کبھی ان لوگوں میں نہ جاتی نہ اس کا خود سے جانے کا ارادہ تھا لیکن وہ جانتی تھی شازمہ بھابھی اسے نہیں چھوڑیں گی اس پر زبردستی کریں گی۔ وہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سو گئی تھی کیونکہ پوری رات تو پریشانی سے جاگتے گزری تھی کہ پتا نہیں بھابھی اور ان کی دوستیں کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ ایک سوچ تو کہہ رہی تھی جا کر بھابھی سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لے۔ انہیں کہہ دے "آپ جیتی میں ہاری، آپ لوگ ہی خوبصورت اور سچی ہیں" پھر انا آڑے آ جاتی تھی۔ کبھی سوچتی تھی سعد بھائی سے جا کر کہہ دے وہ بھابھی کو منع کر دیں پھر انہیں پریشان نہ کرنے کا سوچنے لگتی تھی۔ ویسے بھی وہ اسے کھیل تماشے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے تھے جبکہ وہ اس کھیل تماشے کا حصہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اچھے سے یاد تھا کہ ایک دن وہ گاؤں میں دادی کے ساتھ صحن میں بیٹھی تھی۔ یہ سردیوں کے دن تھے اور وہ دونوں چارپائی دھوپ میں رکھے اس پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ایک وقت تھا جب یہاں میں تمہارے دادا اور باپ کے ساتھ دھوپ میں بیٹھا کرتی تھی پھر تمہارے دادا اس دنیا سے چلے گئے تھے اور میں اور تمہارا باپ اکیلے یہاں دھوپ سینکتے تھے۔ پھر میں نے تمہاری ماں کا انتخاب کیا تھا اور اسے اپنے بیٹے سے بیاہ کے گھر لے آئی تھی اور ہم پھر دو سے تین ہو گئے تھے پھر اللہ تعالیٰ کا

کرم ہوا اور اس نے پیارا سا پوتا دے دیا تھا اور ہم یہاں بیٹھنے والے چار ہو گئے تھے۔ مگر پھر وقت بدل گیا تھا اور تمہارا باپ ہمیں روتا چھوڑ کر اس دنیا سے چلا گیا تھا اور اس کے پیچھے جلد ہی تمہاری ماں بھی تمہیں ننھا سا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ ہم پھر یہاں بیٹھنے والے تین رہ گئے تھے پھر سعد بھی ہمیں چھوڑ کر چلا گیا تھا ہم اب یہاں دو ہی عورتیں بیٹھی ہیں مگر کب تک۔ بہت جلد میں بھی یہاں نہیں ہوں گی اور اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم بھی نہیں ہوگی" کہتے دادی رونے لگی تھیں۔ آنسو ان کے جھریوں بھرے چہرے پر پھیلتے چلے گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

"اس بات سے تمہیں کیا سمجھ آئی سعدی پتر؟" دادی نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے اس سے پوچھا تھا۔

"ہر چیز ختم ہو جاتی ہے دادی" وہ جو تصور میں اپنے والدین کو وہاں بیٹھا دیکھ رہی تھی بے اختیار بولی تھی۔

"ہاں" دادی نے فوراً اس کی تائید کی تھی۔

"سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے باقی رہنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور جب فنا ہونا ہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا کیوں نہ ہوں؟ اگر زندگی میں کبھی اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑ جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہی انتخاب کرنا دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو نہ جانا کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہوتے ہیں وہ فنا ہو کے بھی امر ہو جاتے ہیں" دادی نے اسے نصیحت کی تھی۔ اسے سب یاد تھا۔

"اٹھو بھئی، وہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہے اور تم سو رہی ہو؟ تقریباً گیارہ بجے بھابھی اسے خود لینے آئی تھیں اور اسے سوتے دیکھ کر چڑ کر بولی تھیں ساتھ ہی انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ جاگ کر اٹھتے اس نے بھابھی کو دیکھا تھا۔ ان کی سج دھج کچھ زیادہ ہی نرالی تھی۔ وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"اُٹھو، اب اٹھ کر تیار ہو جاؤ" انہوں نے غصے سے کہا تھا۔

(اللہ تعالیٰ آپ کی طرح تیار ہونے سے بچائے مجھے) اس نے دل ہی دل میں پناہ مانگی تھی۔

اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھوئے تھے اور اپنی سیاہ بڑی سی چادر لپیٹ لی تھی۔

"تم اس حلیے میں چلو گی؟ ان کا منہ بن گیا تھا۔ اس نے خود کو دیکھا تھا۔ چادر بڑی تھی۔ اس نے اس کے سارے وجود کو ڈھانپ لیا تھا۔

"کم سے کم آج کے دن تو اپنا حلیہ درست کر لو، تمہیں اپنی بے عزتی کروانے کا خود شوق ہے" انہوں نے طنزاً کہا تھا۔

ان کے انداز میں اس کے لیے بےزاری و حقارت سی تھی۔

"بھابھی یہ جو آپ نے بے کار سا بلاؤز پہنا ہوا ہے نا اس کے اوپر کم سے کم شال ہی لے لیں، بھابھی اس پر تنقید کرنے سے باز نہیں آئی تھیں تو وہ کیوں انہیں چھوڑ دیتی۔ اس نے بھی انہیں مشورے سے نواز دیا تھا۔ بھابھی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔ اس نے انہیں نظر انداز کیے خود کو آئینے میں دیکھا تھا۔ بے شک بہت جگمگاتا لباس اور میک اپ نہیں تھا مگر پھر بھی آئینے میں ایک پرکشش، سوبر سی شخصیت اس کے سامنے تھی۔

"چلو اب، اتنی دیر ہو گئی ہے" وہ دس منٹ میں تیار تھی اور بھابھی دیر ہونے کا شور کر رہی

Digest Novels Lovers

تھیں۔

"میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا بھابھی، کچھ کھا نہ لوں؟" اس نے معصومیت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ انہیں غصہ تو آیا تھا مگر چپ کر گئی تھیں اور کچن میں اس کے ساتھ آئی تھیں جہاں آج تین چار ملازم اکٹھے مصروف تھے۔ مہمانوں کے لیے اہتمام ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ناشتہ کرتے اس نے پندرہ بیس منٹ لگا دیئے تھے۔ بھابھی سکون سے اس کے پاس بیٹھی رہی تھیں یہ طے تھا وہ اس کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھیں۔ ناشتے کے بعد وہ اسے لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔ جہاں خواتین کا ایک ہجوم موجود تھا۔ پورا کمرہ بھرا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئی تھیں وہاں موجود عورتوں نے چیخیں مارنا اور تالیاں بجانا شروع کر دی تھیں۔ صوفوں پر بیٹھنے کے علاوہ ان کے پیچھے بھی بہت سی عورتیں کھڑی تھیں اور کچھ قالین پر کشن رکھے بیٹھی تھیں۔ پورا کمرہ عورتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حنا ایک سنگل صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ والا سنگل صوفہ خالی تھا۔ لباس کے نام پر حنا نے جو کچھ پہنا ہوا تھا وہ دیکھ کر اس کی نظریں جھک گئی تھیں اور گلابی رنگت سرخ انار بن گئی تھی۔

صرف حنا ہی نہیں وہاں موجود سب عورتیں یوں بنی سنوری تھیں جیسے واقعی کسی مقابلہ حسن میں شرکت کرنے آئی ہوں۔

وہاں موجود عورتوں میں سے بھابھی حنا اور نتاشا کے علاوہ وہ صرف بھابھی کی ممی کو پہچانتی تھی۔ وہاں دائیں طرف والے صوفوں پر بیٹھی عورتیں ٹوپی والے کالے برقعوں میں ملبوس تھیں۔ اس نے انہیں گنا تھا۔ وہ دس عورتیں تھیں۔

"یہ کون ہیں؟" تالیوں کے شور میں اس نے بھابھی کی طرف جھک کر ان کے کان میں پوچھا تھا۔

"یہ پردہ کرنے والی عورتیں ہیں نا۔ ہم نے سوچا سب ہی فیشن ایبل عورتیں آئیں گی تو تم کہو گی یک طرفہ فیصلہ کیا گیا ہے اس لئے ہم نے انہیں بھی بلایا ہے" بھابھی بھی اس کے کان میں زور سے بولی تھیں۔

چالیس پچاس عورتوں کے مقابلے میں انہوں نے دس پردہ دار عورتیں بلائی تھیں۔ کیا اچھا توازن قائم کیا گیا تھا؟ اس نے طنز سے سوچا تھا لیکن کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ بحث کو طول نہیں دینا چاہتی تھی

ان عورتوں کے جوش و خروش میں کمی آتی گئی تھی۔ چیخیں اور تالیاں آہستہ آہستہ کم ہوتے ختم ہو گئی تھیں۔ وہ آگے بڑھ کر حنا کے ساتھ والے خالی صوفے پر بیٹھ گئی تھی جو یقیناً اسی کے لیے تھا۔

"ڈیئر لیڈیز آج آپ کو ایک بہت ہی انٹرسٹنگ (دلچسپ) مقابلے میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے" ایک طرح دار چلبلی حسینہ جو اس کے صوفے کے پاس کھڑی تھی نے کہنا شروع کیا تھا۔ اس کی نظر اس لڑکی پر اٹھی تھی مگر اس کے حلیے اس کے لباس کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنی نظریں اس پر سے ہٹالی تھیں لیکن وہ کس کس سے نظریں چراتی وہاں سب کا یہی حال تھا۔

"اور یہ مقابلہ ہے "مقابلہ حسن" وہ لڑکی پرجوش کہے جا رہی تھی۔

"آپ سب کے سامنے دو حسینائیں موجود ہیں حنا اور سعدی، ان دونوں کا دعویٰ ہے کہ یہ خوبصورت ہیں۔ اب آپ نے فیصلہ کرنا ہے کہ ان میں سے زیادہ خوبصورت کون ہے؟ آپ کو

Digest Novels

موقع دیا جائے گا کہ آپ لوگ ان دونوں کے خیالات بھی جانچ سکیں۔ اس مقصد کے لیے آپ لوگ ان سے سوالات..........“ وہ بولتی جا رہی تھی مگر یہاں تک سن کر سعدی اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کھڑی ہوگئی تھی۔

”ابھی ان محترمہ نے جو کہا ہے مجھے اس سے بہت اختلاف ہے“ اس لڑکی کی بات کاٹتے اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

”لیکن اس میں اس کی غلطی نہیں ہے اسے جو کہا گیا ہے وہ کہہ رہی ہے اور یہ سارے خیالات میری مد مقابل حنا صاحبہ کے ہیں۔ یہ صرف ان کا نقطہ نظر ہے۔ آپ لوگوں نے مقابلہ حسن کا نام سنا اور یہاں آ گئی ہیں جبکہ مجھے اس نام سے شدید اختلاف ہے۔

میں پہلے آپ سب کو وہ وجہ بتانا چاہتی ہوں جس کی وجہ سے آپ سب کو یہاں اکٹھا کیا گیا ہے۔

یہ شازمہ میری بھابھی ہیں۔ فیشن کی بہت دلدادہ ہیں۔ میں نے ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ان کے ساتھ رہنا شروع کیا ہے۔

میں میرا پردہ کرنا میری سادگی تو انہیں ہمیشہ سے بری لگتی ہے لیکن جب سے میں یہاں آئی ہوں ان کی خواہش ہے کہ میں اپنے آپ کو بدل ڈالوں۔ ان کی طرح فیشن کیا کروں۔ یہ میری سادگی پر احساس کمتری کا شکار ہوتی ہیں۔

آپ لوگ مجھے دیکھ رہی ہیں کہ میں ان کی باتوں میں نہیں آئی ہوں جس پر انہیں بہت غصہ ہے۔ چند دن پہلے انہوں نے اپنی دوستوں حنا اور ثناشا کے ساتھ مل کر میری سادگی کا بہت مذاق اڑایا تھا جس پر میں نے بھی ان کے فیشن پر تنقید کی تھی۔ ہر انسان کا حق ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اپنا نظریہ ہرگز کسی پر مسلط نہ کرے جبکہ انہوں نے سمجھیں مجھے اپنے نظریات کے مطابق چلانا چاہا ہے۔

میں سمجھتی ہوں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان اپنے مذہب اور تہذیب وثقافت کو بھول جائے۔

یہ اپنے چھوٹے لباس پر شرمندہ نہیں ہوتیں تو میں اپنے پورے لباس پر شرمندہ کیوں ہوں؟

ان کو اپنا فیشن اچھا لگتا ہے تو مجھے اپنا پردہ اچھا لگتا ہے اور ہمارے سارے اختلاف کی وجہ یہی ہے۔

آج جس ثقافت کی نمائندہ بن کر آپ سب یہاں اکٹھی ہوئی ہیں یہ ہماری ثقافت نہیں ہے اور نہ ہی ہمارا مذہب کسی ایسی ایکٹیویٹی (سرگرمی) کی اجازت دیتا ہے۔

میرا مذہب کہتا ہے کہ عورت اپنے حسن کو چھپائے، پردہ کرے تو میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ کی کیوں نہ مانوں اور میرا یہ ماننا جبراً ماننا نہیں ہے۔

اب اگر آپ سب کو میری بات سمجھ آ گئی ہے تو آپ اسے دو مختلف نظریات کا مقابلہ تو کہہ سکتی ہیں جیسے سادگی بمقابلہ فیشن مگر اسے مقابلہ حسن نہیں کہہ سکتی۔ اگر آپ سب کو میری بات منظور ہے تو ٹھیک ورنہ میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ بڑے سکون اور اعتماد سے اپنی بات پوری کر کے وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور بھابھی کی طرف دیکھا تھا جو کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے غصے سے دانت پیس رہی تھیں اور حنا تو جیسے صدمے سے بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ سب عورتیں خاموش انہیں دیکھ رہی تھیں پھر حنا کو کچھ ہوش آیا تھا وہ تڑپ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

Digest Novels Lovers

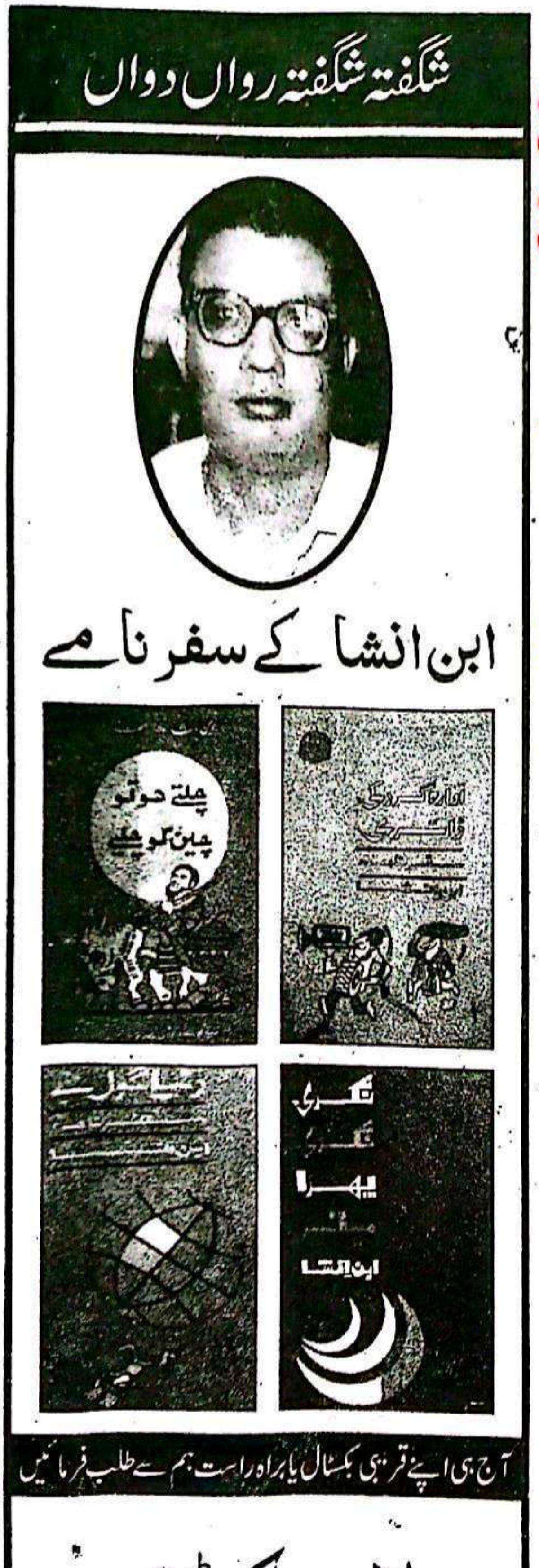

"جو معاہدہ کر کے تم یہاں آئی تھی اس کے مطابق ہی نام چلے گا۔ اب مزید تمہارے نخرے برداشت نہیں کیے جائیں گے۔"

وہ غصے سے لرزتے بولی تھی۔

"کون سا معاہدہ؟ میں نے کوئی معاہدہ نہیں کیا تم سے" اس نے فوراً نفی کی تھی۔

"تو پھر یہاں کیا کر رہی ہو، کیوں آئی ہو یہاں؟" اس نے استہزائیہ پوچھا تھا۔

"میں آئی نہیں ہوں لائی گئی ہوں۔ بھابھی مجھے خود لائی ہیں ورنہ میں کبھی نہ آتی"

"تم، تم نے ہمیں بدصورت کہا تھا" وہ چیخ کر بولی تھی۔

"نہیں، میں نے آپ لوگوں کو بدصورت نہیں کہا تھا خود کو خوبصورت کہا تھا"

"خود کو خوبصورت کہنے کا یہی مطلب ہے نا کہ ہم بدصورت ہیں" وہ بلبلا ہی تھی۔

"نہیں یہ صرف آپ کے سوچنے کا انداز ہے" اس نے نرمی سے کہا تھا۔

جو یہ کہہ رہی ہے وہی کہہ دو" بھابھی نے کہا تھا۔ وہ جانتی تھیں جو وہ کہہ رہی ہے وہ کر بھی دے گی اور وہ اس کے وہاں سے چلے جانے کی شرمندگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ بہتر تھا وہ کمپرومائز کر لیتیں مگر جلتی کلستی حنا نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"تم صرف بکواس کر رہی ہو اور کچھ نہیں۔ اب جب تمہیں اپنی شکست سامنے نظر آ رہی ہے تو تم بہانے بنا کے مقابلے سے بچنا چاہتی ہو" حنا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا کچومر نکال دے۔

"شکست اور کس چیز سے" پہلی دفعہ اس کا موڈ خراب ہوا تھا۔ ماتھے پر بل ڈالے اس نے حنا کو گھورا تھا۔

Novels Lovers Digest

”تم اور تمہاری یہ ساتھی جس تہذیب و ثقافت کا نمائندہ ہو وہ انڈین اور امریکن تو ہو سکتی ہے کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی اور کوئی مومن ایسی ثقافت سے شکست نہیں کھا سکتا“ حنا کے سر سے پاؤں تک اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے وہ تلخی سے بولی تھی۔

”ہم مسلمان ہیں اور بننا سنورنا ہمارا حق ہے۔ تم کیسے ہمارا غیر مسلموں سے موازنہ کر سکتی ہو؟ حنا کے پھٹ پڑنے سے پہلے ایک اور اسی کی تہذیب کی نمائندہ تڑخ کر بولی تھی۔ سعدی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کوئی بیس بائیس سال کی بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گھنگھریالے بال کندھوں تک تھے۔ اس نے پیلے رنگ کی بغیر بازو کی فراک پہنی ہوئی تھی جو اس کے گھٹنوں سے اوپر تھی۔ سرخ لپ اسٹک نے اس کے ہونٹوں کو انگارہ بنایا ہوا تھا۔

وہ حنا کے صوفے کے ساتھ کھڑی تھی۔ سعدی افسوس سے مسکرائی تھی۔

”الحمد اللہ تمہیں اپنی پہچان ہے کہ تم مسلمان ہو مگر دوسرے لوگوں کی نظروں میں کیسے تمہاری پہچان ہو گی کہ تم مسلمان ہو؟“ سعدی کے پوچھنے پر وہ لڑکی اس کا منہ دیکھنے لگی تھی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟ سعدی نے نرمی سے پوچھا تھا۔

”عائشہ لیکن میری فرینڈز مجھے ایش کہتی ہیں۔“

اف اتنے پیارے نام کا اتنا بگاڑ، اس نے افسوس سے سر ہلایا تھا لیکن اس بارے میں اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

”عائشہ تمہارا نام بہت پیارا ہے اور صرف نام ہی نہیں تم خود بھی بہت پیاری ہو اور یہ صرف میں نہیں کہہ رہی یہاں موجود سب عورتیں تمہاری خوبصورتی کی گواہی دیں گی اور صرف یہ عورتیں ہی نہیں بلکہ اور بھی کوئی عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا وہ تمہیں خوبصورت ہی کہے گا۔ کوئی مسلمان ہو، سکھ ہو، ہندو ہو، عیسائی ہو یا یہودی سب تمہیں خوبصورت ہی کہیں گے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ یہ سب لوگ تمہیں مسلمان کیسے سمجھیں گے، تمہارے اس حلیے میں تمہاری پہچان بحیثیت مسلمان کیسے ہو گی؟“

عائشہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ بالکل خاموش اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس نے عائشہ کو چھوڑ کر باقی مجمعے پر نظر ڈالی تھی۔ سب عورتیں جنہیں چند لمحے پہلے تک اس پر غصہ آیا ہوا تھا اب لاجواب اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان پر سکتہ طاری تھا۔

”معزز خواتین، کیا آپ لوگوں میں سے کوئی مجھے بتائے گی کہ عائشہ کو دیکھتے ہی کوئی اسے مسلمان کیسے سمجھے گا۔ اس کی پہچان کیسے ہو گی؟ اس کے براہ راست پوچھنے پر بھی ان کا سکتہ نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ خاموش مضطرب اسے دیکھتی رہی تھیں اور کچھ شرمندہ بھی ہو رہی تھیں۔

”آپ لوگ کوئی جواب نہیں دے رہی ہیں حالانکہ عائشہ کے لیے بحثیت مسلمان اپنی پہچان کروانا بہت آسان ہے“ اس نے مسکراتے ان کی طرف دیکھا تھا اور پھر اپنے وجود کے گرد لپٹی شال اتار کر اس نے بہت پیار سے عائشہ کے گرد لپیٹ دی تھی۔

”اب اس حلیے میں جو کوئی بھی تمہیں دیکھے گا نا تو تمہیں فوراً مسلمان کی حیثیت سے پہچان لے گا کیونکہ جب ہم اپنے جسم کو چھپا لیتی ہیں تو ہم پر مسلمان ہونے کا ٹیگ لگ جاتا ہے“ عائشہ

digest.library.com

بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی تھی۔ اس نے عورتوں کی جانب دیکھا تھا جو لا جواب بیٹھی تھیں کچھ مسکرا رہی تھیں۔

"ہماری بات ظاہری خوبصورتی تک ہوئی ہے۔ میں مانتی ہوں باطنی طور پر کوئی بھی بے پردہ عورت کسی بھی باپردہ عورت سے کہیں زیادہ اچھی ہو سکتی ہے۔ کسی کے ظاہر کو دیکھ کر ہم اس کے باطن کو نہیں پہچان سکتے۔ جہاں تک بننے سنورنے، فیشن کرنے کی بات ہے ہر عورت کا یہ حق ہے مگر کچھ شرائط کے ساتھ۔ اسلام لباس کے نام پر چند چیتھڑے پہن کے سر عام پھرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم سب اپنا یہ حق استعمال کر سکتی ہیں مگر گھر کی چار دیواری کے اندر اپنے محرم کے لیے صرف" اپنے گلے میں پڑے دوپٹے کو سر پر سلیقے سے رکھتے اس نے کہا تھا (شال اس نے دوپٹے کے اوپر رکھی ہوئی تھی)

"اب آپ لوگوں کو میرے اتنے زیادہ سادہ رہنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ میں بھی بہت بنا سنورا کروں گی مگر صرف اس کے لیے جو میرا محرم ہو گا" اس نے رک کر سب کی طرف دیکھا تھا۔ اب صرف بھابھی اور حنا ہی اسے نفرت سے گھور رہی تھیں۔ ان کے پاس کہنے کو اب کچھ نہیں رہا تھا۔

"بھابھی اب میں جاؤں؟" اس نے مسکراتے ان سے اجازت چاہی تھی۔

"ہونہہ" انہوں نے سر جھٹکتے اس پر سے نظریں ہٹالی تھیں مگر کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ بھی مزید کوئی بات کیے بغیر جانے کو مڑی تھی جب برقع پوش عورتوں میں سے ایک اٹھ کر اس تک آئی تھی اور اس کے ہاتھوں کو پکڑا تھا۔

"آپ کی باتیں سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میں......" وہ باریک سی آواز میں کہہ رہی تھی جبکہ بس وہ ایک لمحہ تھا سیکنڈ کا شاید ہزارواں حصہ جس میں اس کے ذہن میں الارم سا بجا تھا۔ بے اختیار اس کی نظر ان ہاتھوں پر گئی تھی جنھوں نے اس کے ہاتھوں کو اپنی پر جوش گرفت میں لیا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ صاف ستھرے سے سفید ہاتھ مگر، مگر ان ہاتھوں پر سیاہ بال بھی تو تھے۔ عجیب سے احساس نے اس کے جسم میں کرنٹ دوڑا دیا تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑاتے ایک جھٹکے سے اس کے سر پر سے نقاب والی ٹوپی کھینچ کر اتار دی تھی۔ اس کے سامنے موجود "عورت" کے مسکراتے گلابی لبوں کے اوپر یہ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں تھیں اور جگر جگر چمکتی سنہری آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔

حجاب میں وہاں عورتیں نہیں مرد تھے، کے انکشاف نے اسے لرزا دیا تھا اور اشتعال نے اس کے جسم میں آگ سی لگا دی تھی۔ اس کی سانس رکنے لگی تھی اور اسے ابکائی آئی تھی۔ اس نے زور سے اس آدمی کو دھکا دیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگی تھی۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے باہر کھلی فضا کی طرف بھاگی تھی۔ لان میں پہنچ کر اس نے کیا ہوا سارا ناشتہ باہر نکالا تھا۔ سعد بھائی جو فہد اور فاطمہ کے ساتھ لان میں موجود تھے گھبرا کر اس تک آئے تھے۔ وہ نڈھال سی ہو چکی تھی۔

(باقی اگلے ماہ)

✦✦✦

Digest Novels Latest Update

اُمیں کا دیا جلادیا

سدرہ رضا

Digest Novels Lovers Group

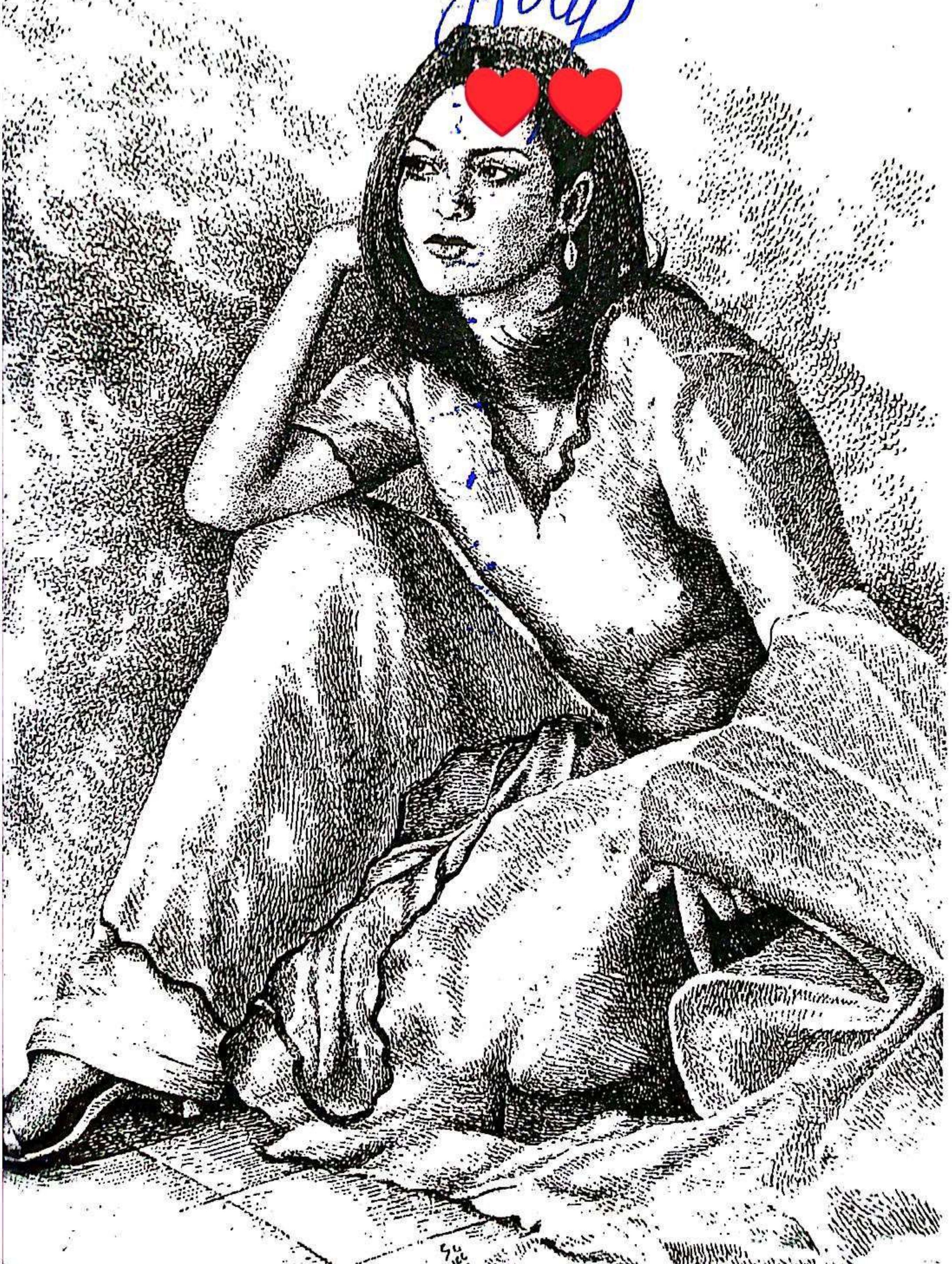

گزرتی ہوئی رات کا لمحہ لمحہ اپنے اندر ایک نئی کسک لئے طلوع ہو رہا تھا، اس رات کا اک اک پل کسی قیامت سے کم نہ لگ رہا تھا لگتا تھا یہ قیامت یہیں تھم جائے گی اور درد کی یہ رات کبھی نہ گزرے گی، یہیں ٹھہر کر ان کے دلوں کی دنیا تہہ و بالا کرتی رہے گی شاید اس رات کا نصیب کسی سویرے اور روشنی سے جا کر نہ ملتا تھا اس لئے تو وہاں صرف سناٹوں کی آہٹیں ہی جنم لے رہی تھیں۔

ہسپتال کی یہ پراسرار خاموشی دل میں کتنے ہی شکوک پیدا کر رہی تھیں۔

آپریشن تھیٹر کے باہر وہ سب کرب کے اک پل صراط سے گزر رہے تھے اندر ان سب کی امیدوں کو جنم دینے والی خود اپنی زندگی سے لڑ رہی تھی یہی وہ لمحہ تھا جب تخلیق کے کربناک مراحل سے گزر کر اس نے ایک بار پھر عورت کی عظمت کی معراج پانی تھی اور حسب وعدہ یہ معراج اس نے اپنی بھابھی کے خالی دامن میں ڈال کر ایک ماں، ایک عورت کی عظیم قربانی کا ثبوت دینا تھا۔

کئی خاموش لمحے دل سے اٹھتی دعاؤں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو گئے، پھر کچھ دیر بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا، اپنی اپنی امیدوں کے کشکول لئے وہ سب اندر سے آنے والی ڈاکٹر کی طرف بھاگے ان کی آنکھوں میں ایک ہی تڑپ تھی خشک لبوں پر ایک ہی سوال مچل رہا تھا اور اس سوال کے جواب میں چہروں پر ایک امید کی جلتے بجھتے دیئے کی طرح روشن تھی، جو ہوا کی زد میں ہو اور کوئی بھی جھونکا اس دیے سے زندگی اور روشنی کی سانسیں چھین لینا چاہتا ہو۔

''کیا ہوا ڈاکٹر صاحبہ؟'' آصف بھائی کی آنکھوں کی تڑپ قابل دید تھی۔

''زندگی کی نوید تو ہے مگر۔'' ڈاکٹر رفعت

Digest Library.com

مکمل ناول

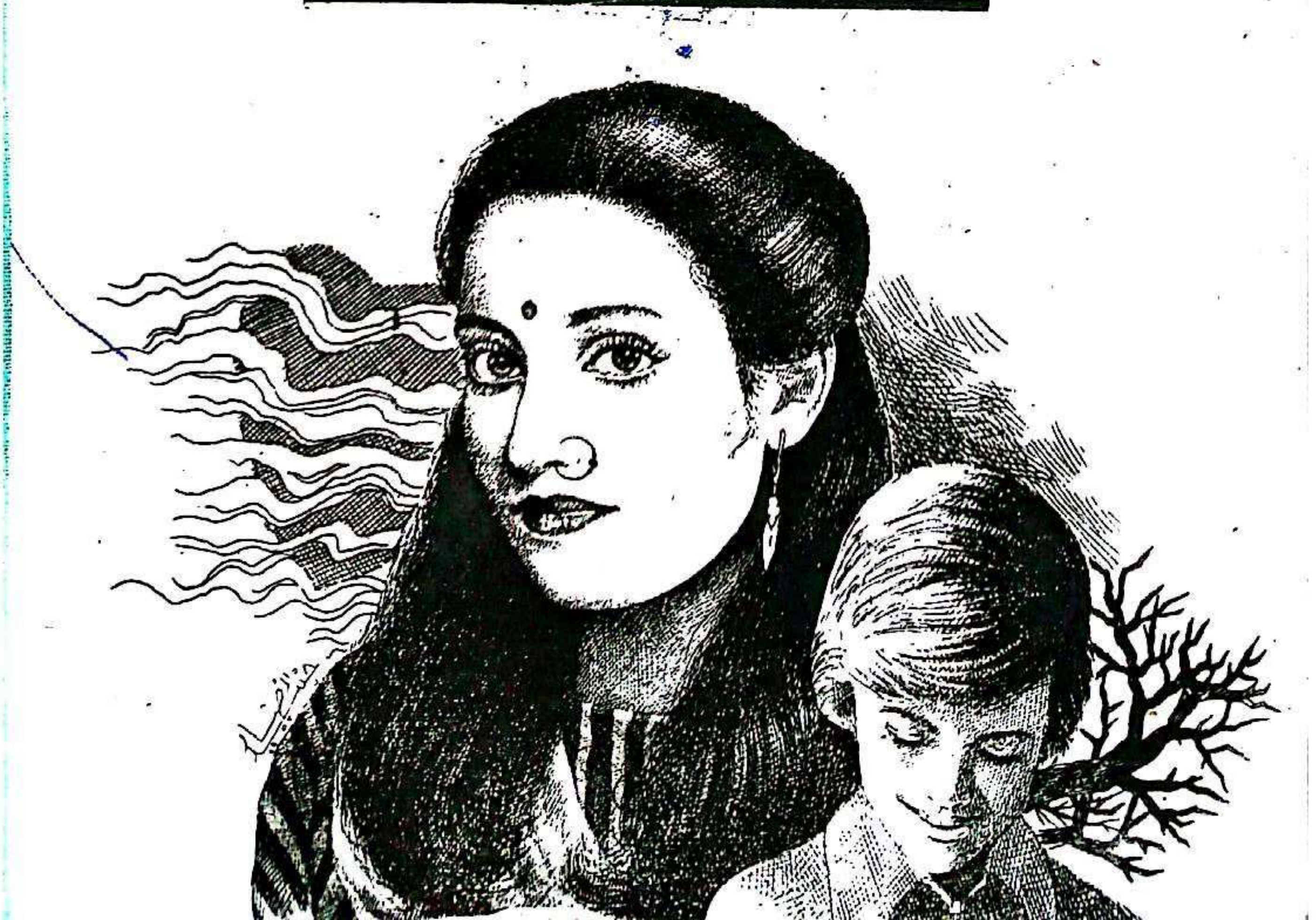

بتاتے ہوئے رک گئیں۔

"مگر کیا؟" ایک ساتھ کئی دل تڑپ اٹھے۔

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم صرف ماں ہی کی زندگی بچا سکے بچے کی زندگی ہی اتنی تھی آئی ایم سوری۔" ڈاکٹر رفعت ان سب کی سماعتوں میں پھول کھلانے کے بجائے ہتھوڑے برسا کر دوبارہ اندر آپریشن تھیٹر میں جا چکی تھی اور وہ سب اپنی اپنی مرجھائی ہوئی امیدوں کے چہرے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے، شاید کوئی آگے بڑھ کر یہ کہہ دے کہ یہ جھوٹ ہے غلط ہے۔

"یہ...... یہ کیا ہو گیا آصف۔" اسما بھابی آنکھوں کے سارے خواب جل گئے۔

"میں اس تلخ حقیقت پر اب بھی یقین نہیں کر سکتا، اسماء۔" آصف بھائی کے لہجہ میں تھکن سی اتڈ آئی یوں جیسے کوئی مسافر منزل پر آ کر دم توڑے اور پھر معلوم ہو کہ یہ اس کی منزل تو نہ تھی۔

واصف ایک کونے میں منہ چھپائے اپنے آنسو روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، امی جان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کس کو سنبھالیں۔ یہ بچہ تو ان دونوں کی امید تھا، ان دونوں کی زندگی بھر کی آس بندھی تھی اس بچے کی سانس کے ساتھ، اب اس کی سانس کی ڈوری ٹوٹی تو ساری امیدوں نے بھی دم توڑ دیا ان کی آس نے بھی زندگی سے منہ موڑ لیا۔

امی اپنی آنکھوں کا کرب اپنے دل میں چھپاتی واصف کے قریب آ گئی۔

"بیٹا!" اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے پکارا۔

"امی!" واصف نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اس کی ایک قیامت خیز لمحے نے ان سب کو عمر بھر کا یہ کیسا دکھ عطا کر دیا تھا کہ زندگی زندگی سے دور ہو رہی تھی واصف کے چہرے پر اک درد کروٹیں لے رہا تھا اس کی آنکھیں آنسوؤں پر ضبط کرنے کی کوشش میں بے انتہا سرخ ہو رہی تھیں یوں بھی اب ان میں اپنے ارمانوں کا لہو سمٹ آیا تھا۔

"امی یہ کیسی ناانصافی ہے خدا کی۔" اس کے ہونٹ لرزے۔

"ایسا نہیں کہتے بیٹا! اس کی امانت تھی اس نے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی لے لی۔"

"اس کا ارادہ کیوں بدل گیا؟" وہ تڑپا۔

"شاید اس میں اس کی مصلحت ہو۔"

"اس کی اس مصلحت نے مجھے آصف بھائی کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا، اب میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا، کیا میں نے انہیں ایک زندگی سے محروم، بغیر سانسوں کے، بے جان جسم والا بچہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔" اب وہ آنسوؤں پر ضبط نہیں کر سکا۔

"بیٹا! اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں نہ ہی تمہاری کسی بری نیت کا دخل ہے، یہ تو سب خدا کے کام ہیں اور اس کے کاموں میں کوئی دخل دے سکتا ہے صبر کرو بیٹا۔" ان کے خالی دامن میں سوائے تسلی کے اور تھا ہی کیا جو وہ اپنے بیٹوں کے دامن میں ڈال رہی تھیں۔

"امی میں تو صبر کر لوں گا مگر آصف بھائی۔" اس کی نگاہ آصف بھائی کے بے بس وجود میں جا کر الجھ گئی جو بنچ پر نڈھال سے بیٹھے ہوئے تھے دونوں ہاتھوں میں سر جھکا ہوا سر تھامے وہ تقدیر کی اس بے انصافی کا ماتم کر رہے تھے۔

اب امی ان کے قریب آ گئیں کیسے کٹھن مرحلے ان کی زندگی میں آ گئے تھے کہ اپنی زندگی میں بیٹے کی محرومی اور اس کا دکھ دیکھنا پڑ رہا تھا وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

Digest Novels Lovers group

''میرے بیٹے جانتی ہوں یہ دکھ تیرے لئے ناقابل برداشت ہے مگر اب صبر کو اپنی زندگی کا شعار بنانا ہوگا کہ یہی دکھوں سے فرار کا راستہ ہے۔''

''اب اور صبر نہیں ہوگا مجھ سے امی جان دس سال تک خدا کی رحمت سے محروم رہا ہوں اب اگر کسی سے مانگی ہوئی خوشی کو اپنے خالی دامن میں سمیٹنا چاہا بھی تو خدا کو ہماری یہ خوشی پسند نہ آئی کیا یہی اس کا انصاف اور مصلحت ہے۔'' وہ دھیمے سے لہجہ میں اپنی تمام تر محرومیوں سمیت چیخ اٹھے۔

''اس کی مصلحت کا بروقت احساس نہیں ہوتا، بیٹے یہ تو بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اس بات کا دکھ تمام عمر ہم سب کی زندگی کے ساتھ رہے گا بیٹے لیکن تم اس کی رحمت سے ناامید کیوں ہوا گر وہ چاہے تو صحرا میں بھی پھول کھلا سکتا ہے میں اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہوں، تم اپنے آپ کو سنبھالو، حوصلہ کرو دیکھو تو اسما کی کیا حالت ہو رہی ہے۔''

انہوں نے آصف کی توجہ اسماء کی طرف دلائی جو ٹھنڈی دیوار سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھی تھی، خلاؤں میں اپنی مرجھائی ہوئی امیدوں کی کوئی آہٹ تلاش کر رہی تھی اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو نکل کر رخساروں پر بہہ رہے تھے ان آنسوؤں کی التجا اور فریاد ان کا دل چیر گئی۔

''اسماء!'' انہوں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

''مجھے اس بچے کا ماتم کر لینے دو جس نے اس دنیا میں آ کر آنکھ بھی نہ کھولی، ہم اسے ایک نظر دیکھ بھی نہ سکے، کیا یہی میرا نصیب ہے امی؟'' وہ اب بے تاب ہو کر امی کے دامن میں منہ چھپا کر شدتوں کے ساتھ رو پڑی۔

''میں تجھے رونے سے منع نہیں کروں گی بیٹی، رو...... جی بھر کر رو کہ تیری ساری محرومیاں بہہ جائیں، ان آنسوؤں میں آخر تو نے بھی تو اک عمر تک ان آنسوؤں کا بوجھ اپنی آنکھوں پر سہا ہے اب واقعی یہ بوجھ ناقابل برداشت ہو گیا ہے اس بوجھ کو اتار پھینک تاکہ تیری روح بھی ہلکی ہو جائے۔'' امی جان کا ہاتھ ان کے الجھے بالوں میں کانپتا رہا اب ان کے اپنے آنسو بھی ان کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد ایک نرس باہر آئی سفید کپڑوں میں لپٹا ہوا اک ننھا سا معصوم وجود اس کے ہاتھوں میں تھا۔

''مسٹر واصف!'' اس نے واصف کو پکارا، واصف میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنی امیدوں کا یوں سفید کپڑوں میں لپٹا ہوا دیکھتا، اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

''خدا کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے مسٹر واصف شکر کریں آپ کی مسز کی زندگی بچ گئی ہے ان کی صحت و زندگی کے لئے دعا کیجئے اور اپنے پہلے بچے کا خیال رکھیں خدا آپ لوگوں کو پھر اولاد دے دے گا۔'' نرس نے اپنے ہمدردانہ لہجہ میں کہتے ہوئے وہ معصوم بے جان وجود اس کی طرف بڑھایا تو وہ سرتا پا لرز گیا، اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں جیسے جان نہ رہی تھی کہ اپنی امیدوں کی موت کا وجود اپنے ہاتھوں میں تھام سکتا کئی بار اس کے ہاتھ اٹھ کر گر گئے۔

''حوصلہ کریں مسٹر واصف جو ہونا تھا ہو چکا اب اس کا کچھ نہ کچھ تو انتظام کرنا ہی ہوگا آپ کو۔''

ہاں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو خاک بسر کرنا ہوگا اس نے اس وجود کو اپنے بازوؤں

Digest Novels Lover Group

میں سمٹ لیا اس پر اپنا چہرہ جھکا کر شدتوں کے ساتھ رو پڑا۔

''تو...... تو میرے پاس امانت تھا میرے بیٹے تو نے مجھے شرمندہ کیوں کر دیا۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر بولا تو نرس بھی گھبرا گئی اس کی آنکھوں سے بھی اک آنسو نکل کر اس بچے کی ناتمام زندگی کی تعزیت کے لئے گر پڑا، اس نے تو اس خوبصورت اور صحت مند بچے کو دیکھا تھا اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کو کہتی کہ اس بچے کے صورت کو دیکھ لیں، صورت دیکھ کر تو ان کے جذبات اور بھی بے قابو ہو جاتے وہ خاموشی سے اپنے آنسو چھپا کر اندر چلی گئی اب وہ انہیں کیسے بتا دیتی کہ اسے تو تمام وقت ایسے جذبات سے گزرنا پڑتا تھا اپنے آنسو چھپا کر کسی کو زندگی کی نوید دیتی تو کسی کو ایسے ہی رنج کا پیغام سناتی تھی اس لئے اسے تو اب جذبات سے عاری ہونا چاہیے تھا مگر وہ بھی ایک انسان تھی ان کے ٹوٹے اور بکھرے بکھرے سے جذبات پر وہ بھی اپنے آپ پر قابو نہ پا سکی تھی اس لئے جلدی سے اندر بھاگ گئی۔

آصف بھائی بین سفید بنچ پر بیٹھے نگاہوں میں عمر بھر کی محرومی لئے واصف کی گود میں اپنے ارمانوں کی لاش دیکھ رہے تھے ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ قریب جا کر واصف سے تعزیت کرتے واصف دھیمے دھیمے سے قدموں سے خود ہی ان کے قریب آ گیا۔

''بھائی جان میں زندگی بھر آپ سے نگاہیں نہ ملا سکوں گا میں نے آپ سے ایسا وعدہ تو نہیں کیا تھا میں نے یہ مردہ امانت تو آپ کے سپرد نہ کرنی تھی یہ ہماری خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی بھیا خدا نے ہمارے ساتھ یہ کیسا ظلم کیا ہے۔'' اس نے ان کی امانت ان کی گود میں ڈال دی، اس کے آنسو مسلسل اس امانت پر گر کر اسے بھگو دیتے تھے۔

''میرے بچے۔'' آصف بھائی نے دیوانوں کی طرح بھینچ کر چومنا شروع کر دیا، تو اسماء بھابھی بھی دیوانوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں۔

''آصف آپ نہ جگائیں اسے یہ سو رہا ہے دیکھیں میرا لعل لوری سننے سے پہلے ہی سو گیا کتنا پیارا اور فرمانبردار بیٹا ہے میرا لائیں اسے مجھے دے دیں میں اسے اپنے ساتھ سلاؤں گی۔'' ان کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی اور ہونٹوں سے وحشت برس رہی تھی۔

''اسماء!'' امی نے انہیں سنبھالا۔

''میرا بچہ مجھے دے دو میرا بچہ مجھ سے نہ چھینو میں اسے اپنے ساتھ سلاؤں گی۔'' انہوں نے آصف کی گود سے اسے چھین لیا، ان کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔

''اسماء ہوش کرو۔'' آصف بھائی نے اپنے ساتھ لپیٹ کر کہا۔

''میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گی میں نے اس کے لئے ڈھیر سارے کھلونے خرید کر رکھے ہیں اس کے اتنے پیارے پیارے کپڑے بنائے ہیں سب پہناؤں گی اسے یہ کھیلے گا نا کھلونوں سے آصف۔'' وہ اب ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھیں جواب میں سب ہی کے چہروں پر خاموشی تھی جذبات پر اک مہر سی لگ گئی تھی۔

''بیٹی سنبھال اپنے آپ کو یہ تیرا نہیں رہا جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی، اب اس نے اپنے آخری سفر پر جانا ہے لا مجھے دے اسے تاکہ میں اسے اپنی گود میں اٹھا سکوں۔''

''نہیں میں اسے کسی کو نہیں دوں گی یہ میرا

digestlibrary.com

ہے صرف میرا۔" انہوں نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔

"اسماء اب اسے رکھ کر کیا کرو گی یہ تو بے جان ہے تمہاری کوئی بات نہیں سن سکے گا نہ ہی یہ تمہارے کھلونوں سے کھیل سکے گا، نہ یہ تمہارے بنائے ہوئے کپڑے پہنے گا اس نے جو یہ سفید لباس پہن رکھا ہے نا اب یہی اس کا نصیب ہے۔" آصف نے اپنے لہجہ پر قابو پاتے ہوئے انہیں سمجھایا۔

"یہ ہمارے ساتھ گھر بھی نہیں جائے گا۔" اسماء کا لہجہ بھی غم کی شدتوں سے کانپ اٹھا۔

"لاؤ اسے مجھے دو۔" انہوں نے اسے لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے، ابھی لمحے ڈاکٹر شاہد بھی باہر آ گئے۔

"آپ لوگ یہاں زیادہ شور نہ کریں گے آپ جلد از جلد اس بچے کا آخری سفر مکمل کریں، پھر کچھ ضروری کاروائیاں مکمل کرنی ہیں۔" ڈاکٹر صاحب کہہ کر چلے گئے تو آصف نے زبردستی اسے اسماء کی گود سے چھین لیا وہ دونوں اس لے کر باہر چلے گئے۔

"امی!" اسماء امی جان کے بازوؤں میں گر پڑیں۔

"میری کوکھ پھر اجڑ گئی، میری گود پھر خالی رہ گئی کیا میں کبھی ماں نہ بن سکوں گی میرا نام خالی گود ہی رہے گا۔"

"نہیں بیٹی نہیں ایسی باتیں نہیں کرتے، خدا نے چاہا تو وہ تمہیں اپنے نصیب سے ہی اولاد دے گا۔"

"نہیں میرے نصیب میں ہی اولاد نہیں ہے اگر ہوتی تو وہ اس مستعار لی ہوئی خوشی کو نہ چھینتا ہم سے، اب تو یہ بات طے ہو گئی کہ ہمارے نصیبوں میں اولاد نہیں ہم نے ایک معصوم بچے کو گود لینا بھی چاہا تو خدا نے اس بچے کو ہی چھین لیا میری زندگی اس سبز روشنی میں کبھی نہیں نہائے گی میرے وجود کی بے ہنر جڑوں میں اس نمو کی شبنم کبھی نہیں اتر سکے گی میرے دل کی جلی ہوئی شاخوں پر کسی نئی کونپل کی آہٹ تک نہیں یہ بہار آئے گی دھوپ بھی اب تو میرے دل کے شہر کا رنگ جلانے لگی ہے، شاید اس کا رنگ ہی کچا ہے کبھی تو کسی بہار کی بارش کو میری سوکھی ہوئی گود پر بھی رحم آئے کہ میں بھی سبز نشے کی خوشبو میں سانس لے سکوں میں بھی اس پر غرور کر سکوں۔"

وہ امی کی گود میں نڈھال سی ہو کر بے ہوش ہو گئیں تو امی کو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا انہوں نے جلدی سے قریب سے گزرتی ہوئی نرس کو پکارا۔

"آپ نے شاید مسز واصف کے لئے پرائیویٹ روم لیا ہوا ہے نا۔" نرس نے کہا۔

"ہاں یہ بھی میری بہو ہے بڑی بہو بچے کی موت کی خبر سن کر نڈھال ہو گئی ہے۔"

"انہیں کمرے میں لے چلئے ابھی ان کا ٹریٹمنٹ کرتے ہیں۔" نرس نے ان کے ساتھ مل کر اسماء بھابھی کو سنبھالا اور ان کو پرائیویٹ روم میں لے آئیں۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر رفعت نے آ کر انہیں چیک کیا اور انہیں سکون سے سونے کا انجکشن دے دیا۔

"ان کے لئے پرسکون نیند بہت ضروری ہے، ورنہ ان کے دماغ پر بہت بڑا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"مگر یہ یہاں تو نہیں رہ سکے گی۔"

"ہاں یہاں رہنے کی اجازت کسی کو نہیں آپ انہیں گھر لے جائیے گا مسز واصف کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔"

"پرائیویٹ روم ہے پھر بھی رہنے کی

Digest Novels Lovers group

اجازت نہیں۔"

"اگر یہ نارمل نہ ہوسکیں تو گھر پر ان کے پاس بھی تو کسی کا ٹھہرنا ضروری ہے۔"

"میرا خیال ہے ان کے شوہر انہیں سنبھال لیں گے میں رعنا کے پاس رہ لوں گی۔"

"مگر صرف دو راتیں اسپیشل کیس میں رہنے کی اجازت بھی مشکل سے ملتی ہے ہمارا عملہ بہترین خدمت کرتا ہے آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھا۔" ان کی مرجھائی ہوئی آواز ابھری۔

"آپ انہیں گھر ضرور بھیج دیجئے گا ایک وقت میں آپ دو مریضوں کو نہیں سنبھال سکیں گی ابھی مسز واصف کو یہاں شفٹ کر دیا جائے گا۔"

"وہ خیریت سے تو ہے نا؟"

"ہوش میں آنے کے بعد زیادہ بہتر طور پر پتہ چل سکے گا۔" ڈاکٹر رفعت نے باہر جاتے ہوئے کہا تو امی جان کے ہاتھ بے اختیار دعا کے لئے اٹھ گئے۔

"خدایا تو رعنا کو صحت و زندگی دے تاکہ وہ اپنے دانش کو سنبھال سکے اور اب تو اسماء کو بھی اس کی اپنی اولاد کی خوشی دے دے تو نے بہت ترسایا ہے بہت امتحان لے چکا ہے، اب اس سے کڑی آزمائش اور کون سی ہوگی کہ تم نے ان کے نصیب سے یہ خوشی بھی چھین لی اب اسے نہ ترسانا خدایا۔" امی کے آنسو بے اختیار ان کی ہتھیلیوں پر بہتے رہے۔

آصف بھائی اپنے آنسو صاف کر رہے تھے ان کا دل خدا سے شکوہ کر رہا تھا۔

"خدایا تو نے اگر مجھے اولاد کی خوشی سے محروم رکھنا ہی تھا تو صرف مجھے یہ دکھ دیتا، تو نے ان ماں باپ کو بھی روگ کیوں لگا دیا اب میں بھی اولاد کا نام نہیں لوں گا کبھی تجھ سے یہ خوشی نہیں مانگوں گا۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے اور واصف کے ساتھ پلٹ آئے۔

☆☆☆

سیاہ رات کے دامن میں ان کے لئے اندھیروں اور مایوسیوں کے سوا کچھ نہ تھا، آصف اسماء کو گھر لے آئے تھے اب اس کی حالت پہلے سے بہتر تھی وہ بہت رو چکی تھی اس لئے دل ہلکا ہو گیا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ روح کے اندر یہ غم تا عمر پرورش پاتا رہے گا، اس کی آنکھوں پر آنسوؤں کا قرض باقی رہے گا۔

اس رات نیند نے کسی کی پلکوں پہ دستک نہ دی۔

واصف اپنے کمرے میں ایک بھٹکی ہوئی روح کی مانند ٹہل رہا تھا۔

"اسماء اب سو جاؤ بہت رات جا چکی ہے۔" آصف نے اٹھ کر کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا جہاں اسماء خالی نگاہوں سے خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"یہ کھڑکی بند کریں آصف۔" وہ تڑپ کر اٹھیں۔

"چاند کی روشنی تمہارے چہرے پر پڑ رہی ہے تم ٹھیک طرح سے سو نہ سکو گی۔"

"اب سونا کسے ہے آنکھوں کے دروازے سے نیند روٹھ کر چل گئی ہے۔"

"تمہارے لئے سونا بہت ضروری ہے۔"

"مگر میں جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا چاہتی ہوں، یاد ہے آپ کو وہ رات آصف۔" اس نے دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا، اسماء کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی یوں لگا جیسے خوابوں کی رہ گزر پر چل رہی ہو، سپنوں کی دنیا سے بول رہی ہو۔

"ہاں محرومیوں کی وہ کالی سیاہ رات میں

Digest Library.com

کیسے بھول سکتا ہوں اسماء جب ہماری زندگی سے زندگی چھین لینے کی خبر ہمیں سنائی گئی تھی، ہماری آنکھوں سے وہ خواب ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا اسماء۔'' آصف کی آنکھیں بھی بھیگ چلی تھیں۔

''یہ سب اندھیرے اسی ایک رات کے پھیلائے ہوئے ہیں جو ہمارے مقدروں پر چھا گئے ہیں۔''

''کاش...... کاش وہ رات ہماری زندگی میں آئی نہ ہوتی۔''

اک محرومی پھر اپنی پوری شدتوں سے ان کی رگوں میں اتر گئی، نگاہیں کھڑکی سے باہر اس چاند پر لگی ہوئی تھیں جو اس رات بھی اس طرح آسمان کے سینے پر لیٹا ہوا ان کی اندھیری راتوں کی سیاہی کو ہٹانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

وہ رات سب کی آنکھوں میں جاگ رہی تھیں اور نیند سو گئی تھی۔

☆☆☆

ابا جان بڑے ارمانوں اور چاہ سے اسے بیاہ کر لائے تھے دو ہی تو بیٹے تھے ان کے آصف اور واصف، دونوں کا آٹھ سال کا فرق تھا، ماں باپ کو بیٹے کے ملازم ہوتے ہی اس کا سہرا دیکھنے کی آس ہوتی ہے یہ اس کی آنکھوں کا بھی خواب تھا پھر اللہ نے اسماء کی صورت ان کے اس خواب کو زندگی دی۔

''ماشاءاللہ خدا نے بہت پیاری بہو دی ہے ہمیں۔'' امی جان نہال ہوئی جا رہی تھیں۔

''یہ تو ہمارے بیٹے کا نصیب ہے۔'' ابا جی آصف کی طرف دیکھ کر مسکرائے جو کنکھیوں سے اسماء کو دیکھ کر اپنی نگاہوں میں جذب کر رہے تھے۔

''یہ ہمارے آنگن کا چاند بھی تو ہے۔'' امی جان مسکرائیں۔

''کیوں نہیں امی، یہ اگر میرے دل کے آنگن کا چاند ہے تو آپ کے گھر کا چاند بھی ہے مجھے آپ کی پسند پر فخر ہے۔'' آصف نے ایک نظر اسماء پر ڈالی پھر مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''اب اس چاند کی چاندنی ہمارے آنگن میں بھی روشنی کرے تو ساری مرادیں پوری ہو جائیں۔'' ابا جی نے اپنی برسوں پرانی خواہش کا اظہار کیا۔

''کیوں نہیں اللہ نے چاہا تو ضرور پوری ہو گی یہ خواہش بھی ہمارے آنگن میں بھی یہ پھول مہکیں گے۔'' امی جان نے مسکرا کر اسماء بھابھی کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے اندر چلی گئیں۔

پھر وہ دن بھی آیا جب اس آنگن میں اپنے اندر کھلنے والے نازک پھولوں کی آہٹ سنی۔

''خدا مبارک کرے، خدا نے ہمارے آنگن کی بھی سنی۔'' ابا جی اس خبر کو سن کر بہت خوش تھے۔

''بیگم صاحبہ میں تو ریشمی جوڑا لوں گی آپ سے۔'' ماسی خیراں نے سنا تو بولیں۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں خدا ہماری برسوں کی مراد پوری کرے گا، ہم تم سب کی خوشیاں بھی پوری کریں گے۔''

''خدا خیر سے آپ کو یہ دن دکھائے۔'' ماسی خیراں نے دعا دی۔

مگر کسی دعا میں شاید اتنی طاقت نہ تھی کہ خدا تک پہنچ جاتی وہ خوشی، مایوسی و محرومی کی تاریک چادر اوڑھ کر سو گئی وہ پھول کھلنے سے پہلے ہی خزاں کی بے دردرت کی نذر ہو گیا، اس کی خوشبو اس گھر کے در و دیوار سے لپٹ کر رہ گئی۔

''امی!'' اس خوشی کے مرجھانے کی خبر اسماء پر بجلی بن کر گری، وہ امی کے دامن میں اپنی

Digest Novels Global

محرومیاں بہانے لگیں۔

''حوصلہ رکھو بیٹی تم ابھی سے گھبرا گئی ہو خدا کی ذات سے ناامید ہونا گناہ ہے۔''

''مگر اس نے یہ خوشی کیوں چھین لی میری اور آصف کی اولین اور پہلی خوشی، آپ لوگوں کی برسوں کی خواہش ادھوری رہ گئی۔''

''ایسا نہ کہو بیٹی وہ ایک خوشی لیتا ہے تو وہ دوسری دے دیتا ہے۔'' امی نے تسلی دی۔

''وہ دوسری خوشی کب دے گا۔'' ان کی آنکھوں میں اپنی حسرتوں کی طرح پھیلا ہوا سوال امی کو بھی پریشان کر گیا ابا جی اپنے آنسو چھپاتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے، آصف نے بھی اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''تم آرام کرو بیٹی تھوڑی دیر سو لو تمہارے ذہن کو سکون مل جائے گا۔''

''سکون۔'' اک تلخ سی ہنسی ان کے ہونٹوں سے پھوٹی۔

''اولاد کی خوشی عورت کو نہ مل سکے تو وہ ادھوری رہ جاتی ہے، امی میرے نامکمل وجود کو اب سکوں کہاں مل سکے گا۔'' انہوں نے آنسوؤں بھری بے بس نگاہ سے آصف کی طرف دیکھا۔

''بیٹا تم اسے سنبھالو میں ابھی گرم دودھ لے کر آتی ہوں۔'' امی ان کے سرہانے سے اٹھ کر چلی گئیں۔

''آصف۔'' انہوں نے مرجھائی ہوئی آواز میں انہیں پکارا۔

''ہوں۔'' وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''آپ کو دکھ نہیں ہوا؟''

''دکھ۔'' وہ درد سے مسکرائے۔

''اولاد کی محرومی کا دکھ کس باپ کو نہیں ہو گا اسماء۔''

''میں بہت بری ہوں نا آصف آپ کو زندگی کی سب سے بڑی خوشی نہ دے سکی۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو اسماء۔''

''کتنی خوشیاں وابستہ تھیں اس ایک وجود سے کیا میں نامکمل ہی رہوں گی۔''

''ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔''

''سنا ہے شاخ پر ایک مرتبہ بجلی گر جائے اور وہ جل جائے تو بہار کی کسی رت میں سبز روشنی اس کا مقدر نہیں ہوتی میں بھی تو ایک ایسی ہی شاخ ہوں جس پر ہریالی کی خوشبو آنے سے پہلے ہی خزاں بسیرا کر گئی۔'' وہ پھر رو پڑیں۔

موسم کی شدتیں کیسی بھی ہوں اسماء، موسم ایک سا نہیں رہتا اور اس شاخ پر آج خزاں نے سارے پھول نوچ کر پھینک دیئے ہیں تو کیا ہوا، بہار کی رات اس شاخ پر ضرور لہرائے گی۔

''آپ کو یقین ہے کیا؟'' بے یقینی سے انہوں نے آصف کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مایوسی کی کوئی وجہ بھی تو نہیں۔'' وہ زبردستی مسکرائے۔

''آپ کی یہ تسلی کیا میرے ادھورے پن کو پورا کر دے گی؟'' ان کی خالی گود کا سونا پن بول اٹھا۔

''صبر تمام دکھوں کا علاج ہے اسماء اور امید اک راستہ ہے آگے بڑھنے کا اس کی تعمیر پڑتی ہے تم تو یوں مایوس ہو گئی ہو جیسے کبھی بہار کا جھونکا ہماری زندگی میں آئے گا ہی نہیں۔''

''صبر کرو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہاری زندگی پر کرم کیا، جان ہے تو جہان ہے زندگی ہے تو اگلے برس خدا ہماری امید پوری کر دے گا۔''

آصف کی تسلی اسماء کے دل کا صبر اور یقین بن گئی، تو بے قرار دل کو قرار آ ہی گیا۔

امیدوں نے آگے بڑھنے کے لئے راستہ

دیا تو چپکے سے ایک سال اور گزر گیا، مگر وجود کے خالی پن میں کوئی پھول نہ کھل سکا، انہوں نے نہایت مایوسی سے آصف کی طرف دیکھا۔

''ارے۔'' آصف ان کی نگاہوں میں آنسو دیکھ کر چونکے۔

''یہ کیا تم رو رہی ہو؟''

''ایک سال اور گزر گیا ہے آصف۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہا۔

''تو کیا ہوا؟'' آصف نے لاپرواہی سے کہا۔

''آپ کہتے ہیں کچھ نہیں ہوا میرا وجود خالی ہے۔'' اس نے خالی خالی نگاہوں سے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یہ خدا کی مرضی ہے اسماء اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' آصف نے بھی کسی قدر بے بسی سے کہا۔

''اگر خدا کی مرضی ہی ہوئی کہ ہمارا آنگن خالی رہے تو۔'' اک آنسو پلکوں پر آ کر ٹھہر گیا۔

''اسماء تم ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو۔'' اب آصف بھی چڑ گئے۔

''خدا نے اولاد ہمارے نصیب میں لکھی ہو گی تو ضرور دے گا تم اس کی رحمتوں سے مایوس کیوں ہو؟''

''مایوس نہیں ہوں مگر دل کے اندر اک ڈر، اک خوف سا بیٹھ گیا ہے۔''

''تم اس خوف کو دل سے نکال پھینکو، ورنہ تمہارا سکون برباد ہو جائے گا اس طرح سوچ سوچ کر تو تم پاگل ہو جاؤ گی۔''

''پاگل۔'' وہ دھیرے سے ہنسیں۔

''اب تم آئندہ ایسی بات مت کرنا۔'' آصف نے مسکراتے ہوئے تنبیہی کی تو اسے بھی زبردستی مسکرانا پڑا، مگر دل کے اندر کسی غم کی آہٹ انہوں نے محسوس کر لی تھی جس نے ان کی مسکراہٹوں کو بھی اداس کر دیا تھا۔

''چلو ہم کہیں باہر چلتے ہیں تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔'' آصف نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے کہا تو وہ تیار ہونے چل دیں حالانکہ دل بالکل نہ چاہ رہا تھا۔

وہ دونوں تیار ہو کر باہر نکلے تو امی کے پاس ان کی ایک سہیلی اور ان کی بہو بیٹھی ہوئی تھیں، اس کی شادی بھی آصف بھائی سے چند دن پہلے ہی ہوئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' آصف اور اسماء دونوں نے ہی نہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو خوش تو ہو نا۔'' ان نے نہایت محبت سے کہا۔

''آپ کی دعائیں ہیں۔'' آصف مسکرائے۔

''اور بھابھی آپ کیسی ہیں۔'' نجمہ نے اپنے ایک سالہ بیٹے کو بہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے وہ اداس سی ہو گئیں۔

''ارے منور بہو کے کوئی بال بچہ نہیں ہوا؟'' اس خاتون نے اسماء کے جذبات کی پروا کئے بغیر نہایت آسانی سے کہا۔

''قسمت کی بات ہے جب خدا کی مرضی ہو گی دے دے گا۔'' امی نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''میں نے سنا تھا بہو امید سے ہوئی تھی مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا۔'' نہایت رازداری سے وہ بولیں۔

''ہاں خدا کی مرضی یہی تھی۔'' امی اداس ہو گئیں۔

''بہت برا ہوا پہلی بار امید ہو تو ایسا نہیں

Digest Novels Lover Group

ہونا چاہیے، بڑی بوڑھیوں سے کہتے سنا ہے کہ ایسا ہو جائے تو پھر مشکل سے ہی اولاد ہوتی ہے۔''

''ارے اللہ نہ کرے۔'' امی جلدی سے بولیں انہوں نے اسماء کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر تاریک سائے لہرا رہے تھے وہ ان کی زبان پکڑ نہ سکیں، آصف بھی ان کی بات پر بہت غصہ آیا مگر کیا کر سکتے تھے وہ بھی مجبور تھے۔

''میں تو خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہاری بہو کی بھی گود جلدی سے بھر دے، خدا نے میرے گھر تو مہربانی کی ہے میری بہو کی گود جلدی سے بھر دی، میں تو کہتی ہوں کہ بچے جلد ہی ہو جائیں تو اچھا ہے پھر باقی زندگی آرام سے گزرتی ہے۔''

''ارے امی آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں اتنی جلدی اولاد قدموں میں زنجیریں ڈال دیتی ہے مجھے دیکھ لیں شیراز کی وجہ سے کہیں بھی آ جا نہیں سکتی، بھابھی مجھ سے تو بہتر ہیں کہیں آنے جانے میں مشکل تو نہیں ہوتی، ابھی ان کی آزادی ختم تو نہیں ہوئی۔'' نجمہ نے کہا تو اسماء کے دل میں ایک خواہش بکھر کر رہ گئی۔

''خدا نے تمہیں مکمل کر دیا ہے نا نجمہ اس لئے تم اس کی نعمتوں کی منکر ہو جو خدا کی اس رحمت سے محروم ہو، وہی اس کی قدر جانتا ہے مجھے دیکھ لو میں اس کی ایک خوشی کے لئے کتنا ترس رہی ہوں تمہیں کیا معلوم میرے اندر کتنی محرومیاں سسک رہی ہیں میں رات دن تڑپتی ہوں خدا جانے میری یہ آرزو کب پوری ہوگی میرا یہ ادھورا پن جانے کب مکمل ہو۔'' اسماء دکھے ہوئے دل کے ساتھ سوچتی رہی۔

''چلو اسماء دیر ہو رہی ہے۔'' آصف نے کہا۔

''کہیں جا رہے ہو کیا؟'' سلمیٰ خالہ جلدی سے بولیں۔

''ہاں ایک دوست کے گھر جا رہے ہیں۔'' آصف نے جواب دیا۔

''بیٹا اولاد کے بغیر گھر سونا سونا رہتا ہے دو سال ہو گئے ہیں شاید تمہاری شادی کو اگر اور کوئی آس نہیں بنتی تو بہو کو ڈاکٹر کو دکھاؤ۔'' سلمیٰ خالہ نے بظاہر محبت سے کہا مگر انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کی زبان طنز کے گہرے نشتر ان کے دل میں اتار رہی ہو۔

''میرا خیال ہے خالہ اگر اولاد نہ ہو تو اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے اولاد تو مرد کی قسمت سے ہوتی ہے لہٰذا دوش مرد کو دینا چاہیے۔'' آصف نے انہیں جواب دیا اور اسماء کو لے کر جلدی سے باہر نکل گئے۔

''آصف اب تو لوگ بھی طعنے دینے لگے ہیں۔'' اسماء نے گھر سے باہر قدم رکھتے ہی کہا۔

''مجھے لوگوں کی پروا نہیں۔''

''مجھے تو ہے۔'' وہ آہستہ سے احتجاجاً بولی۔

''اگر تمہیں لوگوں کی پروا کرنی ہے نا تو گھر بیٹھ جاؤ میرے ساتھ کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔''

آصف نے بھی قدرے آف موڈ کے ساتھ کہا تو اسماء چپ ہو گئیں آصف اسے لے کر تفریحی مقام پر گھومتے رہے مگر پھر ان کا دل کہیں بھی نہ لگ سکا اک محرومی جو دل کے اندر گھر کر چکی تھی۔

شام کو وہ لوگ گھر لوٹے تو طبیعت فریش ہونے کی بجائے مزید اداس ہو گئی۔

گھر میں اداسی تو وہ دونوں کئی روز سے محسوس کر رہے تھے اس بات کا انہیں خود بھی احساس تھا کہ گھر کے آنگن کی اداسی امی اور ابا کی

Digest Novels Lovers

بیماری کا باعث بن رہی تھی، وہ دونوں ان سے کچھ نہ کہتے تھے، مگر دل ہی دل میں ضرور کڑھ رہے تھے اور آج تو سلمٰی خالہ کے پوتے کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ خواہش شدت سے جاگ اٹھی تھی کہ ان کے آنگن کی دیواریں ایک پھول کی خوشبو کو ترس رہی ہیں۔

رات کو ابا جی آئے تو ان کی خاموشی اور اداسی کو دیکھ کر وہ پریشان سے ہوئے، انہوں نے کبھی بھی دکھ کی شدت میں انہیں یوں نڈھال نہ دیکھا تھا جتنا آج تھیں وہ۔

''کیا بات ہے منور آج تم مجھے خلاف معمول خاموش لگ رہے ہو۔''

''آج سلمٰی اور اس کی بہو آئی تھی۔''

''پھر......؟''

''ساتھ میں اس کا پوتا بھی تھا اور وہ بہو کو کرید رہی تھی اولاد نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟''

''پھر تم نے کیا کہا؟''

''اب میں اس سے کیا کہتی اس میں بہو کا کیا قصور ہے، ہم اسے کیا دوش دے سکتے ہیں یہ تو ہمارا اور ہمارے بیٹے کا نصیب ہے نا کہ خدا نے اولاد کی خوشی سے محروم رکھا ہے۔''

''کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر لوگوں کو ہمارے معاملات میں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے۔''

''یہ دخل اندازی نہیں ہے لوگوں کی زبان کون پڑ سکتا ہے۔''

''مگر ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا ہے ان کی شادی کو جو لوگ باتیں بنانے لگے ہیں، سلمٰی کو بہو کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔''

''وہ تو ہمدردی کے لہجہ میں بھی طنز کر رہی تھی مگر میں یا آصف کیا کر سکتے تھے۔''

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو جھڑک دیتا اسے بہو کا دل رکھنے کی بجائے اس کا دل توڑ گئی۔''

''جھڑک تو میں بھی دیتی مگر کسی برتے پر، ہمارا آنگن تو سونا ہے میں کیوں مزید اس کی بددعا لیتی، آپ خود اپنے دل سے سوچ کر بتائیں کیا آپ کو اپنے پوتے کی خواہش نہیں؟''

''اس عمر میں بڑھاپے کو ایک ہی آرزو ہوتی ہے منور میں بھی تو راتوں کو کڑھتا رہتا ہوں، کافی دیر تک نیند آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے، ایک معصوم سا وجود مجھے پکارتا رہتا ہے اور میں اسے تھامنے کے لئے اپنی باہیں آگے بڑھاتا ہوں تو وہ ہیولا میری باہیں جھٹک کر میری نگاہوں سے دور چلا جاتا ہے اور میں اس کے لئے ترستا رہ جاتا ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں کسی تصور کا عکس کانپ رہا تھا۔

''آپ بھی اپنی خواہش کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور میں نے بھی آرزوؤں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا ہے اور آصف اور اسماء کی آنکھوں میں بھی ایک ہی خواب کھیل رہا ہے مگر دنیا کو اس خواب کی تعبیر کی آرزو ہے تو وہ غلط تو نہیں سوچتے۔''

''ان کی سوچ غلط نہ سہی مگر ہمیں احساس دلانے کا انداز ضرور غلط ہے، دل آزاری کرنے کا کیا حق ہے انہیں اب سلمٰی میرے سامنے آئی اور اس نے یہ بات چھیڑی تو میں خود اسے منع کر دوں گا اسی بات سے، ہماری خواہش ہمارے دلوں میں ہی رہنے دے ہمارے خوابوں کی تعبیروں کی انہیں اتنی فکر کیوں ہے۔'' ابا جی نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

''میں بھی ابھی یہی کہنے والا تھا ابو۔'' اندر کمرے سے آصف بھی نکل آئے۔

''بیٹے مجھے دکھ ہوتا ہے لوگوں کی ایسی

Novels Lovers Digest

باتوں سے۔''

''امی مجھے بھی سلمٰی خالہ کی یہ بات اچھی نہیں لگی کہ انہوں نے اسماء کو اس کی ایک کمی کا احساس دلایا ہے، اسماء بہت پریشان ہے اس وقت سے، میرے ساتھ جا کر بھی اس کی طبیعت نہیں بہل سکی وہ عورت ہے، مامتا ہر عورت کے اندر ہوتی ہے کیا اسے اپنی اس کمی کا احساس نہ ہو گا اور بھی شدت سے یہ احساس ہو گا کہ خدا نے اپنی نعمت سے محروم رکھا ہے وہ بہت جذباتی ہے امی، اسے بچوں سے جتنا پیار ہے اور جتنی خواہش تھی خدا نے اسے اس خواہش سے اتنا ہی دور رکھا ہے تو اس میں کیا قصور ہے اس کا۔''

''ہاں بیٹا ہم تو خود کہتے ہیں کہ وہ اس بات کا اتنا جذباتی اثر نہ لے مجھے تو یہی فکر ہے کہ کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔'' امی جان کی محبت جاگ اٹھی۔

''بیٹا اسے اس بات کا احساس نہ ہونے دو ہم کبھی اس کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کریں گے بس وہ خوش رہے تم سکھی رہو یہی ہماری آرزو ہے۔'' ابا جی نے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے چھپاتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی سمجھاتی ہوں اسے۔'' امی ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اسماء بستر پر لیٹی تھیں ان کے سامنے ہی دیوار پر ایک کیلنڈر تھا جس پر نہایت خوبصورت بچے کی تصویر بنی ہوئی تھی، وہ اسی تصویر کو دیکھے جا رہی تھیں اور آنکھوں سے اپنی محرومی قطرہ قطرہ کر کے بہہ رہی تھی۔

''اسماء!'' امی ان کے قریب آ گئیں تو وہ جلدی سے اٹھ بیٹھیں اور اپنی آنکھوں کے بھیگے کنارے صاف کرنے لگیں۔

''بیٹی کیا سوچ رہی ہو تم؟''

''اور کیا سوچ سکتی ہوں میں۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں۔

''بہت کچھ سوچ سکتی ہو اچھے مستقبل کی اچھی اچھی اور پیاری باتیں۔'' امی نے آس دلائی۔

''میں اچھا مستقبل کہاں سے لاؤں ایک شادی شدہ عورت کا بہتر مستقبل ان کی اس عظمت میں ہوتا ہے جو اسے ماں بن کر ملتی ہے۔''

''تم ایسی منفی سوچ کیوں رکھتی ہو کہ تمہیں عورت کی یہ عظمت نصیب ہو نہیں ہو گی خدا کے ہاں دیر ضرور ہے لیکن وہ ناانصافی نہیں کرتا اور ابھی تو عمر ہی کیا ہے تمہاری۔''

''مگر سلمٰی خالہ تو کہہ رہی تھیں کہ میں جلی ہوئی شاخ ہوں جس پر بہار بھی آتے ہوئے شرماتی ہے۔'' وہ ڈر کر بولیں۔

''تم ان کی بات کو دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔'' امی مسکرائیں۔

''وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھیں، شاید ٹھیک ہی تھی ان کی بات۔''

''تم سے کس نے کہا کہ وہ ٹھیک کہتی ہیں کیا تمہیں خدا کی ذات پر بھروسہ نہیں تم تو ابھی سے گھبرا گئی ہو، انہیں دیکھو جنہوں نے اولاد کے لئے پندرہ پندرہ سال انتظار کیا ہے میرے ماموں زاد بھائی کے یہاں سترہ سال بعد اولاد ہوئی تھی، یہ اپنا آصف بھی تین سال بعد پیدا ہوا تھا آصف اور واصف میں آٹھ سال کا فرق ہے ہم تو اس کی رحمتوں سے ناامید نہیں ہوئے تھے یہ آج کل کی نسل بھی بہت کم ہمت ہے یوں تو بہت بہادر بنتی ہے مگر اندر سے بزدل ہی ہے ذرا ذرا سی باتوں پر گھبرا جاتی ہے آئندہ کبھی ایسی مایوسی کی باتیں نہیں کرنا خدا ناراض ہوتا ہے ایسی باتوں سے۔'' انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

digest library.com

''اگر ایسی بات ہے تو پھر نہیں کروں گی مایوسی کی باتیں۔'' وہ پھر اداسی سے مسکرائیں۔

''شاباش اب تم آرام کرو اچھی اچھی باتیں سوچا کرو تاکہ خواب بھی سہانے دیکھ سکو۔'' وہ باہر نکل گئیں۔

''خواب ہی تو دیکھ رہی ہوں امی۔'' ان کی نگاہیں پھر اسی مسکراتے ہوئے خوبصورت بچے میں الجھ گئیں۔

پھر انہیں خوابوں سے الجھتے ہوئے کئی دن بیت گئے، امی جان کے وظیفے کچھ زیادہ ہی طول پکڑتے جا رہے تھے، ابا جی اپنے سگار کے دھوئیں میں اپنی خواہش اڑاتے رہے اور آصف اسے تسلیاں دیتے رہے۔

وہ سال بھی نا امیدی کی کیفیت میں گزر گیا، کہیں سے کسی امید کا گزر نہ ہوا تو دلوں میں مایوسیاں گھر بنانے لگیں۔

ابو آصف اور اسماء سے کچھ نہ کہتے تھے مگر دل میں ضرور اب یہ خواہش شدت سے پیدا ہوا کہ اب تو ان کے آنگن میں کسی پھول کی خوشبو پھیل کر دور دور تک جانی چاہیے، دوسرے گھروں سے لپٹی ہوئی خوشیوں کی بیلوں سے خوشبو نکل کر ان کے اداس آنگن میں آ کر آنسو بجھا جاتی تھی تو دل کی آنکھیں بھی نم ہو جاتی تھیں۔

اس شام پھر سلمیٰ خالہ اور ان کی بہو آئی ہوئی تھیں وہ اپنے تیسرے پوتے کی خوشی میں مٹھائی لے کر آئی تھیں وہ تو شکر ہوا کہ اسماء اور آصف گھر پر نہ تھے امی نے نہایت بجھے بجھے سے لہجہ میں انہیں مبارکباد دی۔

''ارے یہ تو بتاؤ بہو تو خیریت سے ہے نا۔''

''سب خیریت ہے۔''

''کوئی امید وغیرہ ہوئی یا نہیں؟'' ان کا لہجہ نہایت راز دار تھا۔

''نہیں۔'' امی کی آواز ڈوب سی گئی۔

''ارے ابھی تک اس نے ایک پوتا بھی نہیں دیا میرے خیر سے تین پوتے ہیں تم کب تک اپنے خالی آنگن کو دیکھ کر جی جلاتی رہو گی، اسماء کا علاج وغیرہ کرایا یا نہیں؟''

''مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اسماء یا آصف سے یہ بات کہہ سکوں وہ دونوں پہلے ہی بہت پریشان رہتے ہیں۔''

''مجھے تو کوئی گڑبڑ ہی لگتی ہے اب اسماء کے ساتھ کی لڑکیوں کو دیکھ لو ماشا اللہ دو دو بچے گھر میں کھیل رہے ہیں، اگر آصف اسماء کا علاج نہیں کروا سکتا تو تم تو آصف کی دوسری شادی کروا سکتی ہو نا۔''

''دوسری شادی؟'' امی کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔

''نہیں انشا اللہ اسماء ہی سے اولاد نصیب ہو گی اسے، میں اسماء پر سوتن لانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ اسی خیال سے کانپ اٹھیں۔

''تمہاری مرضی ہے میں نے تو اپنی رائے پیش کر دی تھی۔'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

''تمہاری رائے کا بہت بہت شکریہ۔'' امی اداسی سے بولیں۔

''ارے میں چلوں اب کافی دیر ہو گئی میری بہو پریشان ہو رہی ہو گی وہ ننھا پوتا تنگ کر رہا ہو گا اسے۔'' وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو امی انہیں روک نہ سکیں۔

کچھ ہی دیر بعد آصف اور اسماء بھی آ گئے۔

''امی جان یہ مٹھائی کہاں سے آئی ہے؟'' ڈرائننگ ٹیبل پر رکھی پلیٹ میں مٹھائی دیکھ کر وہ بولے اور ایک ٹکڑا بھی اٹھا لیا۔

''یہ سلمیٰ خالہ لے کر آئی تھیں ان کے گھر

Digest Novels Lovers

تیسرا پوتا ہوا ہے۔'' امی نے باورچی خانے میں سے آواز دی اور بتایا۔

''اچھا۔'' آصف کا شوخ لہجہ لحہ بھر میں مرجھا گیا، منہ سے ابھی وہ ٹکڑا رکھنے ہی والے تھے کہ امی جان کی بتائی ہوئی بات پر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا، اسماء ان کے قریب ہی کھڑی تھیں آصف نے ان کے مرجھائے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی تو خود ہی شرمندہ ہو کر رہ گئے، انہیں اسماء کے سامنے یہ بات پوچھنی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اسماء تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں، آصف بھی ان کے پیچھے آ گئے۔

''اداس ہو گئیں۔'' آصف نے ان کا اداس روپ دیکھ کر کہا۔

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرائیں۔

''آئی ایم سوری اسماء مجھے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

''میں نے مائنڈ تو نہیں کیا۔''

''مگر میں نے تو محسوس کیا ہے نا؟''

''اب تو عادت سی ہو گئی ہے اسی لئے کسی بات کا احساس ہی نہ رہا۔'' بڑے سفاک لہجہ میں انہوں نے کہا اور کپڑے تبدیل کرنے چلی گئیں۔

☆☆☆

پھر کچھ اور دن اسی اداسی اور پھیکے پن میں بیت گئے، آصف نے اسماء کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور اپنی ان کوششوں میں وہ کامیاب بھی ہو گئے تھے اب اسماء کی اداسیوں میں کمی آ گئی تھی یا عادت ہی ہو گئی تھی اس کمی کی، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو دیگر مصروفیات میں گم کر لیا تا کہ اس کی کمی کا احساس ہو ہی نہ سکے مگر کبھی کبھی وقت کا کوئی بے رحم لمحہ ان کی زندگی سے یہ سکون چھین کر لے ہی جاتا تھا۔

عالیہ ان کی عزیز ترین سہیلی تھی، ابھی کچھ دن قبل ہی وہ اپنے شوہر اور دونوں بچوں کے ساتھ جدہ سے آئی تھیں اور اس مرتبہ اپنے بیٹے کی سالگرہ کا اہتمام انہوں نے یہیں کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس کے لئے انہوں نے ایک شاندار تقریب اور ڈنر کا انتظام کروایا تھا۔

سالگرہ والے دن ان کے خوبصورت گھر میں اک جشن کا سا سماں تھا عالیہ تمام انتظامات سے فارغ ہو کر اب مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھیں انہی مہمانوں میں اسماء اور آصف بھی شریک تھے، عالیہ نے اسماء کو گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو جلدی سے لان کی طرف بڑھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ دونوں سہیلیاں بڑے جوش وجذبے کے ساتھ ایک دوسرے سے ملیں۔

''کیسی ہو تم؟'' اسماء نے پوچھا۔

''بہت مزے میں۔'' عالیہ کی خوشی قابل دید تھی۔

''اور تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔'' عالیہ نے آصف کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو آصف مسکرا دیئے اور اسماء ہنس پڑیں۔

''تمہیں شک تو نہیں یقین ہے کہ تمہاری زندگی بہت خوبصورت ہے مگر ایک چیز کی کمی ضرور ہے۔'' عالیہ نے ذرا سنجیدہ ہو کر کہا تو لحہ بھر میں اسماء کے چہرے پر سنہری دھوپ کو غم کے بادل نے چاٹ لیا، آصف بھی چپ ہو گئے عالیہ نے ابھی بات چھیڑی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے آواز دے ڈالی تو اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

''ارے میں تو تمہیں یہیں لے کر کھڑی ہو گئی۔'' عالیہ انہیں لے کر اندر آ گئی اپنی اس بے پناہ خوشی کے موقع پر اسے اس بات کا احساس ہی نہ رہا کہ اسماء کے چہرے کی سنہری دھوپ

کہاں غائب ہوگئی، وہ اپنے دوسرے مہمانوں سے ان کا تعارف کراتی رہی، وہ دونوں اپنے دل کا زخم لب کی نگاہوں سے چھپائے سب سے مسکرا کر ملتے رہے۔

عالیہ کے دونوں بچے بہت پیارے لگ رہے تھے خصوصاً نوید تو آج شہزادہ لگ رہا تھا پانچ سالہ خوبصورت سا نوید جب اپنی سالگرہ کا خوبصورت پانچ منزلہ کیک کاٹنے لگا تو دور بیٹھی اسماء کو اک کانٹا سا اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا وہ سب کی نگاہوں سے بچا کر اپنی آنکھوں کے نم کنارے صاف کرتی رہی۔

سالگرہ کا جشن بہت خوبصورت تھا اور اس خوبصورت رنگین تقریب میں اسماء کو فریش ہونا چاہیے تھا مگر پھر عالیہ کا دلایا ہوا احساس کمتری اس کے اندر سے زندگی کو چھین لے گیا ان کی یہ اداسی اور خاموشی آصف بھی محسوس کر رہے تھے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اجازت چاہی۔

''ارے ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' عالیہ حیران رہ گئی تھی ابھی تو محفل اپنے عروج پر تھی۔

''دیر ہو جائے گی بہت۔'' اسماء نے آہستگی سے وجہ بیان کی۔

''اسے دیر ہو جائے گی کیا ہوا تمہارے کون سے بچے رو رہے ہیں گھر پر۔'' عالیہ مسکرا کر کہہ گئی مگر اس کی یہ مسکراہٹ اسماء کے دل کے زخم تازہ کر گئی۔

''بچے نہیں رو رہے یہی تو غم ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں۔

''ہمارے بچوں کی آس میں تڑپتے ہوئے ہمارے بوڑھے ماں باپ اداس تنہائیوں میں ہمارے منتظر ہوں گے اور اس عمر میں انہیں مزید دکھ دینا نہیں چاہتے۔'' آصف نے بھی سنجیدگی کے ساتھ کہا تو عالیہ شرمندہ ہوگئی۔

''او آئی ایم سوری اسماء میں بے خیالی میں یہ بات کہہ گئی تمہیں بہت دکھ ہوا ہوگا میں شرمندہ ہوں اسماء۔'' عالیہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''چلو تم نے معذرت تو کر لی ہمارا دل رکھ لیا، اب ہم چلتے ہیں اپنے بچوں کو پیار دینا، یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے بچے نہیں ہیں تو ہمیں بچوں سے پیار بھی نہیں ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم اسماء۔'' عالیہ پریشان سی ہوگئی۔

''اب اجازت دیں پھر آئیں گے۔'' آصف نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' عالیہ گیٹ کے باہر تک انہیں خدا حافظ کہنے آئیں۔

یوں وہ پھر دل کے زخم تازہ کر کے اس رنگین محفل سے لوٹ آئے۔

اسماء نے ان گزرے ہوئے پانچ پیاسے سالوں مین اپنی اس خواہش کو کہیں قید کر دیا تھا، اب پھر اس خواہش نے شدت سے سر ابھارا ایک بار پھر محرومیوں کا احساس شدید ہو گیا تو وہ ان غموں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور بیمار پڑ گئیں، آصف تو پریشان تھے ہی امی ابا جی بھی دکھی ہو گئے۔

''بیٹا اسے سنبھالو ہمیں اس کی زندگی کی فکر ہے کیا بغیر اولاد کے لوگ نہیں جیتے۔''

''اور اب کتنا صبر کریں امی۔'' آصف بھی ہمت ہار رہے تھے۔

''ایسا نہ کہو بیٹے یہ تو اس کی دین ہے جب دے دے اس کی رحمتوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔'' امی میں اب بھی اتنی ہمت نہ ہوتی کہ ان سے اسماء کے علاج کے لئے بات کر سکتیں حالانکہ ابھی موقع اچھا تھا، اس دن عالیہ کا فون آیا تو اسماء نے ان سے فون پر بات کی۔

’’کیا بات ہے اسماء تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔‘‘ عالیہ نے ان کی آواز سے اندازہ لگایا۔

’’اپنے اندر اداسی ہو نا تو وہ دیمک کی طرح چاٹتی رہتی ہے رگوں کو میں سخت ڈپریشن کا شکار رہی ہوں پچھلے دنوں۔‘‘

’’تم سے کس نے کہا کہ ایسی باتیں دل پر لگاؤ۔‘‘

’’اس پر کسی کا اختیار تھوڑی ہے۔‘‘

’’اچھا سنو میں ابھی آ رہی ہوں۔‘‘ عالیہ نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

’’تم آ کر کیا کرو گی میری اداسیاں سمیٹ لو گی کیا۔‘‘ وہ خالی نگاہوں سے چھت کو گھور کر رہ گئیں کچھ ہی دیر بعد عالیہ آ گئیں امی جان باہر برآمدے میں ہی مل گئیں، سلام و خیریت کے بعد انہوں نے فوراً اسماء کے بارے میں پوچھا۔

’’آنٹی یہ اسماء کو کیا ہو گیا ہے میں نے ابھی فون پر بات کی تھی بہت پریشان لگ رہی تھی۔‘‘

’’ہاں پریشان اور اداس تو بہت رہتی ہے وہ ایک ہی غم ہم سب کو چاٹ رہا ہے۔‘‘

’’آنٹی آپ تو یوں فکر کر رہی ہیں جیسے اس کا علاج ہی نہیں۔‘‘

’’بیٹی تم اس کی بہترین سہیلی ہو تم اس سے یہ بات کر سکتی ہو کہ وہ اپنا علاج کرائے۔‘‘ امی کی آنکھوں میں اک امید جاگی۔

’’آپ فکر نہ کریں میں ابھی اسماء کو راضی کرتی ہوں جا کر۔‘‘ وہ اسماء کے کمرے کی طرف بڑھ آئی۔

’’اسماء یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔‘‘

’’جو ہونی چاہیے۔‘‘ وہ اٹھ بیٹھیں۔

’’تمہاری اس حالت پر مجھے انتہائی غصہ آ رہا چلو اٹھو ابھی میرے ساتھ چلو۔‘‘ عالیہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

’’کہاں؟‘‘

’’جہاں میں کہوں۔‘‘

’’کچھ بتاؤ تو سہی۔‘‘

’’میں جا کر بتاؤں گی تم اٹھو اپنی یہ حالت درست کرو میں پہلے والی ہنستی کھیلتی شرارتیں کرنے والی اسماء کو دیکھنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’وہ اسماء تو کب کی مر چکی۔‘‘

’’بکواس نہ کرو میں ابھی اسے زندہ کرتی ہوں۔‘‘

’’اتنا اعتماد ہے تمہیں خود پر۔‘‘

’’یہ بات ابھی راز میں ہے آپ بھی تیار ہو جائیں اور ہمارے ساتھ چلیں۔‘‘

’’ضروری ہے کیا؟‘‘

’’بہت ضروری۔‘‘

’’میں امی، ابا جی سے اجازت لے آئی ہوں اور آصف بھائی اعتراض نہیں کریں گے بلکہ خوش ہوں گے وہ آ جائیں گے تو انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔‘‘ عالیہ انہیں پکڑ کر ان کی وارڈ روب کے سامنے لے آئیں۔

’’خوبصورت سی ساڑھی نکالو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ میں یہیں پر بیٹھی یہ میگزین پڑھتے ہوئے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔‘‘ عالیہ نے ٹیبل پر سے میگزین اٹھاتے ہوئے کہا اور صوفے پر جا بیٹھیں۔

اسماء ساڑھی باندھ کر باہر نکلیں تو عالیہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھا کر ان کے بال سنوارے خوبصورت جوڑا بنایا اور ہلکا ہلکا میک اپ کیا۔

’’عالیہ تم تو یوں مجھے سنوار رہی ہو جیسے مجھے رشتے کے لیے کسی کے سامنے پیش کر رہی ہو یا میں یہ سنگار کرنا ہی بھول گئی ہوں۔‘‘

’’تم سنگھار کرنا بھول رہی ہو اسماء میں

Digest Novels Lovers group

تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور اس کے لئے اپنے آپ کو سنوار کر رکھنا پڑتا ہے۔''

''اچھا۔'' اسماء نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی یہ کہاں کی تیاری ہے آج تو اسماء بیگم پہلے والی اسماء بن گئی ہیں۔'' آصف نے اندر داخل ہوتے ہوئے اسماء کے وجود پر اک گہری نظر ڈالی جو آج کھل اٹھا تھا۔

''یہ سب ہمارا کمال ہے آصف بھائی۔'' عالیہ نے مسکرا کر ان کی داد وصول کرتے ہوئے کہا۔

''مگر تیاری کہاں کی ہے؟''

''یہ بات ابھی راز میں ہے آپ بھی تیار ہو جائیں اور ہمارے ساتھ چلیں۔''

''اچھی بات ہے چلے چلتے ہیں۔'' آصف خوشگوار لہجے میں بولے۔

یوں عالیہ انہیں لے کر اپنی ایک دوست کے پاس آ گئیں جو ڈاکٹر تھی اور خواتین کے مسائل حل کرنے میں ان کا نام بہت کامیاب اور مشہور تھا کئی نا امید خواتین انہی کے علاج سے شفایاب ہوئی تھیں، اس لئے عالیہ انہیں لے کر یہاں آئی تھی پہلے تو اسماء بہت گھبرائیں۔

''یہ تم مجھے یہاں کیوں لے آئی ہو؟''

''بیوقوف عورت اپنا علاج تو کروا کر دیکھو مجھے یقین ہے تمہیں شفا ضرور ملے گی۔''

''مگر۔''

''اب کچھ نہ کہنا اسماء میں نے بھی بہت عرصے انتظار کیا ہے امی، ابا جی خاموش رہے ہیں اب یہ جوا بھی کھیل کر دیکھ لو۔'' آصف نے بھی کہا تو وہ ہار گئی۔

لیڈی ڈاکٹر طاہرہ خاں نے ان کی کئی ٹیسٹ لئے۔

پھر کچھ دنوں بعد رپورٹ ملنی تھی اس دن اسماء کی حالت قابل دید تھی وہ اور آصف ان کے کلینک میں بیٹھے رپورٹ کے منتظر تھے آصف بار بار چہرے سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور اسماء مسلسل سامنے دیوار پر لگے خوبصورت بچوں کی تصویروں کو دیکھ رہی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر آ گئیں۔

''کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر نے مسکرا کر شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''ڈاکٹر صاحبہ آج رپورٹ ملنی ہے نا۔'' آصف بے تابی سے بولے۔

''ہاں۔'' ایک لمحے کو وہ چپ سی ہو گئیں۔

''کیا ہوا ڈاکٹر صاحبہ؟'' ان کی خاموشی ان دونوں کو مایوسی میں بدلنے لگی۔

''میں رپورٹ کے مطابق ناامید نہیں ہوں مسٹر آصف رپورٹ مکمل طور پر آپ کے حق میں نہیں مگر علاج ضروری ہے۔''

''اچھا۔'' مرجھائے ہوئے لہجے سے اک آہ نکلی۔

''آپ مایوس نہ ہوں مسٹر آصف وہ سب کی سننے والا ہے ہمارا کام تو آپ کی خدمت کرنا ہے آخری فیصلہ تو اسی کے ہاتھ میں ہے نا۔''

''آپ علاج شروع کریں میں ہر قسم کا علاج کرواؤں گا اسماء کا۔'' آصف بہت جذباتی ہو کر بولے۔

''ٹھیک ہے پھر آپ اس فارم کو بھر کر سائن کر دیں۔''

ڈاکٹر نے ایک چھپا ہوا فارم آصف کے آگے رکھ دیا، آصف نے وہ فارم بھرا اور پیشگی ادائیگی پچاس ہزار روپے کے ساتھ اس فارم پر اپنے سائن کر دیئے، اسماء بہت اداس تھیں، وہاں

Digest Novels Lovers

سے نکلتے ہوئے وہ چپ سی تھیں آصف انہیں تسلیاں دے رہے تھے، وہاں سے وہ اسے تفریح کے لئے لے گئے تاکہ ان کا دل بہلا رہے۔

خوبصورت پارک میں وہ شام بہت سہانی لگ رہی تھی ابھی سورج پوری طرح سے ڈوبا نہیں تھا اس کی سرخی مائل سنہری کرنیں درختوں کی چھاؤں مین لرز رہی تھیں اس سہانے موسم میں بچوں کا حسن بھی بکھرا ہوا تھا، وہاں ان کے معصوم قہقہے فضا میں بکھر کر ان کے دلوں کی دھڑکنوں سے کھیل رہے تھے ان کی شرارتیں ماں باپ کے دلوں کو سکون بخش رہی تھیں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے بچے پورے پارک کی خوبصورتیوں میں اضافہ کرر ہے تھے۔

اسماء اور آصف بھی ایک سفید بنچ پر آ بیٹھے، اسماء غور سے ان بچوں کو دیکھنے لگیں جو ان کی آنکھوں کا معصوم خواب تھے آصف بھی سگریٹ سلگاتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' کچھ دیر بعد انہوں نے اسماء سے پوچھا۔

''ان بچوں کو دیکھ رہی ہوں۔'' نہایت مدھم لہجے میں بولیں۔

''کتنے خوبصورت بچے ہیں نا۔''

''ہاں مگر ہمارا نصیب نہیں۔'' حسرت ان کے لہجے سے ٹپکی۔

''کیوں نہیں ابھی ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں اس نے مایوس تو نہیں کیا۔''

''یقین بھی تو نہیں دلایا۔'' وہ اسی لہجہ میں بولیں۔

''کیوں نہیں تم دیکھنا ہمارے اتنے بچے ہوں گے کہ تم انہیں سنبھالتے ہوئے گھبرا جاؤ گی۔'' آصف نے ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے مذاق کیا۔

''مجھے ایسے ہی خوبصورت بچوں کی آرزو ہے آصف۔'' ان کی آنکھوں میں پھر اک خواب آ کر ٹھہر گیا۔

''ہمارے بچے ان سے بھی زیادہ خوبصورت ہوں گے، کیونکہ ہم دونوں خوبصورت ہیں۔'' آصف نے کہا تو وہ بے اختیار ہنس پڑیں، آصف ان کے لبوں سے پھوٹتی کھنکتی ہوئی ہنسی کو سماعتوں میں جذب کرتے رہ گئے تھے عرصہ بعد ان کے لبوں نے اس خوبصورت زندگی سے بھرپور قہقہہ کو جنم دیا تھا۔

''آؤ چلیں۔'' شام گہری ہونے لگی تو انہوں نے کہا۔

اسماء کا موڈ اب خوشگوار ہو چکا تھا وہ اٹھ کر ان بچوں کے قریب آ گئیں اور ان میں سے ایک بچے کو بے اختیار پیار کیا تو وہ بچہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

''آپ مجھے بہت اچھے لگتے تھے نا اس لئے پیار کرلیا۔'' ان کی پیاسی ممتا تڑپ کر بولی۔

''اچھا۔'' وہ بچہ مسکرا دیا اور پھر دوڑ کر اپنے ماں باپ کے پاس چلا گیا جو گیٹ پر کھڑے اس کے منتظر تھے۔

وہ دونوں وہاں سے خوشگوار موڈ لے کر واپس آئے، پھر آصف انہیں روزانہ باہر لے کر جانے لگے وہ انہیں زندگی سے دور نہیں قریب کرنا چاہتے تھے، ہر شام کی خوبصورت سنہری ساعتیں اس پارک کی ہریالی کی نذر ہونے لگیں جہاں ان معصوم بچوں کی شرارتیں وشوخیاں اور زندگی سے بھرپور قہقہے تھے۔

اسماء اب ان بچوں سے کافی مانوس ہو گئی تھیں اور بچے تو ہوتے ہی پیار ومحبت کے پیاسے اور ان کی محبت اور خلوص دیکھ کر وہ بچے بھی ان کے پاس آ کر کھیلنے لگے تھے وہ ان کے لئے ان کی

پسند کی چیزیں لے جاتیں کبھی کھلونے لے کر آتیں یوں وہ اپنے اندر کی پیاسی ممتا کی تسکین کر رہی تھی۔

علاج باقاعدگی سے جاری تھا اس لئے ان کی مایوسی قدرے کم ہوگئی تھی مگر پھر اس مایوسی نے اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے تھے علاج شروع ہوئے چھ ماہ سے زائد ہو گئے تھے مگر ابھی تک کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی، آصف نے مزید علاج جاری رکھنے کا مشورہ دیا، ان کا خیال تھا کہ علاج میں کسی قسم کی کمی نہیں ہونی چاہیے مسلسل علاج سے ہی فائدہ ممکن تھا، مگر اسماء بہت مایوس ہوگئی تھیں۔

انہیں اتنے عرصے بعد بھی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی ان کا یہ خیال درست ثابت ہوا، ڈاکٹر نے اپنے علاج سے کوئی فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے مزید علاج خود ہی بند کروا دیا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ کے کیس میں مجھے اتنی الجھن اور پریشانی کیوں ہو رہی ہے، میں نے بہت کامیاب علاج کیے ہیں آپ کا کیس میری سمجھ میں نہیں آ رہا آپ کسی اور کو دکھاویں مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے علاج میں کامیاب نہ ہو سکی۔'' اس کی یہ معذرت اسماء کے دل کا روگ بن گئی۔

''اب کیا ہوگا آصف؟'' وہ رو رہی تھیں اور آصف پریشان تھے کہ اسماء کو کس طرح تسلی دیں اور اپنے بوڑھے ماں باپ کو کیا جواب دیں گے جن کی آنکھیں کتنی مدت سے ترس رہی تھیں، کسی خوشی کو دیکھنے کے لئے۔

''اسماء ڈاکٹر خدا تو نہیں ہیں نا اس کی مرضی کے بغیر وہ کیا کر سکتے ہیں اپنی پوری کوشش کر کے دیکھ لی انہوں نے۔''

''آپ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا مجھے محروم ہی رکھے گا۔'' وہ جذباتی وحشتوں کے ساتھ چیخ پڑیں۔

''خدا نہ کرے اسماء میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔''

''پھر آپ بھی مایوس لگ رہے ہیں۔''

''میں مایوس نہیں ہوں مگر پریشان ہوں اب کیا کرنا ہوگا۔''

''میں مر جاؤں گی آصف۔'' وہ تڑپ رہی تھیں۔

''ایسی باتیں نہ کرو اسماء میں ہر ممکن علاج کروانے کی کوشش کروں گا تم فکر نہ کرو۔''

''اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا چھ سال بہت ہوتے ہیں آصف۔''

''میں جانتا ہوں اب تمہیں کسی بہت اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔'' بڑے ٹھہرے لہجہ میں انہوں نے کہا اور اسے لے کر گھر آ گئے۔

شام کی گہری اداس دھند ساری کائنات کو بھی اداس کر رہی تھی امی جان ابھی ابھی مغرب کی نماز پڑھ کر اٹھی تھیں، دعاؤں کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بھی برس رہے تھے۔

باہر کا دروازہ کھلا ہی تھا، آصف اور اسما اندر آ گئے ان کے قدموں کی آہٹ امی نے محسوس کر لی تھی آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر وہ دونوں ہاتھ پھیرتی وہاں آ گئیں۔

''بہت دیر کر دی بیٹا۔'' انہوں نے ان کے مرجھائے ہوئے چہروں پر نگاہ ڈالی۔

''ہاں امی دیر ہی تو ہے سب جگہ۔'' آصف تھک کر بیٹھ گئے۔

''کیا بات ہے بیٹا پریشان لگ رہے ہو۔'' ان کی نگاہیں کچھ تلاش کرنے لگیں اسماء بھی نگاہیں جھکائے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئیں۔

''تم دونوں تو ڈاکٹر کے پاس گئے تھے نا کیا

Digest Novels

بتایا تھا اس نے۔'' وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

''کچھ نہیں۔'' اسماء بولیں۔

''کچھ نہیں کیا مطلب؟''

''امی اسماء کا علاج نہیں کر سکیں وہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ کسی ماہر ڈاکٹر سے علاج کرائیں۔'' آصف نے بتایا۔

''مگر عالیہ تو کہہ رہی تھیں۔''

''عالیہ نے غلط نہیں کہا تھا یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔'' اسماء میں تو بات کرنے کی ہمت نہ تھی اس لئے آصف ہی اپنے حوصلے سمیٹے امی کو سب کچھ بتا رہے تھے۔

''تو کیا۔'' امی بھی حوصلے چھوڑنے لگیں۔

''نہیں امی آپ تو ہمت نہ ہاریں۔'' آصف ان کی مایوسی پر تڑپ گئے۔

''بیٹا اب تو آنکھیں بھی تڑپ گئی ہوں اب اور نہیں جیا جاتا اس طرح خالی خالی، تمہارے آنگن کی اداسی ہمارے دلوں میں ماتم کرتی ہے بیٹا ہم بوڑھے لوگوں میں اتنی ہمت کہاں۔'' امی کے لہجہ اور آنکھوں میں اداسی تڑپ رہی تھی۔

''امی آپ فکر نہ کریں میں اسماء کا ہر ممکن علاج کراؤں گا بس آپ دعا کریں۔'' آصف نے بے تابی سے ان کے بوڑھے کمزور ہاتھ تھام لیے۔

''بیٹا دعا تو میں ہر لمحہ کرتی ہوں خدا اس آنگن کی اداسی دور کرے۔'' انہوں نے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کہا، پھر اسماء کی طرف آ گئیں، جو نگاہیں جھکائے رو رہی تھیں۔

''بیٹی۔'' انہوں نے قریب آ کر ان کا چہرہ اونچا کیا۔

''امی۔'' وہ ان کے سینے سے لگ کر اپنی تمام ہمتیں چھوڑ بیٹھیں تو آنسوؤں کا اک سیلاب آنکھوں میں امڈ آیا۔

''بس بیٹی بس کرو جانتی ہوں یہ دکھ بہت گہرا ہے مگر علاج نہیں آصف بیٹا تمہارا ہر طرح کا علاج کرائے گا، پھر تم پریشان کیوں ہو۔''

''صبر نہیں ہوتا نا۔''

''مجھے بھی تو دیکھو جاؤ جا کر آرام کرو، اس طرح تو رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کر لو گی۔'' انہوں نے اپنے دکھ چھپا کر اس کے غموں کو اپنے آنچل میں سمیٹ لیا۔

آصف اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے اور انہیں سکون کی گولی دے دی تھی تا کہ وہ مزید پریشان نہ ہوں خود وہ بھی نیند سے خالی آنکھیں لئے چھت کو گھورتے رہے تھے۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا وہ بے چین سے ہو کر اٹھے اسماء اب سکون سے سو رہی تھی طبیعت گھبرانے لگی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئے، برآمدے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا اور ہلکی نیلی روشنی بکھری ہوئی بڑی پراسرار سی لگ رہی تھی، وہاں اک سایہ سا نظر آیا، قریب آ کر غور سے دیکھا تو امی جان وظیفہ کر رہی تھیں تہجد کی نماز کے بعد وہ ان کی اولاد کی خاطر وظیفہ کر رہی تھیں۔

''خدایا تجھے ان بوڑھے لوگوں پر بھی رحم نہیں آتا، ہماری نہیں تو ان کی دعاؤں کی لاج رکھ لے، ان کی آرزو پوری کر دے۔'' آصف کے دل سے اک آہ سی اٹھی جس بے چینی سے وہ باہر آئے تھے وہی بے تابی لے کر اندر واپس چلے گئے اندر آتے ہوئے ابا جی کے کمرے کی طرف نگاہ اٹھ گئی کمرے کی لائٹ آف تھی مگر محسوس ہو رہا تھا کہ ابا جی جاگ رہے ہیں امی نے انہیں ساری بات بتا دی تھی پھر ان کی پریشانی لازمی تھی نا، انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا، کمرے میں اندھیرا تھا اور زیرو کا بلب ہلکی ہلکی

اداس روشنی بکھیر رہا تھا، ابا جی اپنے بستر کی بجائے کرسی پر نیم دراز تھے ان کی نگاہیں دوسری طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف لگی ہوئی تھیں ہاتھ میں سگار تھا جس کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے وہ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔

''خدایا اب سکون دے دے۔'' وہ تلخ سی سوچیں لئے اپنے کمرے میں آگئے۔

نیند تو ان کی آنکھوں سے بھی دامن چھڑا کر بھاگ گئی تھی، اسماء کی نیند سے وہ کسی قدر پرسکون تھے کہ رات کہاں تنہائیوں اور سناٹوں میں ان کی وحشت تو نہ جاگ رہی تھی نا امیدی کروٹیں تو نہ بدل رہی تھیں اور نہ وہ انہیں پریشان کر رہی تھیں بہت دیر تک وہ بھی آنے والے تلخ دنوں کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے، عالیہ کو ان کے علاج سے بھی نا امیدی کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوئیں اب ایک ہلکا سا یقین ان کے دل میں بھی پناہ لینے لگا تھا کہ اسماء کا نصیب اولاد کی رحمت سے خالی تو نہیں مگر پھر بھی وہ اسماء کو تسلیاں ہی دیتی رہیں۔

''فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسماء دنیا سے سارے ڈاکٹرز ختم تو نہیں ہو گئے، آصف بھائی اپنی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' اک آہ سی ان کے لبوں سے آزاد ہو کر فضا کا نصیب بن گئی۔

☆☆☆

آصف شام کو اسے دوسری ڈاکٹر کے پاس لے گئے وہ ہر طرح سے اسماء کو مطمئن کرنا چاہتے تھے، اس لئے پیسے کی بھی فکر نہ تھی، وہ اولاد کی خاطر اسماء کے علاج کے لئے پانی کی طرح پیسہ بہا رہے تھے۔

دوسرا علاج شروع ہونے کے کافی عرصہ بعد بھی کوئی افاقہ نہ ہوا تو نا امیدی بڑھنے لگی۔

پھر انہوں نے شہر کا کوئی ڈاکٹر نہ چھوڑا حکیموں نے بھی علاج کروایا، پھر پیروں فقیروں کے پاس بھی دم کرانے کے لئے لے گئے، اسماء کو لیکن شاید اسماء ماں بننے کا نصیب لے کر ہی نہ آئی تھی۔

وہ شام نا امیدیوں کی ایک بھرپور شام تھی جب اسماء کے تمام حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔

''اب تو ہر طرح کروا کر دیکھ لیا آصف ہر طرح کے تعویذ گنڈے بھی کر لئے، کس کس کے پاس نہ گئے ہم یہ خوشی لینے مجھے لگتا ہے میں یہ خوشی آپ کو نہ دے سکوں گی۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھیں اور سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے آصف کچھ سوچ رہے تھے۔

''یہ تو میرا نصیب ہے اسماء اس میں تمہارا کیا قصور؟'' کچھ دیر بعد وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولے۔

''امی ابو کچھ کہتے نہیں مگر ان کی اداسی خاموشی بھی مجھ سے کلام کرتی ہے ان کی خاموش نگاہوں میں تڑپتے ہوئے سوالوں کا جواب نہیں ہے۔''

''مجھے اور اس گھر کی اداسی بھی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔''

''تو پھر میں کیا کروں اب؟'' وہ بھی چڑ کر بولے۔

''ایک بات سوچی ہے میں نے۔'' کچھ دیر بعد ڈرتے ڈرتے وہ بولیں۔

''کیا......؟'' آصف ان کے تاریک چہرے پر اپنی گہری نگاہیں جماتے ہوئے بولے۔

''اگر ہم کوئی بچہ گود لے لیں تو۔'' اسماء ک ممتا تڑپ رہی تھی۔

''اسماء۔'' ایک لمحے کو آصف اس کی با

Digest Library.com

پر حیران رہ گئے۔
''اس میں کوئی برائی تو نہیں۔'' اسماء نے انہیں حیران دیکھ کر کہا۔
''برائی تو نہیں مگر۔''
''مگر کیا؟'' وہ بے تاب ہو گئیں۔
''تم اس بچے کو اپنی سچی ممتا دے سکو گی۔''
''آصف اس میں تو میری توہین نہ کریں۔''
''توہین کی بات نہیں تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو اس وقت اگر ابھی ہم کوئی بچہ گود لے لیں، بعد میں تقدیر ہمیں اپنے بچے سے نواز دے تو دل سے سوچ کر بتانا اس پہلے والے یتیم و بے آسرا بچے کے ساتھ انصاف کر سکوں گی تم۔''
''ماں تو ایک جیسی ہوتی ہے آصف۔''
''لیکن تجربے کو تو تم نہیں جھٹلا سکتیں نا، یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، بہت سے بے اولاد والدین نے اپنی خالی گود کے سونے پن کو دور کرنے کے لئے کوئی بے آسرا بچہ گود لیا پھر اپنی اولاد کے ہو جانے پر وہ بچہ پہلے سے بھی زیادہ بے آسرا ہو جاتا ہے۔''
''آپ مجھے ایسا نا انصاف سمجھتے ہیں۔''
''میں کوئی بہت بڑا دعویٰ نہیں کر سکتا اسماء حقیقت کہہ رہا ہوں۔''
''خدا نے چاہا تو ہم اپنے بچے کی پرورش خود کریں گے اسماء دیر سے سہی ہو گا تو اپنا، اپنے خون کی بات ہی اور ہوتی ہے تم ہمت کرو، حوصلہ کرو اور صبر کرنا سیکھو کبھی نہ کبھی تو وہ ہمیں اولاد سے نوازے گا ہی نا۔''
''جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے۔''
''پھر ہمارا بڑھاپا سنور جائے گا ذرا سوچو غور کرو جب ہم بوڑھے ہو کر بھی اپنے بچوں کے پیچھے بھاگا کریں گے تم بھاگتے بھاگتے تھک جایا کرو گی اور مجھ سے ان کی شکایتیں کیا کرو گی۔'' آصف نے اس کے دکھوں کو آنے والے دنوں کا تصور دے کر اس کا موڈ خوشگوار کر دیا، وہ اپنے آنسو سمیٹ کر آصف کی اس بات پر مسکرا دیں۔
آصف نے اک خیالی زندگی کا عکس پیش کرتے ہوئے انہیں کسی حد تک بہلا لیا تھا، اب سوائے بہلاوؤں کے ان کی زندگی میں اور کیا کیا رہ گیا تھا اسماء کو آصف کی ان تسلیوں پر اپنی بے رنگ اور پھیکی زندگی سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑا، اب انہوں نے اپنے آپ کو تقدیر کے دھارے پر بہنے کے لئے چھوڑ دیا تھا یہ دھارا کبھی نہ کبھی تو کوئی کنارہ ان کی زندگی کو دکھا ہی دے گا اسی آس پر زندہ تھیں۔
امی نے بھی اب اس محرومی کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا مگر ابا جی اپنی پیاسی آرزوؤں کی تشنگی کو برداشت نہ کر سکے تھے، اب انہیں اپنی زندگی کی کوئی آس اور تمنا بھی نہ رہی تھی بس آصف کی اولاد کے لئے ترس رہے تھے بیٹے کو اس بدنصیبی اور غم نے انہیں اندر سے بالکل ہی کھوکھلا کر دیا تھا وہ گھٹ گھٹ کر جی رہے تھے۔
اس رات ان کی طبیعت اچھی نہ تھی امی کافی دیر ان کے پاس بیٹھی انہیں بہلاتی رہی تھیں، اگر خدا نے انہیں بیٹی دی ہوتی تو آج پوتے کی بجائے نواسے سے ہی دل بہلا رہے ہوتے تقدیر نے اپنی محرومیوں کا وار نہایت شدید کیا تھا، بڑی کاری ضرب لگائی تھی انہیں۔
''میں آپ کے لئے سوپ لاتی ہوں۔''
امی کہتی ہوئی باہر نکل گئیں، ابھی وقت آصف اور اسماء گھر میں داخل ہوئے، وہ روزانہ شام کو کہیں نہ کہیں نکل جاتے تھے اپنی زندگی کو مصروف جو کر لیا تھا اب ان بہلاووں کی خاطر گھر میں دل نہ لگتا

Digest library.com

تھا۔

''ابو کی طبیعت کیسی ہے امی؟'' آصف نے آتے ہی پوچھا۔

''اچھی نہیں ہے تمہیں یاد کر رہے ہیں۔'' امی بتاتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

''تم اپنے کمرے میں چلو اسماء بھی ابھی آتا ہوں ابا جی کو دیکھ کر آصف نے ابا جی کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔''

''اب کیسے ہیں ابا جی آپ۔'' آصف ان کے بستر پر ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''جی رہا ہوں حالانکہ جینے کی آرزو نہیں ہے مجھے۔'' وہ نقاہت سے بولے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ابا جی۔'' آصف گھبرا سے گئے۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں اب زندگی میں اور رہ ہی کیا گیا ہے جس کی آس پر زندہ رہوں۔''

''ایسی بات نہ کریں ابا جی خدا نے چاہا تو آپ کی آرزو ضرور پوری ہو گی۔'' آصف نے انہیں بہلایا۔

''ہاں شاید اس وقت جب میں مر جاؤں گا۔''

''ابا جی۔'' آصف ایک لمحے کو لرز گئے۔

''مجھے تمہارا بیٹا دیکھنے کی شدید آرزو تھی بیٹا مجھے صرف اس بات کا ملال ہے کہ یہ خواہش حسرت بن کر رہ گئی ہے اور میرے ساتھ ہی دفن ہو جائے گی میں ناامیدی لئے اس دنیا سے جاؤں گا۔''

''ابا جی خدا کی مرضی یہی تھی۔''

''ہاں خدا کی مرضی یہی تھی کہ اسماء تجھے اولاد نہ دے سکے، میں نے بہت انتظار کیا ہے بہت ترسا اور تڑپا ہوں اپنے پوتے کو ایک نظر دیکھنے کے لئے کیا تو میری یہ آخری آرزو نہیں دے سکتا مجھے۔''

''میں نے اسماء کا ہر ممکن علاج کرایا ہے ابا جی اب اگر نصیب میں ہی نہیں تو پھر کیا کروں۔''

''اب بھی ہو سکتا ہے بیٹا اگر تو چاہے تو؟''

''کیا......؟''

''دوسری شادی کوئی جرم تو نہیں اور پھر تو اولاد کے لئے کرے گا دوسری شادی۔''

''ابا جی۔'' آصف کانپ سے گئے۔

''بیٹا اب اور انتظار نہیں ہوتا دوسری شادی کر لے، شاید اسی طرح میری آرزو پوری ہو جائے۔''

''ابا جی اس میں اسماء کا کیا قصور ہے؟''

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی اور ناانصافی کرے کیا وہ نہیں چاہتی کہ تو بھی اولاد کی نعمت دیکھ سکے اور پھر یہ کوئی زیادتی نہیں اس لئے اولاد کے لئے دوسری شادی کرنا کوئی عیاشی کے لئے نہیں۔''

''لیکن اب میں یہ نہیں سوچ سکتا۔''

''کیوں......؟''

''میں جانتا ہوں وہ یہ دکھ برداشت نہ کر سکے گی۔''

''تو پھر میں بھی یہ دکھ برداشت نہ کر سکوں گا کہ تو میری زندگی میں بے اولاد رہے۔''

''اچھا'' باپ کی محبت اور عزت ہار مان جانے پر مجبور کر رہی تھی مگر دل اسماء پر یہ ظلم ڈھانے پر تیار نہ تھا

''تم جاؤ اور ابھی اسماء سے یہ بات کرو میں اب انتظار نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے تھکے تھکے سے لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''اچھی بات ہے۔'' آصف نے نہایت بجھے بجھے سے لہجے میں کہا اور ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے وہ جیسے ہی ان کے کمرے سے

Digest Novels Lovers

باہر نکلے انہوں نے اسماء کو اپنے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا وہ اندر آئے تو کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑی تھی، آصف میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ابھی اس سے یہ بات کرے۔

''اسماء۔'' انہوں نے ہمت کر کے آواز دے ہی ڈالی مگر اسماء نے سنا نہیں ان کی آواز ہی اتنی مدھم تھی کہ اسماء کی سماعتوں کو چھو کر نہ گزر سکی وہ قریب آ گئے۔

''اسماء۔'' انہوں نے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''ارے یہ کیا۔'' وہ چونک سے گئے، اسماء کی پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسو اب رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

''تم رو رہی ہو۔''

''ہاں میں نے سب باتیں سن لی ہیں میں ابا جی کو دیکھنے آ رہی تھی کہ ان کی یہ بات سن لی کہ آپ دوسری شادی کر لیں۔'' آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں سے انہوں نے آصف کی آنکھوں میں جھانکا۔

''انہوں نے یہ بات اولاد کے لئے کہی ہے۔''

''جانتی ہو۔'' وہ اداس لہجے میں بولیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ اس کا دل ٹٹولنے لگے۔

''مجھ سے یہ بات پوچھ رہے ہیں؟''

''ہاں تم ہی تو مجھے اجازت دو گی۔''

''اجازت...... دوسری شادی کی؟'' اک کپکپاہٹ رگوں کے اندر اتر گئی۔

''میں نے ابا جی کو ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر۔''

''میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا۔'' وہ پلٹ آئیں۔

''تو کیا تمہارا خیال ہے میں دوسری شادی کر لوں؟''

''ہاں آپ اولاد کے لئے کریں گے دوسری شادی میں آپ کو منع نہ کر سکوں گی۔'' آنسوؤں کے بوجھ سے لہجہ لرز رہا تھا۔

''کس دل سے کہہ رہی ہو۔'' وہ پھر اس کے سامنے آ گئے۔

''ایک ماں کے دل سے میں آپ کو اولاد نہ دے سکی یہ میرا جرم ہے، اس جرم کی سزا میں ہی کاٹوں گی، ابا جی برسوں سے یہ سزا کاٹ رہے ہیں اب انہیں اس غم سے رہا کر دیں میں آپ کو دوسری شادی کی اجازت دیتی ہوں مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ اولاد کی خوشی دوسری عورت آپ کو دے سکے تو بھی چھین لوں۔'' وہ اپنے سارے ٹوٹے ہوئے حوصلے جمع کرتے ہوئے خود بکھر رہی تھیں۔

''اسماء یہ تم کہہ رہی ہو؟''

''آصف ہاں آج ہی تو آپ نے کچھ مانگا ہے اور میں انکار کر دوں یہ ہمت نہیں ہے مجھ میں۔'' وہ جلدی سے بستر پر لیٹ گئیں اور کروٹ بدل لی، آصف نے بوجھل سی تھکی تھکی سی سانس لی اور لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ باہر آئے تو کمرے کی لائٹ بجھی ہوئی تھی کمرے کی کھلی کھڑکی سے چاند کی مدھم مدھم اداس روشنی اندر آ رہی تھی اور وہ روشنی اسماء کی بے چین کروٹوں کی گواہ تھی، آصف نے قریب آ کر دیکھا تو ان کی بھیگی پلکوں بھیگے ہوئے رخساروں پر کانپ رہی تھیں۔

''تم یہ دکھ برداشت نہ کر سکو گی اسماء یوں اپنے آپ کو نہ سمیٹو کہ پھر بکھر کر سمیٹ ہی نہ سکو۔'' دکھ سے سوچتے ہوئے آصف بھی بستر پر آ

گیئے، کافی دیر تک وہ سگریٹ پھونکتے رہے، آسماء کے خاموش آنسوؤں کی صدائیں ان کے دل کو بے چین کر رہی تھیں ان کی آنکھوں میں وہ رات جاگ رہی تھی جب انہوں نے مذاق ہی میں کہا اسماء کو چڑاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ دوسری شادی کریں کر لیں گے تو اسماء نے تڑپ کر ان کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آئندہ ایسی جان لیوا بات منہ سے نہ نکالیے گا۔"

"ارے ڈر گئیں اتنی سی بات پر۔" آصف ہنس دیئے تھے۔

"میں ہر دکھ برداشت کر سکتی ہوں آصف مگر سوتن کا دکھ نہیں مجھ سے وعدہ کریں کہ اب ایسی بات نہیں کریں گے میں اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں دیکھ سکتی۔"

انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اسماء کے خاموش آنسوؤں میں احتجاج کی آنچ سلگ رہی ہے جو ان کے دل تک پہنچ رہی تھی، اولاد کے لئے اسماء نے انہیں ابا جی کی خوشی پوری کرنے کے لئے دوسری شادی کی اجازت تو دے دی تھی اس لئے اب اس کی آہیں صاف سنائی دے رہی تھیں آصف کو۔

"یہ تو سوتن کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی، اس کے بچے کو کس طرح برداشت کرے گی۔" آصف سوچنے لگے اور سگریٹ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"اسماء۔" انہوں نے اس کا رخ اپنی جانب کیا، وہ رو رہی تھیں۔

"اگر تم اسی طرح رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کرتی رہیں تو میں اپنے آپ کو معاف نہ کر سکوں گا، مجھ سے تمہارا یہ دکھ دیکھا نہ جا سکے گا، میں دوسری شادی نہیں کروں گا، اولاد ہو گی تو تم سے میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی اور عورت نہیں آ سکتی۔" آصف نے بڑے پیار سے اس کے آنسو سمیٹ لئے تو وہ آنسوؤں کے درمیان بھی مسکرا دیں۔

☆☆☆

دوسری شام آفس سے آ کر انہوں نے ابا جی کو اپنا فیصلہ سنا دیا، ان کا جواز سن کر ابا جی سناٹے میں آ گئے۔

"ابا جی اولاد تو میرے ہی نصیب سے ہو گی نا اگر دوسری شادی کر کے بھی اولاد نہ ہو سکی تو، اسماء کی زندگی بھی الگ برباد ہو گی آپ نے خود ہی میرے لئے اسماء کا انتخاب کیا تھا اب وہ میری ذمہ داری ہے اچھی ہو یا بری میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتا اور اب ہمیں اولاد کی خواہش نہیں رہی، بہت خواہش کر لی، خدا نے نہیں دی نہ سہی، ہم اپنی بے اولاد زندگی سے بھی مطمئن ہیں۔"

"مگر مجھے تو آرزو ہے نا تمہاری اولاد کی۔" وہ تڑپ اٹھے۔

"آپ کو اپنا پوتا دیکھنے کی آرزو ہے نا، واصف کی شادی کر دیجئے خدا آپ کا ارمان پورا کر دے گا۔" آصف نے ایک راستہ دکھایا، کچھ دن بعد تو یہ راستہ اپنانا ہی تھا کچھ دیر قبل ہی کیوں نہ سہی۔

"مگر ابھی اس کی تعلیم کہاں مکمل ہوئی ہو گی۔" امی جان بولیں۔

"ابھی کل ہی اس کا خط آیا ہے کہ اس کا ایک سیشن باقی ہے۔" ابا جی نے کہا۔

"چچا جان کو لکھ دیں کہ اس کا یہ امتحان پورا ہوتے ہی اس کے پاکستان آنے کے انتظامات کر دیں۔"

"بیٹا اتنی جلدی ہم اسے کس طرح بلا سکتے،

Digest Novels Lovers

ہیں تمہاری شادی کے بعد ہی وہ اپنے چچا کے ساتھ امریکہ گیا تھا تمہارے چچا کو دکھ نہیں ہوگا کہ اپنا مطلب پورا کرتے ہی بلالیا۔"

"آپ انہیں ساری تفصیل لکھ دیں وہ کبھی برا نہیں مانیں گے۔"

"واصف جانے یہاں کا ماحول قبول کرے یا نہیں اس نے ایک عرصہ وہاں گزارا ہے پتا نہیں کس قسم کی لڑکی پسند کرے۔"

"یہ آپ لوگ طے کرلیں میرا خیال ہے چچا جان نے ان سات آٹھ سالوں میں اس کی تربیت ہمارے مزاج کے مطابق ہی کی ہوگی بہرحال میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں دوسری شادی نہیں کرسکتا۔" آصف نے کس قدر تلخ لہجے میں کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔

"کیسا ہوگیا ہے میرا بیٹا۔" ابا جی رو دینے کو تھے۔

"اولاد کا دکھ تو اسے بھی ہے اس لئے کچھ چڑچڑا سا ہوگیا ہے۔" امی جان مصالحت آمیز لہجے میں بولیں۔

"مگر وہ تو سمجھ رہا ہے کہ دوسری شادی کرکے کوئی جرم کرے گا۔"

"اب رہنے بھی دیں اس بات کو میں کل ہی افتخار بھائی کو خط لکھتی ہوں کہ میں واصف کے لئے لڑکی تلاش کر رہی ہوں اسے امتحانات ختم ہوتے ہی بھیج دیں۔"

"جو تمہاری مرضی ہو کرو مجھ سے اب آصف کی زندگی کی اداسی دیکھی نہیں جاتی۔"

"آپ بھی تو بار بار احساس مت دلائیں نا وہ اتنی مشکل سے جینے کے حوصلے پیدا کرتا ہے اسماء کو اب انہوں نے اپنی اسی زندگی سے سمجھوتہ کرلیا ہے، خدا کی مرضی یہی ہے ہم کیا کرسکتے ہیں اب یہ دعا کریں کہ واصف کی زندگی سنور جائے۔"

"چلو یہی کرکے دیکھ لیں۔" انہوں نے بجھے بجھے سے لہجے میں کہا اور تھک کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

دوسرے ہی دن امی نے واصف اور چچا جان کو الگ الگ خط روانہ کردیئے تھے ایک ہفتہ بعد ہی ان دونوں کا جواب آگیا تھا، چچا جان نے لکھا تھا کہ انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے واصف تو انہی کی امانت ہے وہ تو بہترین تعلیم کے لئے اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے اب اس کی تعلیم آخری مراحل میں تھی اور اس کے بعد تو وہ خود اسے پاکستان ان کے پاس بھیجنے والے تھے۔

واصف نے بھی تقریباً یہی جواب لکھ بھیجا تھا شادی کا مکمل اختیار بھی امی کو دے دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے اس کے لئے لڑکی تلاش کر لیں، گو کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ابا جی اور امی کی برسوں پرانی خواہش کی تکمیل کے لئے اسے حامی بھرنا ہی پڑی۔

ادھر واصف کے پاکستان آنے کے انتظامات مکمل ہوئے ادھر آصف کو جدہ جانے کا چانس مل گیا آفس کی طرف سے انہیں بھیجا جا رہا تھا، اس وجہ سے وہ اسماء کو ساتھ لے جانے کے مجاز تھے ابھی ان کے جانے میں کچھ وقت تھا اس لئے امی نے واصف کے آتے ہی لڑکی تلاش کر لی۔

واصف کے لئے رعنا کافی عرصہ سے نگاہ میں تھی مگر انہوں نے ابھی بات اس لئے پکی نہ کی تھی کہ واصف کے خیالات نہ جانے کیا ہوں، گھر کی ایک سادہ سی تقریب میں امی نے رعنا اور اس کے گھر والوں کو بھی مدعو کرلیا تھا یوں واصف نے بھی اسے دیکھ لیا اور اپنی رضامندی کا اظہار کر

digest library.com

دیا۔

اسماء اور آصف تو پہلے ہی رعنا کے لئے پسندیدگی کا اظہار کر چکے تھے، ابا جی نے سارا معاملہ ان کی پسند اور مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔

امی اور اسماء نے رعنا کے گھر والوں کے سامنے واصف کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو انہوں نے اس رشتہ کو قبول کر لیا یوں واصف کی شادی میں جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا اور فوراً بات طے ہو گئی، امی نے تو پہلے ہی ساری تیاری مکمل کر لی تھی جلدی تو رعنا کے گھر والوں کو بھی تھی اس لئے کسی قسم کی تاخیر نہ ہوئی۔

☆☆☆

اسماء اور آصف کے جدہ جانے کے تمام انتظامات بھی مکمل ہو گئے تھے، واصف کی شادی کے ایک ہفتہ بعد ان کی روانگی تھی۔

اسماء نے بھابھی ہونے کا پورا حق ادا کیا تھا اور ایک ہی تو دیور تھا ان کا یوں بھی ان کے سامنے اس گھر کی یہ پہلی اور آخری خوشی تھی اور آٹھ سال بعد اب پھر یہ خوشی ان کے گھر آئی تھی، اسماء نے تمام انتظامات میں نہایت اہتمام کے ساتھ حصہ لیا تھا۔

جس رات رعنا دلہن بن کر اس گھر میں آئی اسماء بہت خوش تھی۔

''رعنا میں تو اس گھر کو وہ خوشی نہ دے سکی جس کے لئے یہ آنگن اب تک ترس رہا ہے اب تم اس آنگن میں پھول کھلانے میں دیر نہ کرنا، جلدی ہی اس کی دیواروں میں ننھے منے قہقہوں کی سرگوشیاں اتار دینا بہت انتظار ہے سب کو، ہمیں خود بہت ارمان ہے رعنا۔'' اسماء نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو رعنا نے جھکی ہوئی گردن کچھ اور ہی جھکالی۔

جس دن ان کی روانگی تھی امی اور ابا جی بہت اداس تھے، پہلی بار اولاد کو خود سے جدا کرنے کا حوصلہ نہ ہو رہا تھا اب تقدیر نے جو کچھ دکھانا تھا وہ تو دیکھنا ہی تھا اور اس حقیقت سے وہ نگاہیں نہ چرا سکتے تھے اس لئے دعاؤں اور آنسوؤں کے سائے میں انہیں رخصت کرنا ہی پڑا، واصف بھی بہت خاموش اور اداس تھا۔

''بھائی جان میں تو پہلے ہی اتنا عرصہ آپ سے جدا رہا ہوں اب میں آیا تو آپ چل دیئے۔''

''بعض اوقات سفر بھی انسان کی زندگی اور تقدیر میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے واصف کاکی جانے خدا کی کیا مصلحت ہے اس میں اب اگر میرا رزق وہیں لکھا ہے تو جانا تو ہے۔''

''رعنا مجھے خط لکھنا نہ بھولنا ایک ایک لمحے کی خبر دینا۔'' اسماء اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اور بیٹا تم بھی ہم بوڑھوں کا خیال رکھنا۔''

''ابا جی میں فون کرتا رہوں گا آپ کو آپ اتنے اداس کیوں ہیں واصف آپ کے پاس ہے آپ کی بہو کی رونق ہے اداس اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' آصف نے انہیں تسلی دی۔

''بیٹا وہاں جا کر ضرور دعا کرنا اسماء کے لئے۔'' امی نے ہدایت کی۔

''انشا اللہ ضرور شاید اسی میں خدا کی کوئی رضا ہو۔'' آصف نے امید بھرے لہجے میں کہا

''وہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا، خوب دعائیں مانگنا اولاد کے لئے۔'' ابا جی نے اپنے آنسو سمیٹتے ہوئے کہا پھر انہی آنسوؤں کی دھند اور دعاؤں کے سائے میں اپنی یادیں اور اداسیاں چھوڑ کر وہ لوگ رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد کئی دن تک گھر میں اداسی رہی۔

آصف اور اسماء کا خط ان کی تنہائیوں اور یادوں کا ساتھی بن گیا تھا اس خط کا جواب سوچنے اور لکھنے میں ہی انہوں نے تین چار دن لگا دیئے یوں اب خطوں کے انتظار میں دن گزرنے لگے۔

آصف جاتے ہوئے اپنے آفس میں اپنے باس سے واصف کے لئے بات کر گئے تھے آصف کی دس سالہ خدمات کا کچھ تو صلہ دینا تھا انہوں نے واصف نے سیر و تفریح سے واپس آنے کے بعد وہاں اپنی جاب کے لئے انٹرویو دیا اور صرف آصف کی سفارش پر ہی نہیں اپنی اہلیت کی بناء پر بھی منتخب کر لیا گیا یوں اس کی ملازمت کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

☆☆☆

اب گھر میں رعنا کی اپنی ہی رونق تھی اور جب سے امی کو کسی خوشخبری کی آہٹ محسوس ہوئی تھی ان کی خوشی قابل دید تھی، ابا جی کی برسوں کی آرزو پوری ہونے کی امید پھر کھل اٹھی تھی، انہوں نے رعنا کو مکمل آرام کا حکم دے دیا تھا اب وہ دونوں اپنی اس برسوں پرانی خواہش کی تکمیل میں کسی قسم کی رکاوٹ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

آصف اور اسماء کو امی کے خط کے ذریعے اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور اس آنے والے وجود کے لئے ڈھیروں دعائیں لکھ ڈالیں امی اور ابا جی کے نام مبارکباد دیں بھیجی تھی ابھی سے انہوں نے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد اسماء کا خط آیا کہ وہ اس گھر کی رونق اور خوشی کو دیکھنے کے لئے خود آ رہی تھیں۔

آصف کو سال سے پہلے چھٹی نہ مل سکتی تھی وہ اس خوشی سے دور نہ رہ سکتی تھیں، آصف کا دل تو بہت چاہ رہا تھا مگر کیا کرتے مجبور تھے اپنی اس مجبوری میں وہ خوشخبری کا انتظار کرنے لگے۔

اسماء ننھے مہمان کی آمد سے چند دن قبل ہی گھر پہنچی تھیں، وہ اپنے ساتھ بچے کے لئے ڈھیر سارے کھلونے کپڑے اور اس کی ضرورت کی دیگر چیزیں لے آئی تھیں۔

''ارے بھابھی ان کی کیا ضرورت تھی؟''

''تم چپ رہو یہ تائی اور بھتیجے کا معاملہ ہے۔'' وہ بہت خوش تھیں۔

پھر ان کے گھر اس خوشی نے آنکھیں کھولیں تو برسوں سے ان در و دیوار پر چھائے ہوئے تاریک سایوں میں اجالا پھوٹ پڑا، ہرے موسموں کی بھرپور ہریالی اس آنگن میں بکھر گئی سوکھی اور خزاں رسید شاخوں پر نئی کونپلوں کا لمس اتر آیا تو ہر طرف خوشبو ہی خوشبو تھی۔

دانش ان سب کی امیدوں کا مرکز تھا امی اور ابا جی اپنی اس خوشی کو سنبھال رہے تھے اور اسماء رعنا کے پاس بیٹھی اسے مبارکباد دے رہی تھیں۔

''خدا تمہاری اس خوشی کو سلامت رکھے رعنا تم نے میری بات کی لاج رکھ لی۔''

''یہ تو خدا کی مہربانی ہے بھابھی۔''

''ہاں ہم نے وہاں خانہ کعبہ میں جا کر تمہارے لئے دعا مانگی تھی۔''

''اور اپنے لئے؟''

''اپنے لئے تو ہر لمحہ مانگتی ہوں مگر شاید اسے منظور ہی نہیں۔'' انہوں نے چپکے سے اپنے آنسو صاف کر لئے۔

''بھابھی ایک بات کہوں؟'' واصف ان کے قریب آ کر بولا۔

''بولو۔''

''دانش بھی تو آپ کا ہے آپ چاہیں تو اسے اپنا بیٹا بنا کر اپنے ساتھ لے جائیں۔'' واصف نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

digest library.com

''نہیں واصف۔''

''کیوں بھابھی آپ کے پاس رہے یا ہمارے پاس ایک ہی بات ہے۔''

''مگر میں ایک ماں پر ظلم نہیں کر سکتی ماں نہیں بنی تو کیا ہوا ماں کے جذبات تو سمجھ سکتی ہوں نا۔'' ان کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی۔

''مگر ہم تو اپنی خوشی سے آپ کو دے رہے ہیں۔''

''تمہاری خوشی اور خلوص کا بہت بہت شکریہ واصف خدا دانش کو سلامت رکھے تم لوگ اس کی خوشیاں دیکھو ہم اسی میں خوش ہو لیں گے۔''

''اچھا پھر ایک بات کا وعدہ کریں۔''

''کوئی ایسی ویسی بات نہ کہنا۔'' انہوں نے پہلے ہی خبردار کیا۔

''ہمارا اگلا بچہ آپ کی امانت ہوگا ہم ابھی سے آپ کے نام کر رہے ہیں۔'' واصف نے پھر نہایت بہادری سے کہا۔

''واصف اتنی بڑی کہہ رہے ہو تم۔''

''بس آپ کو وعدہ کرنا ہوگا دانش کو آپ اس لئے نہیں لے رہیں کہ آپ پہلا بچہ لے کر ایک ماں پر ظلم کرنا نہیں چاہتیں مگر ہماری دوسری خوشی کو تو اپنی خوشی بنا سکتی ہیں نا۔'' واصف نے پھر کہا اور رعنا کی طرف دیکھا جو بستر پر لیٹی ان کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی۔

''کیوں بھئی رعنا کیا خیال ہے؟'' واصف نے اس سے پوچھا۔

''آپ دونوں جانیں۔'' رعنا نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں۔

''نہیں واصف یہ بہت زیادتی ہو گی۔'' اسماء اب بھی راضی نہ تھیں۔

''زیادتی کیوں ہو گی ہماری اپنی خوشی ہے۔''

''میں آصف سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی۔''

''ٹھیک ہے دو ماہ بعد آصف بھائی بھی آ جائیں گے پھر ہم یہ بات طے کر لیں گے آپ بھائی کے آنے پر دانش کے عقیقہ کی شاندار تقریب ہو گی۔''

''کیوں نہیں ہم خود کریں گے یہ اہتمام۔'' اسماء نے یقین دلایا۔

''اب مجھے آصف بھائی کا شدت سے انتظار ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

واصف نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی تھی مگر اسماء تمام رات اسی کے بارے میں سوچتی رہیں۔

''اگر ایسا ہو جائے تو۔'' ان کی نیت لڑکھڑانے لگی۔

''تو پھر تیری زندگی میں بھی بہار آ جائے گی اس خوشی کو مت ٹھکرانا اسماء۔'' کوئی ان کے اندر سے بولتا رہا، رعنا کے ساتھ ساتھ وہ بھی دانش کا بہت خیال رکھتی تھیں اور اسے بہت پیار کرتی تھیں، وہ دو ماہ کا ننھا سا مگر صحت مند و خوبصورت دانش بہت عزیز ہو گیا تھا کئی بار دل چاہا کہ اسے رعنا سے مانگ لیں مگر ہمت نہ ہوئی انہیں اپنی خالی گود کا خیال آتا تو لرز جاتیں۔

''مجھے کیا حق ہے ان کی گود خالی کرنے کا۔'' وہ تنہائیوں میں اپنے آنسو ہی سمیٹتی رہتیں۔

پھر دو ماہ بعد آصف بھی آ گئے، ابان کے گھر میں مکمل طور پر بہار آ گئی تھی مبارکباد دینے والوں کا ابھی تک تانتا بندھا ہوا تھا، خدا نے اتنے عرصہ بعد ان کی سنی تھی تو اس خوشی پر سب ہی کو بہت خوشی ہوئی تھی سب ان کی خوشی میں شریک تھے۔

آصف صرف ایک ماہ کے لئے آئے تھے اس لئے جلدی دانش کے عقیقے کا اہتمام کیا گ

Digest Novels Lovers

آصف نے اس خوشی میں بھرپور ساتھ دیا تھا اور اس تقریب کا خود اہتمام کیا تھا، سب ہی رشتہ دار اور احباب اس شاندار تقریب میں شریک تھے اور سب کے لبوں پر مبارکبادیں اور دانش کے لئے دعائیں تھیں، دانش اسماء اور آصف کے پاس ہی تھا یوں لگ رہا تھا کہ وہی اس کے ماں باپ ہیں آصف تو ایک لمحے کے لئے اسے اپنے آپ سے جدا نہ کرتے تھے ان کی دانش کے ساتھ اتنی محبت دیکھ کر لوگ رشک سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''کتنا پیار کر رہا ہے اس بچے کو یوں جیسے اسی کا بچہ ہو۔''

''خدا اپنا ہی بچہ دے دیتا۔''

''بیوی سے بھی اتنی محبت ہے کہ اولاد کے لئے بھی دوسری شادی نہ کی کہتا ہے بچہ ہوگا تو اسماء سے ہی۔''

''خدا اسماء کا نصیب سنوار دے، ایک بیٹی ہی دے دے۔''

اسماء بار بار مہمانوں کے درمیان میں سے گزر کر دانش کو اندر اور باہر لے جا رہی تھیں، آتے جاتے کوئی نہ کوئی بات ساعتوں کا زخم بن ہی جاتی اور آنکھوں میں آنسو پرو جاتی تھی جسے وہ کمال ضبط سے اپنے اندر ہی اتار رہی تھی لوگوں کے پاس سوائے اس بات کے اور کوئی بات ہی نہ تھی۔

آصف کے دن رات تو دانش میں ہی بسر ہونے لگے تھے، وہ تو دودھ بھی اسے اپنے ہاتھ سے پلاتے تھے جس پر رعنا مذاق سے ان سے کہتی تھی۔

''بھائی جان آپ تو ابھی سے اس کی عادت بگاڑ رہے ہیں۔''

''ارے پندرہ دن میں اس کی کیا عادتیں بگڑ جائیں گی ابھی اسے کیا خبر ہاں اگلے سال جب ہم آئیں گے نا تو پھر اس کی عادتیں بگڑیں گی اب تو ہمارے جانے کے دن قریب آگئے ہیں۔'' وہ اداسی کے ساتھ بولے تو رعنا بھی خاموش ہو گئی۔

پھر ان کے جانے کے دن بھی قریب آ گئے، دانش سے اتنا پیار ہو گیا تھا کہ اس سے دور رہنے کو جی نہ چاہ رہا تھا اسے ساتھ بھی نہ لے جا سکتے تھے، حالانکہ واصف کو نہایت خلوص سے کہہ رہا تھا کہ اسے ساتھ لے جائیں مگر وہ یہ ظلم کرنے کو تیار نہ تھے۔

اسماء اس رات اپنی اور آصف کے سامان کی پیکنگ کر رہی تھیں اور روتی جا رہی تھیں۔

آصف بھی نہایت خاموش اور اداس تھے، ان کی تنہائی اور اس زندگی کو ایک بچے کی شدید تمنا ہو گئی تھی جب تک گھر میں بچہ نہ تھا ایسا کرب محسوس نہ کیا تھا اب دانش سے جبھی محبت ہو گئی تھی تو پتا چلا تھا کہ بچے کی محبت اور کشش کیا چیز ہوتی ہے۔

وہ دونوں دانش کی ہی باتیں کر رہے تھے اسی دوران اسماء نے آصف کو بتا دیا کہ واصف اپنی کس خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔

''واصف نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ ہم دانش کو لے جائیں۔''

''مگر اس کے لئے تو ہم منع کر چکے ہیں یہ بہت ظلم ہوگا۔''

''میں نے بھی اس سے یہی بات کہی تھی تو اس نے ایک اور پیشکش کی ہمیں۔''

''کیا......؟''

''اس کا خیال ہے کہ ہم ان کے دوسرے بچے کو لے لیں۔'' اسماء نے آہستگی سے کہا۔

''کیا؟'' آصف چونک گئے۔

''ہاں اس نے بڑی فراخدلی اور خلوص سے

digest library.com

یہ بات کہی ہے۔"

"اس کا خلوص اپنی جگہ پر مگر ہم ان کی خوشی کس طرح چھین سکتے ہیں۔"

"مگر وہ تو اس میں خوش ہے، اس نے مجھ سے وعدہ لینا چاہا تھا مگر میں نے فی الحال انکار کر دیا تھا کہ آپ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"یہ ظلم نہیں ہوگا کیا؟"

"خدا نے انہیں اپنی اولاد سے نوازا ہے اگر ہمارے نصیب کا بچہ انہیں دے دے تو ہم اسے گود لے لیتے ہیں اس میں برائی کیا ہے اور آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ اپنے خون کی بات ہی اور ہوتی ہے وہ بھی تو ہمارا اپنا خون ہوگا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر۔"

"اب اگر مگر نہ کریں آصف جب تک بچے کا پیار نہیں دیکھا تھا اس کے بغیر رہ لیا تھا مگر اب نہیں رہا جا سکے گا آپ اس بچے کو گود لینے کا وعدہ کر لیں تو وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔"

"رعنا راضی ہو جائے گی کیا؟"

"واصف اسے راضی کرے گا یہ واصف کی خوشی ہے۔"

"اگر امی ابو نے اعتراض کیا تو؟"

"وہ کیوں اعتراض کریں گے واصف سے لے رہے ہیں اور پھر وہ کوئی غیر تو نہیں ہمارا اپنا خون ہوگا، ہم اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھیں گے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے وہ ہوگا تو ہمارا اپنا ہی خون۔"

"یہاں تو پھر بھی سب لوگ ہوتے ہیں دل لگ جاتا ہے مگر وہاں جا کر تنہائیوں اور اداسیوں میں اب نہ جی سکوں گی میں۔" وہ رو دینے کو تھیں۔

"اچھا۔" آصف نے اک گہرا سانس لیا۔

"میں صبح واصف سے بات کروں گا ہاں واقعی اب وہاں کی تنہائیوں میں تو دل نہ لگ سکے گا بچے کی کمی اب شدت سے محسوس ہوگی۔"

"اب اس کی کمی کا علاج کر کے ہی جائیں تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے جو ہمارا نصیب۔" آصف نے رضامندی ظاہر کی۔

صبح ناشتے کے بعد انہوں نے واصف سے بات کر ہی لی۔

"واصف تمہارے خلوص کی ہم بہت قدر کرتے ہیں تم ہمارے لئے بہت بڑی قربانی دو گے۔"

"قربانی کی کیا بات کرتے ہیں بھائی جان اگر آپ جان بھی مانگیں تو۔"

"اولاد تو جان سے بھی پیاری ہوتی ہے واصف۔" آصف بولے۔

"مگر وہ ہماری اولاد کب ہوگی وہ تو آپ کی ہوگی بیٹی ہو یا بیٹا آپ کا نصیب ہم نے تو اسے آپ کے نام ہی کر دیا ہے۔" واصف نے رعنا کی طرف دیکھ کر کہا تو رعنا شرمیلی مسکراہٹیں لبوں پر لئے باہر نکل گئیں۔

"تم نے رعنا سے پوچھ لیا ہے۔" اس کے باہر جانے کے بعد آصف نے پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے اس بات کے لئے پہلے ہی راضی کر لیا ہے۔"

"وہ خوش تو ہے نا۔"

"اس میں ناخوش ہونے کی کیا بات ہے بھیا۔"

"یہ بات بہت سوچ سمجھ کر طے کرنی ہوگی واصف یہ بہت نازک معاملہ ہے ایک بار پھر غور کر لو۔"

"غور کر لیا اچھی طرح سے اور سوچ تو بہت

Digest Novels Lovers

پہلے ہی لیا تھا جب دانش ہوا تھا اسی وقت سے میں نے یہ بات سوچ رکھی تھی۔"

"خدا تمہیں اس کا اجر دے گا واصف تم ہمارے لئے اپنی جان دے رہے ہو ہمیں۔"

"بھیا آپ کی خوشی کے لئے میں سب کچھ کرسکتا ہوں۔" اس نے بھائی کو ہر طرح کا مکمل یقین دلایا تو آصف راضی ہو گئے اور اسماء ابھی سے آنے والے دنوں کے سہانے سپنوں کی بانہوں میں کھونے لگیں، یہاں سے جاتے ہوئے دانش کے بغیر وہ اداس تو بہت تھے مگر پھر آنے والی خوشی کے انتظار کی لذت بھی ان کے ساتھ تھی۔

ابا جی نے جاتے ہوئے پھر بے شمار دعائیں دی تھیں انہیں اس مرتبہ ان کی طبیعت زیادہ اچھی نہ تھی یوں لگتا تھا کہ اب بیٹے کا چہرہ نہ دیکھ لیں گے شاید، ابا جی کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ آصف کی خوشی ان کے نصیب میں نہیں اس لئے اب اندر ہی اندر گھٹ گھٹ زخم ہو رہے تھے، ان کی طبیعت مزید بگڑتی جا رہی تھی بیٹے کے غم نے انہیں بالکل ہی تباہ کرڈالا تھا۔

پھر ایک شام ان کے اندر کی تباہی نے گھر کے اندر بھی اک قیامت مچا دی تھی وہ تو اس خوشی کی خبر بھی نہ سن سکے جسے آصف نے اپنانا تھا ان کی کتنی بڑی بدنصیبی تھی کہ وہ اس خوشی کا سایہ بھی نہ دیکھ سکے جس خوشی کی آرزو انہیں مدتوں سے رہی اب اس خوشی کو آصف اپنے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے تو ابا جی ہی اس خوشی سے منہ موڑ کر چل دیئے آصف اور اسماء صرف دو دن کے لئے آتے تھے بہت مشکل سے صرف دو دن کی چھٹی مل سکی تھی۔

"شاید میری مستعار لی ہوئی خوشی بھی آپ کے نصیب میں نہ تھی ابا جی۔" اس رات آصف تمام وقت روتے ہی رہے تھے۔

اسماء رعنا کے گلے مل کر رو رہی تھیں۔

"بھابھی ابا جی کو تو آپ لوگوں کی خوشی کا علم بھی نہ ہو سکا اور وہ چل بسے۔"

"یہ بھی تقدیر کا اک ستم ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"خدا کو یہی منظور تھا۔"

"تم اپنی حفاظت کرنا رعنا ہماری خوشی تمہارے پاس امانت ہے اس امانت میں خیانت نہ ہونے دینا۔" اسماء اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اس بات کی آپ فکر نہ کریں بھابھی میں نے تو روز اول سے بھی اسے آپ کا بچہ سمجھا ہے وہ آپ ہی کی امانت ہے۔" اپنی ماں تا کو مار کر رعنا نے ان کی خوشی کے لئے پورا یقین دلایا انہیں۔

اور اسی یقین کو ساتھ لے کر وہ لوگ کر رخصت ہو گئے، اس خوشی کا انتظار ان سے ہو ہی نہ رہا تھا لگتا تھا یہ چند ماہ چند صدیاں بن جائیں گی، ایک ایک لمحہ بھاری تھا ہر پل میں اک قیامت تھی، زندگی تو بسر ہونا ہی بھول گئی تھی، مگر پھر جب اس خوشی کے ہونے کا یقین ان کے دل میں اترا تو اس انتظار کو اک قرار آ گیا، اب وہ دونوں تنہا نہیں تھے اس بچے کا تصور ان کے ساتھ تھا ان کی اداسیوں کو بھی مسکرانے کا بہانہ مل گیا تھا اسماء نے اپنے کمرے میں خوبصورت بچوں کی تصویریں لگا لی تھیں۔

"وہ بچہ بھی ایسا ہی خوبصورت ہو گا آصف" اسماء گھنٹوں ان تصویروں کو دیکھتی رہتی تھیں اب تو اپنی تنہائیوں سے بھی پیار ہو گیا تھا کہ ہر لمحہ اس بچے کا تصور ساتھ ساتھ رہتا تھا۔"

"تم تو بہت شدت سے انتظار کر رہی ہو۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کو کیا معلوم اس خبر نے مجھے کیسی زندگی عطا کر دی۔"

"خدایا اس کی زندگی کی بھی حفاظت کرنا۔" آصف کے دل سے دعا نکلی۔

آصف شام کو آفس سے واپس آئے، اب تو وہ اپنی شاپنگ بھول ہی گئی تھیں، صرف وہ بچہ یاد رہ گیا تھا اب اسی کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف تھیں اسی شام وہ بہت خوبصورت کپڑے خرید کر لائی تھیں اس کے لئے اور خود ہی انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"تم یہاں اکیلی ہی خوش ہو رہی ہو، ایسا کرو جو بھی شاپنگ کرو رعنا کو خط لکھ کر اطلاع دے دو کہ تم کیا کیا تیاریاں کر رہی ہو، اس طرح تمہارا وقت بھی کٹ جایا کرے گا اور رعنا بھی خوش ہو جائے گی۔" آصف نے مشورہ دیا وہ فوراً خط لکھنے بیٹھ گئیں، خط میں انہوں نے ایک ایک بات تفصیل سے لکھ دی تھی کہ وہ کس طرح اس بچے کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھیں اپنے کمرے کو انہوں نے ابھی سے خوبصورتی سے ترتیب دینا شروع کر دیا تھا، اس کے لئے خریداری کر رہی تھیں، خوبصورت قیمتی کپڑے خرید کر رہی تھیں کھلونوں کو دیکھ دیکھ کر خود ہی خوش ہو رہی تھیں یہ ساری باتیں انہوں نے نہایت محبت کے ساتھ لکھی تھیں۔

رعنا اور واصف اس خط کو پڑھ کر بہت خوش تھے۔

"دیکھو بھابھی کو نئی زندگی مل گئی ہے میں نے کبھی زندگی میں اتنا خوش نہیں دیکھا ہوگا اس خط میں میں ان کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، ان کے جذبات مجھے اپنے اندر اترتے محسوس ہو رہے تھے۔"

"میرا خیال ہے ان کا تو بس نہ چلتا ہوگا کہ ابھی یہاں پہنچ جائیں۔"

"یہاں خطوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت بے صبری سے انتظار کر رہی ہیں تم ان کے انتظار کو زندگی دو گی نا۔"

"یہ اب پوچھ رہے ہو تم واصف میں وعدہ کر چکی ہوں کہ تم سے بھائی جان اور بھابھی سے۔"

"کبھی کبھی سوچتا ہوں تم ہمت نہ ہار جانا۔"

"اب تم یہ کہہ کر میرے حوصلے پست نہ کرو میں آگے بڑھ آئی ہوں تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔"

"پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی نہیں پتھر کی ہو جاؤ گی۔" واصف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب اس بارے میں کوئی سوال نہ کرنا مجھ سے، میں صرف ایک ہی جواب دوں گی۔"

"یہی کہ یہ بچہ میرا نہیں بھابھی کا ہے۔"

"آفرین ہے تم پر رعنا اتنی بڑی قربانی دے رہی ہو ہنستے ہوئے کون اپنے دل کا ٹکڑا کسی دوسرے کے دامن میں ڈالتا ہے۔ بہت بہادر ہو۔" سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتا وہ سوچتا رہ گیا۔

چند دن بعد جدہ سے آصف بھیا کے ایک دوست ان کی بھیجی ہوئی چیزیں اور ان کے خط لے کر آئے تھے، انہوں نے دانش کے لئے کھلونے اور کپڑے کے ساتھ ان کے لئے بھی چیزیں بھیجی تھیں اور آنے والے مہمان کے لئے تو بہت پیارے پیارے کپڑے تھے۔

"اللہ بھائی نے تو ابھی سے اتنا اہتمام کر لیا ہے۔" رعنا وہ سب چیزیں دیکھ کر بولی۔

خط میں اسماء نے لکھا تھا کہ وہ یہ چیزیں پہلے اس لئے بھیج رہی ہیں کہ ساتھ لانے والے سامان زیادہ نہ ہو جائے اس لئے وہ آہستہ آہستہ

Digest Novels Lover

کچھ چیزیں یہاں بھیجیں گی اور کچھ اپنے پاس رکھیں گی، یہاں آکر انہوں نے دو مہینے تک قیام کرنا تھا تاکہ ٹھیک طور سے بچے کو دیکھ بھال کرنا سیکھ سکیں، آصف اکثر ان سے مذاق میں کہتے تھے کہ اپنے آپ کو تو سنبھال نہیں سکتیں بچے کو کیا سنبھالو گی، تو وہ ہنس کر کہتی تھیں۔

''بچے کو ایسا سنبھالوں گی کہ اسے گمان ہی نہ ہوگا کہ اس کی اصل ماں کون ہے۔''

''اب تو تم ہی اس کی اصل ماں ہو یہ بات بھول جانا کہ رعنا اس کی ماں ہے اور اسے کبھی اس بات کا احساس بھی نہ ہونے دینا کہ وہ کس کا بچہ ہے۔'' آصف نے سمجھایا۔

''اسے کبھی یہ احساس نہ ہوگا کہ وہ ہمارا کون ہے میں اسے اپنی جان سے لگا کر رکھوں گی۔'' اسماء نے اپنی بھرپور عقیدتوں کا اظہار کیا۔

وہ واقعی اس کے لئے جو کچھ کر رہی تھیں وہ ایک ماں کی خوشی اور ذمہ داری سے بھی بڑھ کر تھا وہ ان پر ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ وہ ان کے بچے کو کس قدر خوش رکھ سکتی ہیں، اسی بات نے تو واصف اور رعنا کو حوصلہ دیا تھا اور پھر سب سے بڑی بات اپنائیت اور اپنوں کی تھی وہ اپنا بچہ کسی غیر کو تو نہ دے رہے تھے اپنے بچے کے لئے بھائی جان کا تحفظ ان کا سائبان ان کی چھت بہت تھی۔

آصف اور رعنا ان کے خط پڑھ کر محظوظ ہوتے تھے، ہر خط میں کسی نئی چیز کا تذکرہ ہوتا تھا اب انہوں نے بچے کے لئے بے بی کوٹ بھی خریدی تھی ان کی سہیلی عالیہ امریکہ واپس چلی گئی تھیں اور اسماء نے اپنی اس خوشی کا تذکرہ عالیہ سے بھی کیا تھا۔

رعنا اور واصف ہر خط کے جواب میں انہیں بھرپور امیدوں کا سہارا دیتے۔

''بھابھی تو یوں تیاریاں کر رہی ہیں جیسے اپنی بیٹی کا جہیز تیار کر رہے ہوں۔'' واصف مسکرا کر کہتا تو رعنا بھی ہنس دیتی۔

''اگر خدا نے بیٹی ہی دی تو ان کی یہ سوچ اچھی ہے۔''

''ہاں بھئی ان کی اولاد ہے جو مرضی ہو کر کریں جس طرح چاہے اپنی خوشی پوری کریں۔''

پھر روزانہ ہی بھائی کے خط آنے لگے اور وہ جلد سے جلد کوئی خوشخبری سنانے کو کہتی تھیں، واصف ان کے جواب میں لکھتا کہ وہ اپنی اس خوشخبری کو خود یہاں آکر سنیں۔

پھر اگلا خط ان کے آنے کے بارے میں تھا وہ اس خوشی کی آمد سے چند دن قبل ہی آنا چاہتی تھیں اسی لئے آصف بھائی کو بھی تیار کر لیا تھا ان کی چھٹی چند دن بعد ملنی تھی مگر انہوں نے کوشش کر کے پہلے ہی لے لی تھی وہ بھی اہتمام کے ساتھ اس خوشی کا استقبال کرنا چاہتے تھے۔

واصف انہیں لینے ائیر پورٹ چلا گیا تھا، رعنا نہ جا سکی تھی بلکہ امی نے خود ہی نہیں بھیجا تھا وہ گھر پر امی اور رعنا کو سنبھالتے ہوئے ان کی منتظر تھیں۔

آصف بھائی اور اسماء بھابھی کے پاس اپنا تو کوئی خاص اور زیادہ سامان نہ تھا بچے کی ضروریات کی ہی ساری چیزیں تھیں۔

وہ لوگ گھر پہنچے تو رعنا اور امی نے ان کا استقبال کیا، آصف بھائی نے آتے ہی دانش کو امی کی گود سے لے لیا وہ حیران و پریشان سا ہو کر انہیں دیکھتا رہا۔

''ارے جب تم دو مہینے کے تھے نا تب میں تم سے کھیلا کرتا تھا اب تم ماشا اللہ سال کے ہو گئے ہو اب تو تمہارے پیچھے پیچھے بھاگنا پڑے گا۔'' آصف نے اسے پیار کر کے نیچے اتار دیا تو وہ لمحہ بھر میں وہاں سے بھاگ گیا، تو آصف ہنس

digestlibrary.com

دیے۔

''فکر نہ کریں آپ کا بیٹا تو اس سے بھی زیادہ شریر ہو گا۔'' واصف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسماء رعنا کے پاس چلی گئی تھیں اور ایک ایک چیز اسے دکھا رہی تھیں۔

''یہ دیکھو رعنا یہ اس کے لئے سویٹر، یہ چھوٹی چھوٹی شرٹس، سلیپنگ سوٹ۔'' انہوں نے سب کپڑے بستر پر پھیلا دیئے۔

''ارے بھابھی یہ سب یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وہ دو مہینے تک تو یہیں میرے ساتھ رہے گا نا یہ چیزیں اس کے لئے کام نہیں آئیں گی کیا، میں تو اس کے کھلونے بھی لے آئی ہوں، اس کے فیڈر نپل سب چیزیں لے آئی ہوں یہاں سے کوئی چیز لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

خوبصورت چابی والے کھلونے اِدھر سے اُدھر رینگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا ابھی کوئی خوشی یہاں اپنے قدم رکھ گئی ہے۔

رعنا ان سب چیزوں، کھلونوں اور کپڑوں کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی بھابھی نے کسی چیز میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اس کے بستر سے لے کر نپل تک باہر سے منگوائے تھے، آصف اور واصف دونوں مل کر بے بی کاٹ اندر لے کر آ گئے۔

''ارے بھابھی یہ کیا یہ بھی آپ لے آئیں۔'' رعنا نے دیکھا تو کہا۔

''وہ میرے ساتھ ہی سوئے گا اپنی کاٹ میں آرام سے سوئے گا۔''

''مگر آپ کے جانے کے بعد اس کا یہاں کیا مصرف؟''

''میں اور وہ چلے جائیں گے تم لوگ تو یہیں رہو گے نا اور پھر خدا تمہیں اور اولاد دے دے گا تو یہ اس کے کام بھی تو آئے گی، وہاں کے لئے میں سارے انتظامات کر کے آئی ہوں تم فکر نہ کرو۔''

''کتنی محنت کرنی پڑی ہے آپ کو۔'' رعنا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''اپنے ہی بچے کے لئے کر رہی ہوں نا۔'' اسماء بھابھی نے مسکرا کر کہا۔

''اب تم یہاں اپنا اور بچے کا کمرہ سیٹ کر لو ان لوگوں کو ڈسٹرب نہ کرنا۔'' آصف بھائی نے کہا

''ہاں میں آج ہی کمرہ سیٹ کر لوں گی۔''

''بیٹی آرام سے کر لینا پہلے اپنی تھکن کو اتار لو۔'' امی نے ان کی اتنی بے تابی دیکھ کر کہا۔

''امی مجھے کسی قسم کی کوئی تھکن نہیں ہے جب سے اس خوشی نے اپنے آنے کی اطلاع دی ہے میں تو اپنے آپ کو بھول چکی ہوں۔''

''مجھے تو لگتا ہے تم ہمیں بھی بھول جاؤ گی۔'' آصف نے شرارت سے ان کی طرف دیکھا۔

''تو اور کیا اولاد کی خوشی ہی ایسی ہوتی ہے عورت کی ساری توجہ بچے کی طرف ہو جاتی ہے پھر اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہتی۔'' وہ بڑے فخر سے بولیں۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد انہوں نے اپنا کمرہ سیٹ کرنا شروع کر دیا۔

''ارے بھائی اتنی رات ہو گئی ہے صبح آرام سے کر لینا۔'' آصف نے سمجھایا۔

''آپ نے سونا ہے تو سو جائیں مجھ سے انتظار نہیں ہوتا۔'' انہوں نے جواب دیا تو آصف کمبل کھینچ کر لیٹ گئے۔

ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی الماری بھی وہ

Digest Library.com

ساتھ لے کر آئی تھیں جس نے انہوں نے ترتیب کے ساتھ سارے کپڑے تہہ کر کے رکھ دیئے کھلونوں کے لئے الگ سفید رنگ کا ہی ریک تھا جس میں ہر قسم کا کھلونا، کسی کھیلنے والے کا منتظر تھا ابھی تو اسماء خود ہی انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں انہوں نے کاٹ میں ابھی سے بستر بچھا دیا تھا اس کا کمبل، تکیے نیپکن سب کچھ اس میں رکھ دیا تھا اور کاٹ کے اندر ایک خوبصورت چابی سے چلنے والا کھلونا لٹکا دیا تھا جس کی لڑیاں گھومتی تو خوبصورت میوزک بجنے لگا تھا اس میں انہوں نے کئی بار چابی سے اس کھلونے کو چلایا اور اس کی خوبصورت موسیقی سن کر خود ہی محظوظ ہوتی رہیں ان کے تصور میں کاٹ کے بستر پر ایک خوبصورت بچہ لیٹا ہوا ان کی طرف ہمک رہا تھا اور وہ اسی تصور کی کشش سے مسکرائی جا رہی تھیں۔

ایک میز پر انہوں نے اس کی ضرورت کی تمام چیزیں رکھ دی تھیں اس کے نیپل، فیڈر، گرم پانی کے لئے تھرماس وہ یوں سارے اہتمام کر رہی تھیں کہ جیسے صبح ہوتے ہی وہ بچہ اس کی کاٹ میں موجود ہوگا۔

آصف نے صبح اٹھ کر دیکھا تو کمرے کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا وہ ان کے بیڈ روم کی بجائے نوزائیدہ بچے کا بیڈ روم لگ رہا تھا آصف ان کا شوق اور بے تابی دیکھ کر مسکرا پڑے۔

''خدایا اب ہماری خوشیوں کو ماند نہ پڑنے دینا۔'' بے اختیار ان کے دل سے دعا نکل گئی۔

امی ناشتہ کا کہنے کے لئے ان کے کمرے میں آئیں تو کمرے کی ترتیب دیکھ کر حیران رہ گئیں اور پھر اسماء کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑیں۔

شام کو واصف نے بھی آ کر کمرہ دیکھا تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

''بھابھی یہ سارے کام تو آپ نے خود کر لئے مگر اس کے دوسرے کام کے لئے کوئی آیا رکھنی پڑے گی۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے آیا رکھنے کی میں اپنے بچے کا ہر کام خود کروں گی۔'' ان کی آنکھوں میں ممتا تڑپ اٹھی۔

''واصف...... واصف۔'' اسی لمحے امی پریشان سے پکارتی ہوئی اندر آگئیں۔

''کیا ہوا امی؟'' وہ اس ان کی گھبراہٹ پریشان ہوئے۔

''جلدی چلو رعنا کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔'' انہوں نے بتایا۔

''کیا؟'' اسماء بھابھی کے ہاتھ میں تھمی ہوئی ایک خوبصورت بچے کی تصویر گر پڑی۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے امی ہم ابھی ہسپتال لے چلتے ہیں۔'' آصف بھائی نے حوصلہ دیا، اسماء بھاگ کر رعنا کے پاس آگئیں۔

''رعنا...... رعنا کیا ہوگیا تمہیں؟''

رعنا تمام حوصلے چھوڑ رہی تھی، واصف جلدی سے ٹیکسی لے آیا امی نے دانش کو سنبھالا اور اسماء بھابھی اور واصف نے مل کر رعنا کو ٹیکسی میں بٹھایا۔

''حوصلہ کرو رعنا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔'' امی اور اسماء بھابھی تمام راستے انہیں سہارا دیئے رہیں ایمرجنسی وارڈ میں ان کے کیس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

وہ سب پریشان تھے وہ انہیں حوصلہ دے رہی تھیں، مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

گہری اداس شام کے سناٹوں نے روح کے اندر اترنا شروع کر دیا تو اپنا آپ اندر سے کھوکھلا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

رعنا کی طبیعت مزید بگڑنے لگی تو آپریشن کا

digest library.com

فیصلہ کیا گیا اس فیصلے پر اک کرب نے دل کی گہرائیوں میں بسیرا کر دیا۔

''آصف جانے کیا ہونے والا ہے میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' اسماء بہت پریشان تھیں۔

''اسماء تمہیں کیا ہو رہا ہے کچھ نہیں ہوتا رعنا کو کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔'' آصف نے انہیں حوصلہ دیا مگر دل کی پریشانی ایسی تھی کہ کسی حوصلے کسی سہارے کو قبول نہ کر رہی تھی۔

جب رعنا کو آپریشن کے لئے لے جایا گیا تو اسماء رو رہی تھیں۔

''دعا کرو بیٹی خدا اپنی رحمت کرے۔'' امی نے انہیں روتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

مگر خدا کی رحمت تو ان سے روٹھ کے چلی گئی وہ خوشی ان سب سے منہ موڑ کر چل دی وہ جو اس کے استقبال کے لئے اتنا اہتمام کر رہی تھیں دل کے ٹکڑوں کو تھام کر اس خبر کو سنا تو خود ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

ابھی تک ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ رہے تھے ان کی سسکیاں تھمنے کا نام نہ لے رہی تھیں۔

''اسماء۔'' آصف نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں پکارا وہ تو تلخ یادوں سے پلٹ آئے تھے مگر لگ رہا تھا کہ اسماء اب تک وہاں بھٹک رہی تھیں۔

''اسماء۔'' انہوں نے پھر پکارا تو اسماء اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' آصف بھی پریشان ہو کر اٹھ بیٹھے۔

''اپنی بدنصیبیوں کو ختم کرنے۔'' وہ اس کی چھوٹی سی سفید الماری کی طرف بڑھیں جس میں کل رات کتنی محنت کتنی محبت سے اس بچے کے کپڑے ترتیب دیے تھے انہوں نے اس الماری کے پٹ کھولے اور اس میں سے سارے کپڑے نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیئے۔

''میں انہیں آگ لگا دوں گی یہ میری خوشیوں کے قاتل ہیں۔''

''اسماء۔'' آصف لپک کر ان کے قریب آئے۔

''چھوڑ دیں مجھے۔'' اسماء نے ان سے ہاتھ چھڑا کر انہیں پیچھے دھکا دیا، پھر کھلونوں کی طرف آ گئیں ایک ایک خوبصورت کھلونا قہقہے لگانے لگا ان پر ہنسنے لگا۔

''میری خالی اور اجڑی گود کا مذاق اڑا رہے ہو، میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

انہوں نے ایک ہی جھٹکے میں وہ کھلونے گرا ڈالے، وہ بھالو، بھاگنے والا کتا، سونے جاگنے والی گڑیا، خوبصورت آنکھوں والی بلی، ڈھول بجاتے ہوئے بندر، کئی گاڑیاں، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر سب کھلونے یونہی کھیلنے والے کا انتظار لئے مرجھا گئے۔

''اسماء تم ہوش میں تو ہو۔'' آصف نے انہیں تھامنا چاہا مگر وہ قابو میں ہی کہاں آ رہی تھیں انہوں نے وہ تمام فیڈر میز پر رکھی ہوئی تمام چیزیں الٹ دیں کانچ کی چیزیں ٹوٹ کر بکھر کر ان کے پاؤں کو لہولہان کر گئیں مگر انہیں پرواہ ہی کہاں تھی۔

''اسماء۔'' ان بکھری ہوئی چیزوں کے درمیان بیٹھی ہو پاگل دیوانی اور وحشت زدہ ہوتی اسما کو انہوں نے اٹھانا چاہا۔

''یہ میرا مذاق اڑا رہی تھیں نا میں نے انہیں ختم کر ڈالا آپ۔'' وحشت زدہ آنکھوں سے انہوں نے ان ٹوٹی اور بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھا۔

صبح یہ کمرہ کتنا خوبصورت لگ رہا تھا اب

Digest Library.com

اس پر اک قیامت ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی، اک طوفان آ کر گزر گیا تھا اس قیامت وطوفان کی تباہ کاریاں کمرے میں بکھری ہوئی ان پر ہنس رہی تھیں۔

''یہ تم نے کیا کیا اسماء۔'' آصف نے اسے وہاں سے اٹھایا تو ان کی نگاہ خالی کاٹ میں بچھے خالی بستر پر پڑ گئی، وہ تیزی سے اس طرف آئیں۔

''دیکھا آپ نے میرا نصیب یہ خالی گود یہ اجڑی ہوئی گود آصف۔'' اسماء کاٹ سے لپٹ کر رو دیں آصف کو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا پھر وہ ان چیزوں کو اپنے ساتھ لپٹا لپٹا کر روتی رہیں۔

''میرے بچے میرے منے تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہو اب میں تمہیں کہاں تلاش کروں گی۔'' ان کپڑوں پر، کھلونوں پر ان چیزوں پر ان کے آنسو شدت سے برستے رہے آصف نے انہیں منع نہیں کیا جی بھر کر رو لینے دیا تا کہ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے، وہ خود اپنے آنسو چھپانے کے لئے دوسری طرف نکل گئے۔

☆☆☆

ہسپتال کی وہ صبح بہت سوگوار تھی جب رعنا کو ہوش آیا اور اس نے اسماء بھابھی کو پکارا۔

''رعنا۔'' امی اس پر جھک آئیں، رعنا نے غنودگی کے عالم میں انہیں دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں، آصف بڑی مشکل سے اسماء کو نارمل کر کے ہسپتال لائے تھے رات بھر وہ دیوانی کیفیت میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہی تھیں اب بالکل خالی ہو کر ہسپتال پہنچی تھیں۔

''امی آپ گھر چلی جائیں میں رعنا کو سنبھال لوں گی۔'' انہوں نے تھکی تھکی سی امی کی طرف دیکھ کر کہا، رات بھر نہ سونے کی وجہ سے ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہ لگ رہی تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو نا اسماء۔'' امی نے ان کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔

''میں...... میں تو ٹھیک ہوں آپ گھر جائیں۔''

دانش اپنی خالہ کے پاس تھا اس کی خالہ اپنے شوہر کے ساتھ اسے لے کر رعنا کو دیکھنے آ گئی تھیں اور اسماء سے اظہار تعزیت کر رہی تھیں

''خدا رعنا کی گود پھر بھر دے گا مگر دکھ آپ کا ہے بھابھی۔'' اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔

''اس میں کسی کا کیا دخل بس اب یہ بات طے ہو گئی کہ اولاد ہمارے نصیب میں ہی نہیں ہے۔'' آصف بھائی نے دکھ کی شدتوں سے کہا تو اسماء پھر آنسوؤں کو روکنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکنے لگیں، امی دانش کو لے کر گھر آ گئی تھیں۔

شام تک رعنا کو ہوش آ چکا تھا، اسماء اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''بھابھی آپ کا بچہ کہاں ہے؟'' رعنا نے پوچھا۔

''وہ...... وہ بے بی وارڈ میں سو رہا ہے نا۔'' انہوں نے آنسوؤں بھرے لہجے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے اسے دیکھا ہے کیسا ہے وہ؟''

''بہت پیارا ہے۔''

''میں دیکھ لوں اسے؟''

''تم ابھی کیسے دیکھو گی وہ تو بہت دور ہے۔''

''آپ سب خاموش کیوں ہیں آپ کو خوشی نہیں ہوئی مجھے لگ رہا ہے کوئی بات ضرور ہے جو آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔''

''نہیں رعنا۔'' وہ رو دینے کو تھیں۔

''تو پھر آپ لوگ خوش کیوں نہیں ہیں آپ

Novels Lovers Digest group

تھیں، انہیں مجھ سے نہ چھینیں۔'' انہوں نے وہ کپڑے سینے سے لگائے کبھی انہیں دیوانہ وار چومنے لگتیں اور کبھی رونے لگتیں۔

''بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے سب کچھ۔'' رعنا تڑپ کر بولی۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ رعنا میں اسے سنبھالتا ہوں۔'' آصف نے اسماء کو بازوؤں سے تھامتے ہوئے کہا۔

رعنا چپ چاپ امی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

''بھابھی کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی واصف۔''

''ہم تو جی ہی لیں گے رعنا یہ بچہ تو ہمارے پاس رہنا ہی نہ تھا ہم اس کی جدائی کا دکھ سہہ لیں گے مگر بھابھی کا کیا ہوگا۔'' واصف بھی پریشان تھا۔

''خدا نے اس بچے کی زندگی لینی تھی جس کے لئے انہوں نے اتنی آس اور امید لگائی تھی۔'' رعنا پھر رو پڑی۔

''اس بچے کی زندگی ہی اتنی تھی رعنا اب تم اپنے آپ کو سنبھالو دانش کا خیال رکھو اب ہر لمحے خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ اس بچے کے صدقے انہیں اپنی اولاد دے دے۔'' آصف نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔

''کتنا ارمان تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اسے بھابھی کی گود میں ڈالتی، وہ تو ان کی امانت تھا یہ کیسی خیانت ہو گئی۔''

''امانت تو خدا کی تھی رعنا اس نے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی لے لی۔''

''میں تو انہیں تسلی بھی نہیں دے سکتی واصف اب کیا کریں گے وہ۔''

''سوائے صبر کے اور کیا کر سکتی ہیں کسے گمان تھا کہ یہ سانحہ پیش آئے گا، تقدیر اتنی بے رحم ہوتی ہے یہ آج یقین آیا ہے۔''

وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں کا اظہار کر رہے تھے، اب افسوس پشیمانی کے زندگی میں اور رہ ہی کیا گیا تھا، آصف بھائی نے کسی حد تک اسماء بھابھی کو بہلا لیا تھا مگر وہ اندر ہی اندر سے گھٹ رہی تھیں۔

ایک پریشانی آصف کو یہ بھی تھی کہ جب وہ جدہ واپس جائیں گے تو وہاں کی چیزوں، اپنی خالی اور ویران گود اور تنہائیوں کو دیکھ کر اسماء پاگل نہ ہو جائیں۔

اپنے جانے سے قبل انہوں نے جدہ میں اپنے دوست کو مطلع کر دیا آصف نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ان کے گھر سے بچے سے متعلق ہر چیز ہٹا لیں۔

انہوں نے جانا تو دو ماہ بعد تھا مگر اب ایک ماہ میں ہی اپنی بدنصیبیوں سے گھبرا کر واپس جانے کا پروگرام بنا لیا۔

''بیٹی اپنا خیال رکھنا زیادہ غم نہ کرنا اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی یہ تو اچھا ہوا کہ اپنی ماں کے سامنے خدا نے اسے لے لیا، اگر تمہارے پاس جا کر اسے کچھ ہوتا تو دنیا کے طعنے تمہیں نہ جینے دیتے کہ اپنا بچہ تو ہو نہ سکا اور کسی کا بچہ لے کر بھی ختم کر ڈالا، ابھی تم دنیا والوں کو کیا جانو یہ کسی کو کسی حال میں خوش نہیں رہنے دیتی۔''

''امی میں اس بات کو کس طرح بھول جاؤں میں خالی ہاتھ کس طرح جاؤں میں اس کے استقبال کے لئے آئی تھی اب خالی گود میں اس کی موت کا دکھ اٹھا کر جاؤں۔'' وہ رو رہی تھیں ان کا ہر آنسو ان سب کے دلوں میں گر رہا تھا۔

''بیٹی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، انشاء اللہ وہ اپنا کرم کرے گا تم پر۔'' ہمیشہ کی طرح امی

Digest Novels Library

کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔

''امی اب ہمیں ایسی دعائیں نہ دیں اب ہم اولاد کی تمنا نہیں کریں گے وہ دے دے تو اس کی مہربانی نہ دے تو بھی جی لیں گے۔'' آصف نے نہایت دکھ کے ساتھ کہا۔

''اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے بیٹا صحرا میں پھول نہیں کھلتے مگر چاند تو اترتا ہے نا۔'' امی نے بھرپور تسلی دی انہیں۔

وہ زندگی بھر کی اداسیاں اور تنہائیاں اپنے خالی دامن میں لے کر رخصت ہو گئے کتنے ارمانوں اور کتنی تمنا سے یہاں آئے تھے اب محبتوں کی شکست ساتھ لے جا رہے تھے۔

☆☆☆

ان کے جانے کے بعد اس گھر کی دیواروں سے بھی اداسی لپٹ کر رہ گئی تھی امی کو ہر لمحہ اسماء کی ویران گود پریشان کرتی تھی، ان کا خیال آتا تو راتوں کو نیند حرام ہو جاتی، دن کا چین بھی کہیں کھو کر رہ گیا تھا، وہ خالی خالی گھر میں پریشان سی پھرا کرتیں تھیں حالانکہ گھر میں واصف و رعنا تھے، دانش کی شرارتوں نے ان دونوں کا غم کسی حد تک بہلا دیا تھا مگر امی کے آنگن میں تو اداسی بال کھولے رو رہی تھی پھر وہ کس طرح چین سے سو سکتی تھیں۔

سب اپنی اپنی مصروفیتوں میں گم ہو گئے تھے امی نے بھی اپنے آپ کو بہلا ہی لیا تھا کہ جینے کا کوئی تو بہانہ چاہیے تھا۔

دو سال یوں گزرے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں اس دو سال کے عرصے میں آصف اور اسماء پاکستان نہیں آئے تھے، انہیں دیکھنے کو دل بہت مچل رہا تھا۔

اس شام وہ بہت اداس تھیں، ابھی کل ہی تو رعنا اور واصف، دانش کو ساتھ لئے اس کی چھوٹی خالہ سے ملنے اسلام آباد گئے تھے ان کے جانے سے گھر میں اور بھی اداسی ہو گئی تھی وہ تنہا یادوں سے کھیل رہی تھیں ان کے ابا بھی شدت سے یاد آ رہے تھے۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر اٹھی ہی تھیں کہ دروازے کی دستک پر چونک گئیں۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے بھلا؟'' وہ دروازہ کھولنے باہر آ گئیں۔

دروازہ کھولتے ہی اک مانوس سی خوشبو نے گھر کے اندر قدم رکھا، گھر کے باہر آصف اور اسماء کھڑے مسکرا رہے تھے، اسماء کی گود میں چند دن کا ایک معصوم سا بچہ سو رہا تھا۔

''آصف...... اسماء...... یہ تم ہو؟'' حیرت اور خوشی سے امی کی زبان گنگ ہو رہی تھی۔

''ہاں امی یہ ہم ہیں اور یہ رہا آپ کا پوتا۔'' آصف نے اسماء کی گود سے اس بچے کو لے کر امی کی گود میں ڈال دیا۔

''میرا پوتا'' اس بچے کو تھامتے ہوئے خوشی سے ان کے ہاتھ لرز گئے۔

''یہ...... یہ کیسے ہو گیا یہ کوئی خواب تو نہیں۔''

''مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا تم لوگوں نے اتنی بڑی خبر ہم سے چھپائے رکھی، مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں فوراً اپنی بہو کے پاس آ جاتی کیا تم لوگوں نے اتنا بھی حق نہ سمجھا میرا۔''

''امی یہ بات نہیں تھی ہم نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو بتائیں پتا نہیں آگے قسمت میں کیا لکھا تھا پہلے ایک سانحہ برداشت کر چکے ہیں اب ہمت نہ ہوتی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا بیٹی میں کیا کروں میں کیسے اس رب کا شکر ادا کروں جس نے بارہ سال بعد تیری گود بھری ہے۔'' امی نے اسماء کی

Digital Novels World

طرف دیکھا جن کے چہرے پر سچی مامتا کا نور اتر رہا تھا۔

"امی ہم نے سوچا تھا آپ کو اچانک بتائیں گے، آپ کو بہت زیادہ خوشی ہوگی آپ نے کہا تھا نا کہ صحرا میں پھول نہیں کھلتے مگر چاند تو اترتا ہے نا اب چاند بھی اترا ہے اور پھول بھی کھلا ہے اس نے اپنی رحمتوں سے ایک نہیں دو پھول کھلائے ہیں اس صحرا میں۔" اسماء نے نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہے میرا دوسرا پھول؟" وہ بے تاب ہو گئیں۔

"ماما اب آجائیں امی نے بہت صبر کرلیا۔" آصف نے دور پیچھے کھڑی ہوئی ماما کو آواز دی وہ عورت گود میں ایک اور بچہ لئے ان کے سامنے آ گئی۔

"یہ ہے آپ کی پوتی۔" آصف نے اسے بھی ان کی طرف بڑھایا۔

"واہ میرے مولا تو نے اپنی رحمت دیر سے عطا فرمائی مگر کتنی بھرپور پوتا اور پوتی میں گناہ گار بندی تیری رحمتوں کا شکر کس طرح ادا کروں۔" امی نے اسے بھی اپنے بازو میں تھام لیا اور اندر لے آئیں، ان کے کمرے میں ابا جی کی تصویر لگی ہوئی تھی وہ ان دونوں بچوں کو ابا جی کی تصویر کے سامنے لے آئیں۔

"دیکھ رہے ہیں آپ خدا نے آپ کی آرزو کس انداز میں پوری کی ہے اس کے یہاں ضرور دیر ہے مگر اندھیر نہیں اس نے آپ کو آج ہی پوتا پوتی کا نذرانہ دیا ہے انہیں دعا دیجئے آپ انہیں نہیں دیکھ سکتے مگر یہ آپ کو دیکھیں گے اس گھر میں اپنے دلوں میں آپ دور رہیں تو کیا ہوا میں آپ کو ان کے دلوں سے دور نہ ہونے دوں گی خدایا تو نے یہ خوشی دی ہے تو کب جب اس خوشی کے دیکھنے والا ہی اس دنیا میں نہیں۔" امی کے آنسو آنکھوں سے نکل کر ان کے کمبل میں جذب ہونے لگے، آصف اور اسماء دونوں کمرے کے باہر کھڑے تھے امی کا دکھ ان کا اپنا دکھ تھا وہ دونوں اپنے آنسو صاف کر کے ان کے قریب آ گئے۔

"امی اب ہم یہیں رہیں گے آپ ان بچوں کو دیکھ کر اپنی زندگی بڑھائیں یہ بچے روزانہ دادا جی کو سلام کرنے آیا کریں گے، آپا کو اس لئے ساتھ لائے ہیں کہ اسماء دونوں بچوں کو سنبھال نہ سکیں گی۔"

"میں اپنے بچوں کو خود سنبھالوں گی۔" انہوں نے دونوں کو سینے کے ساتھ بھینچ کر شدتوں سے پیار کرنے لگیں وہ سوچ رہی تھیں اس کی رحمت صحرا میں پھول کھلا سکتی ہے چاند تو ہر روز اترتا ہے اب اس چاند کے ساتھ ان پھولوں کی مہک بھی وہاں اترنے لگی۔

ان سب کی آنکھوں سے تشکر کے کبھی نہ خشک ہونے والے آنسو نکل پڑے اور امی نے دونوں بچوں سمیت خانہ کعبہ کی بڑی سی خوبصورت رنگین تصویر جو سامنے دیوار پر لگی تھی اس کے آگے سر جھکا دیا۔

"خدایا تو رحیم ہے رحمٰن ہے تیری رحمتوں کا حساب نہیں تو آزمائش میں ڈالتا ہے تو انعام بھی دیتا ہے میں تیری رحمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں تو میرا یہ چھوٹا سا ادنیٰ سا تشکر ضرور قبول کرنا۔" امی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا اک سیلاب رواں ہوگیا، خدا کی رحمتوں کا یہ معمولی سا نذرانہ پھر ان کی آنکھوں سے بہتا ہی رہا، کبھی نہ ختم ہونے کے لئے۔

☆☆☆

Novels Lovers Digest

اوکھے پینڈے عشق دے

Digest Novels lovers group

رابعہ رانا

یار ڈاہڈی عشق آتش لائی ہے
او یار سانوں او دوست سانوں
لگ گئی بے اختیاری
سینے دے وچ نہ سمائی ہے
یار ڈاہڈی عشق آتش لائی ہے

گلوکار اپنی درد بھری آواز میں صوفیانہ کلام پیش کر رہا تھا اور مین یعنی سید ہاشم علی شاہ سر جھکائے زارو قطار آنسو بہانے میں مصروف تھا، مریدین قطار در قطار عقیدت کے مارے لب بستہ بیٹھے اپنے مرشد کو دیکھ رہے تھے انہیں کیا معلوم کہ میرا کون سا زخم لہرا گیا ہے ان کے نزدیک تو میں عشق حقیقی میں رو رہا ہوں لیکن یہ تو بس میں جانتا ہوں کہ یہ کیسے آنسو ہیں رب کائنات نے عشق بھی عجب جذبہ بنایا ہے جس تن لاگے سوتن جانے، وہ دونوں بھی تو اسی جذبے کا شکار ہو گئی تھیں اور میں کچھ بھی نہ کر سکا، بے بسی

Digest Novels lovers group

ناولٹ

سے تماشہ دیکھتا رہا۔

☆☆☆

"دیکھئے سید ہاشم علی شاہ آپ کو کل ہماری گدی سنبھالنی ہے بس مناسب سی تعلیم آپ کے لئے کافی ہے یہ سائنس میڈیکل کی تعلیم آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" بڑے شاہ صاحب ڈیرے پر بیٹھے بیٹے کو سمجھانے میں مصروف تھے لیکن بیٹے کے سرخ وسفید چہرے پر نہ ماننا رقم تھا گو زبان خاموش تھی لیکن انداز بتاتے تھے کہ وہ اپنی بات پر قائم رہیں گے۔

"آپ نے جواب نہیں دیا جان پدر۔"

"شاہ بابا ہم میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" سید ہاشم علی شاہ جھکے سر کے ساتھ گویا ہوئے تھے، بڑے شاہ صاحب نے اپنے اس پندرہ سولہ سالہ بیٹے کو دیکھا تھا جو قد میں ان سے بھی اونچا ہو گیا تھا، پھر سیاہ لہرے دار گھنے بال سیاہ غلافی آنکھیں تیکھی ناک چوڑی پیشانی پہ

سب مل کر اسے بہت وجیہہ بنائے تھے اور سچ تو یہ تھا کہ بڑے شاہ کے گھرانے میں حسن کی دولت اللہ نے بہت فراخی سے عنایت کی تھی لیکن اس بڑے بیٹے کے وجیہہ وشکیل چہرے پر ایک خاص تابندگی تھی جس کی وجہ سے بڑے شاہ صاحب اسے خود بھی نگاہ بھر کر دیکھنے سے احتراز کیا کرتے تھے مبادا ان کی اپنی نظر نہ لگ جائے اسے انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بڑے سے مونجھ کے پیڑھے سے اٹھ کھڑے ہوئے پاس آ کر بیٹے کے شانے پر تھپکی دی اور بولے۔

''ٹھیک ہے۔''

''شاہ بابا! اگر آپ دل سے راضی نہیں ہیں تو ہم نہیں پڑھتے۔'' سید ہاشم شاہ باپ کا ہاتھ تھام کر بولے تھے اور بڑے شاہ صاحب محبت سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔

''نہیں اب جو آپ کی مرضی ہے شاہ وہی آپ کے بابا کی بھی مرضی ہے۔'' انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

''تھینک یو سو مچ شاہ بابا!'' اور بڑے شاہ صاحب رک کر مسکرائے اور ڈیرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

سید ہاشم علی شاہ نے گھر آ کر اپنی تیاری مکمل کی اور کچھ دن بعد وہ ایک کالج میں پری میڈیکل کی تعلیم لے رہے تھے۔

پہلے دن تعارف کا مرحلہ طے ہونا تھا، پروفیسر جعفر بخاری سب کو باری باری اپنا تعارف کروانے کے لئے کہہ رہے تھے اور سب لڑکے باری باری اپنا نام اور زندگی کا مقصد بتا کر بیٹھتے جا رہے تھے۔

''میرا نام کامران علی ہے، میرے فادر ڈاکٹر بننا چاہتے تھے لیکن بن نہ سکے ان کے خیال میں مجھے بننا چاہیے لیکن میں نہیں بننا چاہتا آپ لوگ دعا کیجئے گا کہ میں ایف ایس سی میں ناکام ہو کر اپنی مرضی کی فیلڈ جوائن کروں۔'' سب لوگوں کے منہ کھلے کھلے رہ گئے تھے انہوں نے دریدہ نگاہوں سے اپنے استاد کی طرف دیکھا لیکن وہ تو جیسے متوجہ ہی نہیں تھے۔

''میرا نام شہروز بھٹی ہے، میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔'' سانولے رنگ اور لمبے قد کا لڑکا مائیک تھامے ہاشم علی شاہ کے دائیں ہاتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا، پھر ہاشم علی شاہ نے مائیک تھاما اور اپنی نشست پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرا نام سید ہاشم علی ہے، میں ڈاکٹر بن کر اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔'' ٹھہرا ہوا دھیما میٹھا لہجہ گمبھیر گہری آواز سب لوگ متوجہ ہو چکے اسی لمحے کامران فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ اس ہینڈسم لڑکے سے ضرور دوستی کرے گا اس کے بعد فنکشن کے دوران کامران خود ہاشم کے پاس آیا تھا۔

''ہیلو میرا نام کامران ہے اور میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' اور سید ہاشم علی شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، اسے بھی یہ دبلا پتلا گندم گوں رنگت والا چلبلا لڑکا اچھا لگا تھا۔

''یار تم تو مسکراہٹ سے ہی لوٹ لیتے ہو بندے کو وہ تو شکر ہے میں لڑکی نہیں ہوں ورنہ میں تو گیا تھا کام سے۔'' اور سید ہاشم علی شاہ نے پھر دھیمی مسکراہٹ پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''اصل میں میرے سارے دوست میٹرک میں فیل ہو گئے ہیں ناں ناں اس میں، میرا کوئی قصور نہیں ہے؟ ان کے اپنے اعمال ان کے راستے میں آئے ہیں، اس لئے مجھ دوستوں کی بڑی ضرورت ہے یہاں اس ماحول میں کیوں نہ اس خیر سگالی سے شہروز کو بھی فیض یاب کیا جائے۔''

Digest Library.com

"ہاں ٹھیک ہے۔" اور یوں کامران، شہروز اور سید ہاشم علی شاہ ایف ایس سی پری میڈیکل کی ایک ایسی تکون تھی جو یک جان و سہ قالب کے نام سے جانے لگے کے لئے بہت مشہور تھی، بلک جھپکتے شوخیاں شرارتیں کرتے دو برس بیت گئے تھے اور رزلٹ آنے پر پتہ چلا تھا کہ کامران اور ہاشم علی میڈیکل کا میرٹ حاصل نہیں کر پائے کامران بہت خوش کہ وہ اب کامرس کی تعلیم حاصل کر کے اپنا بزنس کرے گا۔

"تم کیا کروں گے شاہ جی!"

"یار میرا تو پہلے بھی پودوں کی ریسرچ میں زیادہ دل لگتا ہے میں آگے بوٹنی لوں گا۔"

"تو پھر یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں؟"

"ہاں ظاہری بات ہے میں تعلیم تو جاری رکھوں گا۔" سید ہاشم علی نے جواب دیا تھا۔

"شہروز یار! تو ہم سے بچھڑ جائے گا میڈیکل کالج کی رنگینوں میں جا کر۔" کامران شہروز کو زچ کر رہا تھا۔

"نہیں جناب بلکہ آپ یونیورسٹی کی رنگین فضاؤں میں جا کر مجھے یاد نہیں کریں گے۔" وہ بھی مقابلے کے تیار ہو کر میدان اترا تھا۔

دونوں لڑ رہے تھے۔

"میرے لئے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ میری محبوبہ تو میرے ساتھ ہے یار ہاشم کیا تھا اگر تو لڑکی ہوتا سچ میں تو پٹ سے تیرے پر عاشق ہو جاتا۔"

"اور جھٹ سے کوئی اور خوبصورت دیکھ کر اس کے پیچھے جوتے کھانے چل پڑتا۔" شہروز نے جل کر نقل اتاری تھی۔

"جی نہیں امپاسبل اس سے حسین لڑکی کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔"

"یعنی ہونے کی صورت میں تمہاری طرف سے کوئی گارنٹی نہیں ہے۔"

"اس معاملے میں کیا کہا سکتا ہوں۔" اور

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلئے .... ☆
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
- خط انشا جی کے .... ☆
- بستی کے اک کوچے میں .... ☆
- چاند نگر .... ☆
- دل وحشی .... ☆
- آپ سے کیا پردہ .... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

- قواعد اردو .... ☆
- انتخاب کلام میر .... ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ

- طیف نثر .... ☆
- طیف غزل .... ☆
- طیف اقبال .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

Digest Novels Lovers

لب قہقہہ بے ساختہ تھا، یہ بات ہاشم بھی جانتے
تھے کہ کامران صرف نٹ کھٹ طبیعت رکھتا ہے
ورنہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کالج میں جبکہ وہ
دونوں یونیورسٹی میں چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"یار ہاشم! میں سوچ رہا ہوں کہ تیرے ڈیپارٹمنٹ میں آ جاؤں۔" وہ دونوں فری پیریڈ میں کیفے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کامران نے لڑکیوں کے ایک غول کو اندر آتے دیکھ کر کہا تھا۔

"کیوں کیا کامرس سے جی بھر گیا کیا؟"

"نہیں کامرس سے تو جی نہیں بھرا لیکن یار اس شدید گرمی میں مجھے تیرے ساتھ رہنا چاہیے۔"

"میرے ساتھ وہ کیوں؟" ہاشم شاہ نے سینڈوچ کا پیس اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"یار! ہر حسین لڑکی بلکہ ہر فی میل تجھے دیکھ ٹھنڈی آہیں بھر کر ماحول کو قطب شمالی جتنا ٹھنڈا بنا دیتی ہے تو پھر میرا بھی فائدہ ہے اس میں۔"

"فضول باتیں نہیں کروں۔" ہاشم شاہ مسکرا رہا تھا۔

"یار! میں سوچتا ہوں بلکہ گاتا ہوں۔"

تجھ کو دی صورت پری سی
دل نہیں تجھ کو دیا
پوچھتا میں خدا سے
یہ ظلم تو نے کیوں کیا
یہ ظلم تو نے کیوں کیا؟

"فضول باتیں، نمبر ون تمہیں ایسی کافرانہ باتیں نہیں کرنی چاہیں اور نمبر ٹو میں پری نہیں ہوں مائنڈ اٹ اور نمبر تھری اگر کسی لڑکی نے یہ اپنے پر فٹ کر لیا ناں تو میری نیک نامی کے بھی پرخچے اڑ جائیں گے۔" ہاشم علی شاہ اسے راہ راست پر لانے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے جو بظاہر ناکام ہوتی نظر آ رہی تھی، لیکن اس نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"یار! جس حساب سے تیری طرف لڑکیاں دیکھتی ہیں ناں اگر میں ہوتا تیری جگہ تو چار شادیاں بیک وقت کر لیتا آخر شرع نے اجازت دی ہے۔" کامران حسب عادت اپنی پٹری پر رواں دواں تھا۔

"جی نہیں شرع نے اس لوفرانہ کام کے لئے نہیں کہا ہے اور تم جیسوں کو شرع صرف اپنے فائدے کے لئے ہی یاد آتی ہے کیا۔" وہ دونوں سینڈوچ اور کوک ختم کر چکے تھے، اس لئے اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دیے، یہ بات سید ہاشم علی شاہ بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ صنف نازک ان سے بہت جلد متاثر ہوئی ہے وہ بی ایس سی فائنل ائیر میں تھے لیکن قد کاٹھ غضب کا تھا اس پر ان کی بے نیازی، یہ نہیں تھا کہ انہوں نے آئیڈیل بنایا ہوا تھا بلکہ وہ اپنے خاندانی وقار کے منافی سمجھتے تھے یہ سب چیزیں اس لئے ان کی آنکھیں ایسے موقعوں پر زمین کی طرف ہی دیکھ رہی ہوتی تھیں لیکن ان کی بے نیازی صنف مخالف کے دل پر آرے چلا جاتی تھی بہت سی لڑکیاں ان کی طرف بڑھیں لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے ان سے شائستہ طریقے پر ایک فاصلہ رکھنے میں کامیاب رہے تھے۔

"یار شاہ میں سوچ رہا ہوں کہ فارغ ٹائم میں پوسٹر سائز تصاویر کا کاروبار شروع کر لوں۔" وہ آج پنجاب یونیورسٹی سے پیدل مینار پاکستان کی طرف جا رہے تھے کہ فٹ پاتھ پر مختلف اداکاراؤں اور کھلاڑیوں کی تصاویر کے پوسٹر دیوار پر لگے دیکھ کر کامران بولا تھا۔

"یقیناً کسی اداکارہ پر دل آیا ہو گا ورنہ مقدس مقامات کے پوسٹر تو تم نہیں لے کر بیٹھو گے۔" ہاشم شاہ نے اندازہ لگایا تھا۔

"بالکل غلط اندازہ ہے تمہارا؟"

''پھر کسی کھلاڑی کی تصاویر۔''

''اونہوں بس تم گیس کروں میں یہ سٹال گرلز کی کینٹین کے سامنے لگاؤں گا۔'' ہاشم شاہ نے اندازہ لگایا۔

''نہیں شاہ جی آپ کے پوسٹر کیونکہ آپ کے میدان میں آنے کے بعد یہاں کی لڑکیاں آپ کے لئے زیادہ آہیں بھرتی ہیں۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' سید ہاشم شاہ زچ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

جون کی آخری تاریخیں تھیں لاہور شہر گرمی کی وجہ سے بھٹی کی مانند تپ رہا تھا سڑکوں پر تپش کی وجہ سے سیاہ تارکول پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔ لو اتنی شدید تھی کہ ذرا سا گاڑی کا شیشہ کھولنے پر یوں لگتا تھا جیسے آگ برس رہی ہو۔ سید ہاشم علی شاہ کے فائنل سمیسٹر سے پہلے چھٹیاں تھیں انہوں نے اماں جان اور چھوٹی لاڈلی بہن کے شاپنگ کرنا تھی وہ لبرٹی سے خوب ساری شاپنگ کر کے لوٹے تو فضاء گرد آلود ہو گئی تیز جھکڑ چلے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا دن دو بجے سیاہ رات لگنے لگی تھی، ان کے گاڑی میں بیٹھتے ہی موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں بجلی چمک رہی تھی، وہ تیزی سے ونڈ اسکرین پر وائپر کی مدد سے صاف ہوئی سکرین سے باہر کا منظر دیکھتے گاڑی احتیاط سے بھگائے لے جا رہے تھے ایک موڑ مڑتے ہوئے انہیں کسی راہ گیر کے سڑک کے نیچے درخت کے کنارے کھڑے ہونے کا شائبہ سا ہوا جہاں ان کا دل اس بارش سے خوش ہو رہا تھا وہیں اس طوفانی بارش میں کسی نسوانی وجود کا یوں سڑک کے کنارے کھڑا ہونا پریشان کر گیا تھا، انہوں نے گاڑی بیک کی وہ واقعی ہی لڑکی ہی تھی، انہوں نے اس کے پاس گاڑی روکی اور شیشہ نیچے کر کے بولے۔

''بارش بہت تیز ہے آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔'' لڑکی بالکل قریب گاڑی کھڑی ہوئی دیکھ کر اپنی جگہ سے اچھلی تھی لیکن شائستہ آواز و انداز دیکھ کر اسے حوصلہ سا ہوا پر بولی۔

''نو تھینکس میں رکشہ کر لوں گی۔''

''دیکھئے محترمہ! اس طوفان میں رکشہ ٹیکسی ملنا مشکل ہے آ جائیں ورنہ سڑکوں پر پانی بھر جانے سے ڈرائیونگ مشکل ہو جائے گی۔'' لڑکی شاید ہچکچا رہی تھی۔

''آپ کی بہتری کے لئے ہی کہہ رہا ہوں آگے آپ کی مرضی۔'' ہاشم علی شاہ گاڑی آگے بڑھانے لگے تھے، کہ لڑکی نے پچھلی سمت جا کر پچھلا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گئی، ہاشم شاہ نے پچھلا دروازہ کھول کہ دوبارہ بند کیا اس دوران ان کی نظر لڑکی کے انتہائی گورے اور پرکشش ہاتھوں پر پڑی نیل پالش سے بے نیاز انتہائی گلابی ناخن اور گورے ہاتھ بارش میں دھل کر چمپا کی کلیوں کی مانند ہو گئے تھے، انہوں نے نگاہ اس پر ڈالی، انتہائی متناسب تراشیدہ بدن تھا کیونکہ لباس بھیگ کر ستر پوشی کرنے کی بجائے بدن کی راز عیاں کرنے کے درپے تھا، لڑکی نے جھرجھری سی لی اور وہ سیدھے ہو کر ڈرائیونگ کرنے لگے، وہ نظر باز نہیں تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کے علاقے کا منتخب حسن ان کے ایک اشارہ کرنے پر ان کے قدموں میں ہوتا کیونکہ دوسرے گدی نشین اور سجادہ نشین زبردستی یہ کام کر لیا کرتے تھے پھر ہاشم شاہ کی تو شخصیت بھی بہت پرکشش تھی، مگر وہ ان چیزوں سے بے نیاز تھے یہ کہتے ہیں ناں کی بعض لمحے قاتل ہوئے ہیں ان کا فسوں انسان کو اس کی سدھ بدھ بھلا دینا ہے ہاشم شاہ جو کسی حسینہ کے ہاتھ نہیں آئے تھے ان قاتل لمحوں کے پھیلائے جال میں پھنس چکے تھے

انہوں نے بیک ویو مرر اس لڑکی کے چہرے پر سیٹ کر لیا تھا اور ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بس اس کا چہرہ دیکھتے جائیں، لڑکی کا چہرہ انتہائی سفید تھا سفیدی میں خفیف سا گلابی پن جھلکتا تھا ستواں ناک شربتی آنکھیں چھوٹا دہانہ بھرے بھرے گلابی ہونٹ چاند چہرے کے گرد ہالہ کئے ہو سیاہ بال جنہیں وہ جھٹک جھٹک کر سکھا رہی تھی، صراحی دار گردن اور تو بہ شکن تناسب لئے ہوئے بدن، اگرچہ وہ اپنے لباس کو چٹکیوں میں لے لے کر سکھانے کی کوشش میں تھی پر نہیں جانتی تھی کہ اس طرح وہ اپنے بدن کے راز عیاں کر رہی ہے اور کوئی اس پر دل و جان ہارتا جا رہا ہے اس نے اپنا جانا پہچانا علاقہ آنے پر مین روڈ پر ہی اترنا چاہا تھا، بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

''بس ہمیں اتار دیں آپ کا بہت شکریہ ورنہ مجھے بہت مشکل ہو جاتی۔'' فضاء میں جیسے ان گنت جلترنگ سے بجے تھے۔

''آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔'' سید ہاشم شاہ ٹرانس کسی سی کیفیت میں بولے تھے۔

''تمنا!''

''کس کی؟'' بے ساختہ ان کے لبوں سے پھسلا تھا وہ اپنے بھرے بھرے ہونٹوں سے مسکرائی تھی اور ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتی تیزی سے روڈ کراس کر گئی تھی، ہاشم شاہ کچھ دیر تک تو کھوئے کھوئے سے بیٹھے رہے پھر گاڑی ڈرائیو کر کے گھر آ گئے اس وقت تک انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے جہاں سوز حسن نے جو دل نادان میں گھاؤ ڈالے ہیں وہ لاعلاج ثابت ہوں گے لیکن اس شام کی بھیگی ہوا اور رات میں تارے آسمان پر آنکھیں جھپکتے ہوئے نمودار ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کم بخت عشق کے روگ میں مبتلا ہو چکے ہیں لیکن مصیبت یہ تھی کہ انہیں نہ تو علاقہ یاد تھا اور نہ ہی وہ گلی جہاں وہ اتری تھی وہ تو اس کا فسوں خیز حسن دیکھتے دیکھتے ہی اسے اتار کر آ گئے تھے، اس قیامت خیز بھیگے حسن نے ان سے ان کی سدھ بدھ چھین لی تھی وہ ہاشم جو اپنے حلقے میں بذلہ سنج اور ذہین سمجھے جاتے تھے، انہیں خود پر تاؤ آ رہے تھے کیا تھا اگر یوں اسیر ہونا تھا تو میں کم از کم علاقہ یاد رکھ لیتا یا پیچھے جا کر گھر کا ایڈریس ہی نوٹ کر لیتا دل انہیں صلواتیں سناتا نہیں تھکتا تھا۔

ان کا کھویا کھویا رویہ ان کے دوستوں پر عیاں ہو گیا تھا۔

''یار شاہ! معاملہ کیا ہے؟''

''ہوں ...... کچھ نہیں معاملہ کیا ہونا ہے۔''

یہ اس واقعہ سے مہینہ بھر بعد کی بات تھی وہ تینوں دوست شالیمار باغ میں سیر کے لئے گئے ہوئے تھے، جب کامران نے پوچھا تھا۔

''نہیں یار! ہم سے تو چھپانا ناممکن ہے کون ہے ویسے اتنی بدذوق جو تجھے آہیں بھرنے پر مجبور کر رہی ہے؟'' کامران تاڑ چکا تھا اور ہاشم بھی جانتے تھے کہ اس سے جان چھڑا نہیں پائیں گے ویسے بھی وہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے حال سے بے حال ہو گئے تھے اس کا نام و پتہ ندارد تھا، انہوں نے سارا حال دل کہہ سنایا۔

''اچھا تو یہ معاملہ ہے ویسے لالے مجھے لگتا ہے یہ ان دس ہزار پانچ سو مظلوموں کی بددعائیں ہیں ہونہ ایسی بھی کیا بدحواسی کہ بندہ اتنی قیمتی چیز لے جانے والے سے اس کا پتہ ٹھکانہ نہ پوچھے۔''

''یہ دس ہزار پانچ سو کون ہیں اور میری کون سی قیمتی چیز لے گئیں ہیں وہ؟'' ہاشم حیران تھے۔

''لو جی ایسے تو سب نے عشق کو روگ نہیں کہا ہے اس میں سب سے پہلے تو عقل کام کرنا چھوڑتی ہے اور بھائی یہ ساڑھے دس ہزار یا اس زیادہ وہ لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے گھاس نہیں ڈالی

digest library.com

تعداد تو زیادہ ہی ہوگی پر میرا خیال ہے کہ اتنی تعداد کی دعا عرش معلیٰ پر پہنچی ہے اور قیمتی چیز تیرا دل اس سے بڑھ کر کیا قیمتی ہوگا؟" اور اتنی پریشانی میں بھی ہاشم شاہ دھیرے سے ہنس دیئے تھے۔

"شکر خدا کا تو ہنسا یار شاہ ورنہ میں تو صدمے سے مرنے والا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ مجھے جولائی اگست میں نمونیہ نہ ہو جائے گا۔" وہ پھر شروع ہو چکا تھا۔

"اچھا اب زیادہ پھیلو نہیں اسے ڈھونڈنے میں میری مدد کرو۔" ہاشم شاہ مطلب کی بات کی طرف آئے تھے۔

"ہاں اس کے لئے تو میرے ذہن میں پلان ہے کل سے ہم مختلف پکنک پوائنٹس پر چیک کرتے ہیں۔" اور ہاشم شاہ ان دونوں کے ساتھ سارا دن مختلف جگہوں پر مارے مارے پھرتے تھے اگست بیتا لیکن گوہر مقصود ابھی تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہر اہم پارک اور پکنک پوائنٹ کے گارڈز کو ہمارا حلیہ ازبر ہو چکا ہے اس سے پہلے کہ دھر لئے جائیں کچھ اور سوچو۔" یہ شہروز تھا جو سب سے پہلے اس مشغلے سے اکتایا تھا۔

"ٹھیک ہے پرسوں سے تعلیمی ادارے کھل رہے ہیں ہم نئی ترکیب سے اپنی ہونے والی بھابھی ڈھونڈیں گے۔" کامران نے تجویز دی اور یہ ہاشم کے دل کو لگی حقیقتاً وہ پری جمال انہیں کسی کالج کی سٹوڈنٹ ہی لگی تھی، یوں ستمبر کی سات آٹھ تاریخ سے یہ مشن شروع ہو گیا لیکن ایک بات تھی کہ وہ تینوں اپنی پڑھائی سے غافل نہیں تھے اور بہت حقیقت پسندی سے اپنی تعلیم پر توجہ دے رہے تھے، وہ فارغ وقت نکال کر مختلف گرلز کالجز کے چھٹی کے اوقات میں ان کے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے، دن گزرتے رہے لیکن کامیابی روٹھی محبوبہ بنی ہوئی تھی جو کسی صورت ہاتھ آ کر نہیں دے رہی تھی وہ جنوری کی دھند بھری دوپہر تھی۔

"میرا خیال ہے کل سے یہ کام چھوڑ دیتے ہیں۔" ہاشم شاہ نے سنجیدگی ہوئے کہا۔

"لیکن ابھی بھابھی کو ڈھونڈ نہیں پائے ہم لوگ تو کیسے یہ چھوڑ دیں۔" کامران کے ہاتھ دلچسپ مشغلہ لگا ہوا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ شاہ سے مخلص بھی بہت تھا۔

"وہ تو نہیں ملیں پر میرا خیال ہے کہ اس ٹھنڈے ٹھار موسم میں گرم گرم جوتے مل جائیں گے کسی چوکیدار یا گھر والے سے جس طرح تم ندیدوں کی طرح سے ہر لڑکی کو گھورتے ہو۔"

"تو پھر اور کیسے ڈھونڈیں ہم لوگ اب ہماری نیت تو صاف ہے ناں لوگوں کا کیا ہے۔"

"چاہت میں کیا دنیا داری عشق میں کیسی مجبوری۔"

کامران گل بہار بانو بننے کی کوشش کرتا ہوا خاصے سر سے گا رہا تھا شہروز اور ہاشم زیر لب مسکرانے لگے اور واپس گاڑی میں بیٹھ کر اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے تھے، یوں بھی اب ہاشم فائنل ائیر سے فارغ ہو چکے اور گاؤں جانے کی تیاری میں تھے۔

☆☆☆

وہ گاؤں آتے ہوئے اس دشمن جاں کا تصور آنکھوں میں بسائے بسائے پھر رہے تھے۔

"سید ہاشم علی شاہ میڈا سوہنا پتر اب تو تم نے بہت پڑھ لیا ہے اب بیاہ کے لئے ہاں کر دو۔" اماں جان اپنی آنکھوں میں ممتا بھرے کہہ رہی تھیں اور ہاشم شاہ ان کے پاس تخت پر لیٹے ہوئے چھت کی کڑیوں کو گن رہے تھے۔

"اماں جان ابھی ہمیں اور پڑھنا ہے آپ

Digest Novels Lovers

کاظم اور ناظم کی کر دیں۔" ہاشم شاہ کا ارادہ پودوں کی خصوصیات میں پی ایچ ڈی کرنے کا تھا، یا شاید دل نادان انہیں وقت گزارنے کے راستے سمجھا رہا تھا۔

"ناظم علی شاہ تو ابھی میٹرک میں ہیں شاہ بیٹا۔"

"تو سکینہ کی کر دیں۔"

"پھر کاظم اور سکینہ کی کر دیں ناں۔" اور اماں جان کے چہرے پر ایک سایا سا لہرایا تھا۔

"سکینہ کی تو آج کر دوں پر اس کے جوڑ کا کوئی رشتہ خاندان میں نہیں ہے کچھ بہت بڑے ہیں بال بچوں والے ہیں اور کچھ ابھی بہت ہی چھوٹے ہیں بالکل بچے۔" ان کی آنکھوں میں شاید نمی بھی آ گئی تھی جسے انہوں نے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔

"تو پھر کیا سکینہ؟" سید ہاشم اپنی بات پوری نہیں کر سکے تھے کیونکہ ان کی نظر میں برادری میں ایسی بہت سی مثالیں تھیں جن میں لڑکیاں ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھے بیٹھے بڑھاپے میں پہنچ جاتی تھیں اور پھر بے بسی کی موت ان کا مقدر بنتی تھی۔

"لیکن جوڑ تو میرا بھی نہیں ہے۔"

"تمہاری بات اور ہے شاہ تمہارے لئے تو خاندان سے باہر سے بھی لڑکی لائی جا سکتی ہے پر سکینہ بیٹی ہے اور سیدوں کی بیٹیاں غیر سیدوں میں تو نہیں دی جاتیں۔" اور ہاشم شاہ کا نرم سا دل بہن کے ساتھ پیش آنے والے المیہ پر تڑپ اٹھا تھا۔

"پھر آپ کاظم کی کر دیں اماں جان۔"

"ٹھیک ہے بیٹا مگر تم ٹھنڈے دل سے سوچ لو تمہارے ساتھ کے لڑکے بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔" ان کی اپنی منطق تھی، پر ہاشم شاہ اپنے دل کا کیا کرتے جو انہیں ساری ساری رات تڑپاتا تھا، وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے پر ان کے پاس اس درد کا علاج نہیں تھا، ان کا فائنل ائیر کا رزلٹ آ گیا تھا اور انہوں نے فسٹ ڈویژن میں ایم ایس سی کلیئر کر لی تھی اور اب وہ دوبارہ اس شہر میں جا کر ایم فل کرنا چاہ رہے تھے۔

"بیٹا شاہ! آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں آپ کو یہ گدی سنبھالنا ہے ہمارا کیا ہے آج ہیں کل نہیں ہوں گے۔"

"اللہ آپ کو ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے شاہ بابا اس گدی پر تو آپ ہی اچھے لگتے ہیں۔" ہاشم اس گدی اور وارثت سے دور رہنا چاہتے تھے اس لئے اپنی بات شاہ صاحب تک پہنچانے کے لئے بے تاب تھے۔

"شاہ بابا! ہم ایم فل کے لئے جانا چاہ رہے ہیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے بیٹا اگر ہم سے کوئی غلطی کوتاہی ہوگئی، ہو تو ہمیں معاف کر دیں۔"

"ارے یہ کیا کہہ رہے ہیں شاہ بابا ہمیں آپ ایسے یہ سب۔" ہاشم شاہ تو سٹپٹا کر رہ گئے تھے کیا کہیں اور کیا نہ کہیں ان سے تو قوت گویائی چھن سی گئی تھی۔

پھر باپ نے گلے لگا کر ماں نے آنسو بھری آنکھوں سے دعائیں دیتے انہیں رخصت کیا تھا، سکینہ اور چھوٹے بھائیوں سے ملتے سید شاہ کا جی بھر چلا تھا کہ وہ وہاں گاؤں میں ہی رہ جائیں پر پھر علم کی لگن اور اس دشمن جان کو ڈھونڈنے کی غرض سے شہر آنا بھی ضروری ٹھہرا تھا، سو وہ کشاں کشاں لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

"شکر ہے شاہ تم آ گئے اب میری شادی خانہ آبادی میں شرکت کے لئے آج ہی گھر چلے آؤ۔"

"لیکن یار میری پڑھائی۔"

"اُفوہ ابھی کچھ دن بعد ہی پڑھائی زوروں پر ہو گی ناں تب تک تو تم میرے گھر ہی رہو گے بس۔" وہ بھی کامران تھا اپنے نام کا ایک سو ہاشم شاہ کو اس کے شادی میں شرکت بھرپور طریقے سے کرنا پڑی تھی اور اس نے شادی کے دوران ہاشم کا خوب ریکارڈ لگایا تھا گو وہ کسی اور پر ظاہر ذریعے وہ شرارت کرنے سے باز نہیں آتا تھا شادی سے ایک دن پہلے اس نے سارا دن ایک ہی گانا سنتے ہوئے ہاشم اور شہروز کے ناک میں دم کیے رکھا۔

سارے منڈے لگ گئے کام سے
میں رہ گیا کنوارہ
ہائے میں کیا کروں
ہائے میں کیا کروں

اور ہاشم شاہ صرف زیر لب مسکراتے رہے تھے وہ جانتے تھے کہ ان کا دوست ان سے انتہائی مخلص ہے وہ انہیں چھیڑ بھی ان کی بہتری کے لئے رہا تھا پر کیا ہوسکتا تھا یوں چار پانچ ماہ کے وقفے سے شہروز نے بھی سہرا سجا لیا اور اب صرف ہاشم ہی کنوارے رہ گئے تھے، ان دونوں کی بیویاں سارا اور مہوش کامران اور شہروز کی طرح سے ہاشم کے مسئلے سے اچھی طرح آگاہ تھیں لہٰذا جب بھی وہ سب اکٹھے ہوئے اور ہاشم کا مسئلہ زیر غور آتا وہ دونوں میدان میں اتر آتی تھیں۔

"شاہ بھائی ایسا کرتے ہیں شیمپو یا واشنگ پاؤڈر بیچنے والی ٹیم بن کر تمنا بھابھی کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ایک کہتی۔

"ہاں جیسے ان کے گھر والے بیل ہونے پر انہیں ہی تو بھیجیں گے ناں فلموں کی طرح سے کہ جاؤ بیٹی دیکھنا دروازے پر کون ہے گھر میں جوان بھائی نوکر چاکر اور ہٹے کٹے ابا جان چاہے آرام فرما رہے ہوں اور دروازے پر ہیرو ہیروئن ایک دوسری کی آنکھوں میں غوطے لگانا شروع کر کے گلا پھاڑ پھاڑ کر گانا بھی پکچرائز کروا لیں۔" کامران اکثر ان کی تجاویز کی ہوا نکالا کرتا تھا سو یہ سلسلہ جاری رہا۔

"پھر ہم یوں کرتے ہیں کہ کوئی کریم یا میک اپ کی پروڈکٹ انٹروڈیوس کروانے کے بہانے سب گھروں کی خواتین سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔" یہ سارا تھی کامران کی بیوی اور ہاشم اکثر سوچتا تھا اوپر والا بہت کچھ دیکھ بھال کر جوڑے بناتا ہے اگر کامران سیر تھا تو سارا سوا سیر۔

"ہاں یہ بھی بڑی اچھی تجویز ہے لیکن تمنا بھابھی کا تو اپنا رنگ اتنا گورا ہے کہ تم لوگوں کو ان سے نسخہ پوچھنا چاہیے جا کہ کیوں شاہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟" اور ہاشم چپ بیٹھے زیر لب مسکراتے رہتے تھے، یوں ایک برس اور بیت گیا ہاشم اپنے ایم فل کو بہت انجوائے کر رہے تھے انہیں ان پودوں پھولوں پر ریسرچ کرتے ہوئے ان کو تخلیق کرنے والے کی قدرت کا کمال دیکھ دیکھ کر رشک آتا تھا کیا کیا اسرار چھپے ہوئے تھے ان سب چیزوں میں اس دوران اسے ایک ایسی بوٹی پر تحقیق کرنے کا موقع ملا تھا جو جامنی رنگ کی بے حد مہلک زہر رکھنے والی بوٹی تھی، لیکن اگر اسے سانپ کے کاٹے کی جگہ پر رکھ دیا جائے تو زہریلے سے زہریلے سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو جاتا تھا، ہاشم شاہ نے گاؤں آتے ہوئے وہ بوٹی اپنے ساتھ لے آئے تھے وہ پندرہ دن کے لیے آئے تھے، اس بار ایک عجیب چیز ہوئی تھی کہ ان کے اٹھنے اور فریش ہونے کے فوراً بعد گرم گرم ناشتہ ان کے کمرے میں موجود ہوتا تھا، انڈہ پراٹھے، ڈبل روٹی، جیم اور جوس انہیں حیرت ہوئی تھی پھر جب وہ ناشتہ کر چکے تو ایک نامانوس صورت برتن اٹھانے آئی تھی، سترہ اٹھارہ برس پرکشش لڑکی تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

Digest Novels Lovers

"پروین!"

"یہاں نئی آئی ہو۔" ہاشم شاہ حیران تھے کہ لڑکی سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی لگتی پھر ان کے خاص ملازم ان کے گھر میں جدی پشتی تھے کسی نئے ملازم سے ناشتے کھانا جیسا کام اماں جان ہرگز نہیں کرواسکتی تھیں۔

"جی میں پہلے گجرات میں تھی ماسے کے پاس اماں بیمار ہے ناں اس سے کام نہیں ہوتا اس نے بتایا مجھے بلوایا ہے۔"

"اماں کا کیا نام ہے؟"

"صغراں بی بی!" صغراں ان کی پرانی ملازمہ تھی جو ہاشم شاہ کی والدہ کے ساتھ ان کے جہیز میں آئی تھی اور وہ کچن کی انچارج تھی، ان کے کام کرتے ہوئے روز انہیں دیکھتی رہی تھی گو ہاشم کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن پھر بھی انہیں اس لڑکی کی گھنی پلکوں والی آنکھوں سے جھرجھری سی آئی تھی سو وہ بات کرنے کو پوچھ بیٹھے۔

"پڑھی لکھی ہو؟"

"ہاں جی میں نے آٹھ جماعتیں پاس کی ہوئی ہیں۔" اس نے فخر سے بتایا تھا اگلے دن ہاشم شاہ ڈیرے سے واپس آرہے تھے کہ بڑے سے دلان میں گھر کے نوکر جمع تھے اور رونے پیٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

"کیا بات ہے اماں جان؟"

"جیراں کو سانپ نے ڈس لیا ہے حکیم جی کو بلوایا ہے پر اس بچاری کی بری حالت ہے۔" نرم دل سے اماں جان نے زمین پر بے سدھ پڑی ادھیڑ عمر عورت کی طرف اشارہ کیا، جس کا رنگ نیلا ہورہا تھا اور ہاشم شاہ نے فوراً کہا۔

"حکیم جی تو شاید گھر پر ناں ہوں جاؤ پروین میرے کمرے کی دراز سے سفید رنگ کا پیکٹ اٹھالاؤ۔" اور وہ فوراً بھاگی، ہاشم شاہ نے وہ بوٹی نکال کر جیراں کے پاؤں پر رکھ دی، تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آنکھیں کھول دیں اور اس رنگ بھی بحال ہونا شروع ہوگیا۔

"شاہ جی آپ پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے اللہ آپ کو ہمارے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے آپ مائی باپ ہیں۔" ملازمائیں ہاشم شاہ کو رو رو کر دعائیں دے رہی تھی۔

"اسے سہارا دے کر چارپائی پر لٹاؤ اور حکیم سے کہنا اسے طاقت کی دوائی دے دے زہر اتر چکا ہے۔" ہاشم شاہ جانتے تھے کہ ان پڑھ لوگ اسے بھی ان کی کوئی کرامت سمجھیں گے انہوں نے ملازموں کو یہ کہہ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا، خود اماں جان کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئے تھے۔

"شاہ بیٹے اللہ آپ کی کرامات میں برکت دے۔" اماں جان ہاشم شاہ کو دعائیں دے رہی تھی۔

"ارے میری اچھی اماں جان یہ میری کرامت نہیں ہے یہ تو رب کی کرامت ہے جو اس بوٹی کی ذریعے سے عیاں ہوئی ہے۔" انہوں نے وہ لفافہ ان کے سامنے کیا جس میں وہ پانچ چھ پودے ڈال کر لائے تھے۔

"اچھا یہ بوٹی سانپ کے کاعلاج ہے۔"

"ہاں اماں جان یہ سانپ کے زہر کا شافی علاج ہے۔"

"پھر بیٹا اسے ہر گھر میں بانٹ دیتے ہیں یہاں اکثر سانپ نکلتے رہتے ہیں اور حکیم ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے ہی مریض مر جاتے ہیں۔"

"لیکن اماں جان اس بوٹی پر ابھی میں تحقیق کررہا ہوں کیونکہ اس میں ایک مسئلہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اگر اس بوٹی کو چائے شربت پانی وغیرہ

digest.library.com

میں صرف ایک بار ڈبو کر نکال لیا جائے تو وہ چیز خطرناک حد تک زہریلی ہو جاتی ہے۔"

"نہیں بیٹا پھر اسے کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے یہاں دشمنیاں بہت ہیں لوگوں کی یہ نا ہو کہ سب ایک دوسرے کو ختم کرنا شروع کر دیں۔" اماں جان کا نرم دل کانپ گیا تھا۔

"ہاں اماں جان میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس سے کوئی دوا بن کر مارکیٹ میں آ جائے جس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔"

"ہاں بیٹا اللہ سچا آپ کو کامیاب کرے۔"

☆☆☆

ہاشم شاہ سہ پہر کے وقت تمنا کے ساتھ رنگین روپہلی وادیوں میں دور تک چلتے جا رہے تھے ہر سو دھنک رنگ پھول کھلے ہوئے تھے چشمے پھوٹ رہے تھے آبشاریں موتی لٹا رہی تھی کہ انہیں لگا جیسے کوئی انہیں پکار رہا ہو، پر کسے فرصت تھی یہ پکار سننے کی پھر یکایک ہاشم شاہ کو اپنے پیروں پر کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے سامنے پروین کھڑی تھی، ان کے پاؤں مذہبی گھرانے کا فرد ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ عقیدت سے چھو لیا کرتے تھے اگرچہ انہیں یہ ناپسند تھا پر پھر بھی صدیوں پرانی روایات پر عمل کرنے میں لوگوں کو فخر ہوتا، مگر یہ لمس اور طرح کا تھا اور پھر اتنا حسین سپنا ٹوٹا تھا انہیں سخت غصہ آیا تھا۔

"وہ...... شاہ...... جی...... میں...... میں نے آپ کو بہت آوازیں دی پر آپ جاگے نہیں پھر مجھے آپ کو اس طرح اٹھانے پڑا۔" وہ اپنی صفائی دے رہی تھی۔

"کون سی آفت آ گئی تھی؟"

"وہ جی آپ کے دوست آئے ہیں شہر سے۔" اور کامران اور شہروز کا نام سن کر ہاشم شاہ چھلانگ لگا کر بستر سے نکل گئے۔

دو دن ان کو سیر کراتے گزر گئے تھے۔

"شاہ اب شادی کر لے ناں یار۔" کامران کی ایک ہی رٹ تھی۔

"ہاں اچھا۔" ہاشم ٹالنے کے موڈ میں تھے۔

"یار وہ ہم دونوں کی بیویوں کے جال میں نہ پھنسنا ان دونوں کی چھوٹی بہنیں اور کزنز کی فوج موجود ہے ان بیاہی اور تم تو جانتے ہو کہ شادی شدہ خواتین کا من پسند مشغلہ رشتے کروانا ہوتا ہے۔" کامران، ہاشم شاہ کو آگاہ کر رہا تھا۔

اگلے دن تہجد کے وقت ان لوگوں نے شکار کے لئے نکلنا تھا اور سید ہاشم شاہ ڈیرے سے اپنے کمرے کی طرف کچھ کارتوس لینے آئے تھے کہ دروازے کے باہر ان کے قدم اپنا ذکر سن کر رک گئے۔

"میرے چٹے جھاٹے میں سواہ ڈال رہی ہے تو پروین۔"

"میں نے کیا کیا ہے اماں؟"

"یوں اس وقت شاہ جی کے کمرے میں کیا کر رہی تھی تو۔"

"وہ...... مجھے ان کے کام کر کے سکون ملتا ہے اماں۔"

"اس وقت کون سا کام ہے یہاں؟"

"خدا کے لئے اماں مجھے یہاں اس کمرے میں رہنے دے یہاں شاہ جی کی خوشبو ہے مجھے ان سب چیزوں سے ان کی خوشبو آتی ہے۔"

"زبان کاٹ کے پھینک دوں گی طرح جانتی ہے تو کیا کہہ رہی ہے وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں ہم کمی کمین تو کیا کر رہی ہے کڑیے؟" یہ صغراں کی غراتی ہوئی آواز تھی۔

"اماں میں کوئی گناہ نہیں کر رہی ہوں۔" پروین شاید رو رہی تھی۔

"یہ گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔"

Digest Novels Lovers

''اماں مجھے چھوٹے شاہ جی اچھے لگتے ہیں ان کے کام کرنا اچھا لگتا ہے۔''

اور ہاشم شاہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی تو گویا ان کی چھٹی حس نے انہیں درست خبردار کیا تھا۔

''تیری زبان نہ جلی ایسی بات کہتے اپنی اوقات کا پتہ ہے ناں تجھے۔''

''اماں مجھے کچھ نہیں چاہیے میں بے بس ہوں تو نے کیوں بلوایا مجھے یہاں بڑا ظلم کیا اماں ڈھاڈا ظلم اماں۔'' اور اس کے بعد وہ زور و شور سے رونے لگی تھی اور ہاشم شاہ کسی جواری کی طرح ڈیرے کی سمت بڑھ گئے تھے ان کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا یہ کیا ہو گیا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ پریشان تھے اور ان کے دوستوں نے اس پریشانی کو بھی ان کے اس عشق کے کھاتے میں ڈال دیا تھا یوں اپنی چھٹیاں گزار کر ہاشم شاہ بھی دوستوں کے ساتھ شہر آ گئے تھے، وہ لوگ ایک شاپنگ مال میں شاپنگ کر رہے تھے کہ فضاء میں ترنم بکھر گیا۔

''کتنے پیسے؟'' ہاشم شاہ نے تیزی سے سر اٹھا کر دیکھا تھا سامنے وہی تھی وہ حواس کھو بیٹھے تھے، آج دو سال بعد بالکل ویسی کی ویسی ہی تھی، اس نے بل لے کر ادائیگی کی اور اپنے شاپر سنبھالتے ہوئے باہر کی سمت بڑھنے لگی۔

''یار تم کیا سو گئے ہو؟'' کامران نے ہاشم کا شانہ ہلایا۔

''وہ...... وہ تمنا۔''

''کہاں؟''

''وہ جو ابھی باہر گئی ہیں۔''

''تو تم یہاں کیا کر رہے ہو آؤ میرے ساتھ۔'' ہاشم کا ہاتھ پکڑ کر کامران تیزی سے باہر کی سمت لپکا تھا وہ اپنی سیاہ کرولا کو سٹارٹ کر کے پارکنگ ایریا سے نکل رہی تھی، ان دونوں نے جلدی سے اپنی گاڑی سٹارٹ کی اور سیاہ گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا وہ بڑی کوشش کر رہے تھے کہ سیاہ کرولا کے برابر یا کم از کم کچھ فاصلے پر رہیں کہ ایک آدمی نے تیزی سے بھاگتے ہوئے سڑک پار کی اور کامران کو بریک لگانا پڑی اس چکر میں فاصلہ جو پہلے پچاس گز تھا اب ڈبل ہو گیا تھا پھر رہی سہی کسر ٹریفک کے سگنل نے پوری کر دی اشارہ کھلنے پر خالی سڑک ان کا منہ چڑا رہی تھی اور سیاہ کرولا کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

''چھوڑ یار چل واپس۔'' ہاشم مایوسی سے بولے۔

''نہیں یار میرا خیال ہے قدرت تم دونوں کو ملوانا چاہ رہی ہے ورنہ دوسری مرتبہ ٹکراؤ نہ ہوتا۔'' کامران پرامید تھا۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجے تھے کہ ان کے بیڈروم کا فون چیخا۔

''شاہ بھایا...... بابا جان...... بابا جان!''

''کیا ہوا بابا جان کو۔'' ہاشم شاہ کو لگا تھا کہ کاظم کی روتی ہوئی آواز سن کر ان دل پھٹ جائے گا۔

''وہ...... وہ نہیں رہے شاہ بھائی۔'' اور ہاشم شاہ کو لگا تھا جیسے یہ خواب ہے ابھی وہ جاگ اٹھیں گے انہوں نے فوراً گاؤں جانے کے لئے گاڑی سٹارٹ کی اور علی بخش کو کامران اور شہروز کو میسج دینے کے لئے کہہ دیا تھا، گاؤں آ کر ہاشم شاہ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ بابا جان کے وجود سے انہیں کتنی ڈھارس رہتی تھی، انہیں لگ رہا تھا کہ وہ کڑی دھوپ میں آ گئے ہوں جہاں بابا جان کے پرشفقت وجود کا کہیں سایا نہیں تھا، سکینہ کاظم اور ناظم بلک بلک کر رو رہے تھے اور اماں جان ایسے اچھے شریک حیات کے غم میں لب بستہ سی بیٹھی

تھیں اب ہاشم شاہ کو سب کو سنبھالنا تھا وہ بڑے تھے سب کی آنکھیں ان کی سمت لگی ہوئی تھیں لیکن وہ یہ چاہ رہے تھے کہ کاش یہ سب خواب ہو اور ابھی بابا جان مسکراتے ہوئے اٹھیں گے اور کہیں گے۔

"واہ شاہ بیٹا بس اتنا ہی حوصلہ ہے مرد بنو بیٹا تمہیں تو بہت کچھ دیکھنا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں دیکھنا شاہ بابا بس آپ اٹھ جائیں میں بہت کمزور ہوں۔" ان کی پٹی سے سر ٹکا کر ہاشم شاہ کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو بہہ نکلے تھے، یوں مغرب سے پہلے شاہ بابا سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے، ہزاروں لوگ جمع تھے پر ہاشم شاہ کو دنیا اندھیر ہوئی لگ رہی تھی وہ شام انہیں زندگی کی سب بھیانک شام لگی تھی اور وہ رات ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے شاہ بابا کو جا کر لے آئیں انہیں خوب پیار کریں، وہ تو کبھی اپنے کپڑوں پر چٹکی بھر مٹی نہیں برداشت کرتے تھے پھر اب منوں مٹی تلے کیوں چپ چاپ پڑے تھے، سوئم کے بعد ہاشم شاہ کی دستار بندی ہوئی اور سب مریدوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ڈیرے پر دیگوں کی لائنیں لگی ہوئیں تھیں اور لوگ جوق در جوق آرہے تھے، آخر کار سب لوگ اپنے گھروں کا لوٹ گئے سب کچھ معمول پر آگیا تھا صرف ہاشم شاہ اپنی جگہ سے ہل کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

ان کا ایم فل بھی ادھورا رہ گیا تھا، ان کا تمنا کو ڈھونڈنے کا خواب، ان کا پی ایچ ڈی کا سپنا سب ادھورے تھے وہ کبھی اپنا حلیہ آئینے میں دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ یہ وہ نہیں جن کی جامہ زیبی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب کیا شلوار قمیض اور پر بڑی سی پگ انہیں خود پر اور اپنی خواہشوں پر ہنسی سی آجاتی تھی خود کو بھول کر وہ لوگوں کے مسائل سلجھانے میں لگ جائے لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے ہاشم شاہ تبدیلی لانا چاہتے تھے لیکن یہ سب ایک دم ممکن نہیں تھا، ایک دن شام ڈھلے ہاشم شاہ ڈیرے سے واپس آئے تو گھر سے کوئی اجنبی صورت نکل کر گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی، ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، گھر آ کر انہوں نے دیکھا اماں جان کے چہرے سے خوشی چھلکی پڑ رہی تھی۔

"کون آیا تھا اماں جان!" ہاشم شاہ خوش تھے کہ چلو اماں جان بھی خوش ہوئیں جو بابا کے بعد بالکل بجھ کر رہ گئی تھیں۔

"پہلے وعدہ کرو بیٹا تم غصے میں نہیں آؤ گے۔"

"لیکن یہ کون تھا؟"

"تیرا ماموں۔"

"یہ کیوں آیا تھا یہاں؟" ہاشم شاہ بھڑک اٹھے تھے، انہیں اپنی پھوپھی زہرہ یاد تھیں جن سے اماں جان کے وٹے میں ماموں شوکت کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی وہ محلے کی ایک لڑکی کو پسند کرتے تھے اور اپنی پسند میں اتنے پکے تھے کے پھوپھی زہرہ کا حسن بھی ان کے فیصلے کو بدل نہیں سکا تھا، شادی کے چار ماہ بعد وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کر کے محلہ تو کیا ملک بھی چھوڑ گئے تھے اور پھوپھی زہرہ دو سال بعد لہو تھوکتے ہوئے بھائی کی دہلیز پر راہی ملک عدم ہو گئی تھیں اس بات پر بہت جھگڑے ہوئے سب نے بابا جان سے کہا کہ وہ اماں جان کو چھوڑ دیں لیکن بابا نہ مانے اماں کی گود میں وہ دونوں بھائی تھے، بہن کا غم اپنی جگہ لیکن بابا جان کو اپنی پرسکون گرہستی میں آگ لگانا منظور نہ تھا، ہاں یہ ہو گیا کہ اماں ان کو اپنا میکہ چھوڑنا پڑا تھا انہوں نے بھی اپنے والدین کے گھر کی صورت نہ دیکھی تھی اور اب بابا جان کی وفات کے بعد ماموں کا آنا؟

Digest Novels Lovers

''ان کی جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔''

''ایک ہی بھائی ہے میرا وہ بہن سے ملنے آیا تھا۔'' اماں جان کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی۔

''لیکن اتنا کچھ کرنے کے بعد انہیں کہہ دیں کہ اگر یہاں دوبارہ قدم رکھنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''ماں باپ کا مرا منہ نہ دیکھ سکی کوئی اور بہن بھائی تھا نہیں ایک یہی بھائی تو ہے کیا اس سے بھی تعلق نہ جوڑوں؟'' اماں جان منہ دوپٹے سے ڈھانپ کر بین کرنے کے انداز میں بلک اٹھی تھیں اور ہاشم شاہ نرم پڑ گئے تھے۔

''پھر اماں جان کیا کروں میں؟''

''میرا بھائی نہ چھینو شاہ بیٹا تم گدی نشین بن چکے ہو ایک کرموں ماری بہن تم سے التجاہ کرتی ہے۔'' وہ گڑگڑائی تھیں۔

''کیا کرتی ہیں اماں جان میں گدی نشین بعد میں ہوں پہلے آپ کا بیٹا پہلے، جو آپ کا دل چاہے کریں۔'' ہاشم شاہ نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا تھا اور اماں جان کھل اٹھی تھیں۔

کچھ دن بعد ہاشم اماں کے پاس بیٹھے تھے آج موڈ قدرے خوشگوار تھا کہ اچانک اماں بولی۔

''بیٹا میں نے اور بھی بات کرنی ہے۔''

''حکم کریں۔''

''بیٹا تیرے ماموں کے دو بچے ہیں ایک بیٹا ایک بیٹی دونوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے؟''

''پھر۔''

''بیٹا بڑا ہے اور بیٹی چھوٹی دونوں رج کے سوہنے ہیں۔'' اور ہاشم شاہ سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھتے رہے۔

''میں چاہتی ہوں سکینہ کا رشتہ تیرے ماموں کے بیٹے سے کر دوں۔'' اماں جان نے ہاشم شاہ کی طرف دیکھا تھا اندرونی طور پر وہ کھل اٹھے تھے پڑھا لکھا بہنوئی ملنے کی خوشی میں۔

''ٹھیک ہے جو آپ مناسب سمجھیں۔''

''اور بیٹی اسے تیری شادی کر دوں؟''

''لیکن اماں جان!'' ہاشم تڑپ کر رہ گئے تھے۔

''دیکھو بیٹا پرانی باتیں بھلا دینی چاہیں لڑکی ایسی ہے کہ حوریں بھی شرما جائیں۔'' اور ہاشم شاہ دھیمے سے مسکرا دیے وہ جان گئے تھے کہ اماں جان کو ان کی ماموں زاد بہت پسند آ گئی ہے۔

''تہمینہ نام ہے اور چٹی اتنی کہ ہاتھ لگنے پر میلی ہونے کا ڈر۔''

''ٹھیک ہے اماں جان آپ کا ظم کی کر دیں میرے لئے ابھی نہ سوچیں۔''

''پر بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کی کر دوں دنیا کیا کہے گی۔''

''دنیا کی چھوڑیں اماں جان آپ اپنی مرضی کریں دنیا کا کیا ہے یہ تو ہمیشہ باتیں ہی بنائے گی۔'' اور وہ اماں جان کو چپ ہوتا چھوڑ کر ڈیرے کی طرف چلے آئے کیا تھا اگر اس دشمن جان کا اتہ پتہ جاتا تو اماں جان بھی خوش ہو جاتیں اور وہ بھی اسے پا کر شاد ہو جائے پر رب کے کام وہی جانے، ہاشم شاہ نے گہری سرد آہ بھری تھی۔

☆☆☆

وہ ڈیرے سے سرشام واپس آ گئے تھے دل بہت بوجھل تھا، اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے انہیں پروین کی جھلک دکھائی دی، اس کی عادتوں میں اب ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا شاید زیادہ نکھر گئی تھی لیکن آنکھیں ہر وقت حزن میں ڈوبی لگتی تھیں، ہاشم شاہ کڑھ کر رہ گئے وہ اس بے

وقوف لڑکی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، کہ وہ تو خود اس بے نشان منزل کے راہی تھے، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے نصیب میں منزل ہے بھی یا صرف بھٹکنا ہی لکھا ہے وہ بے دلی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بستر پر دراز ہو گئے، اسی لمحے فون چیخا تھا، انہوں نے بے دلی سے ریسور ہاتھ میں پکڑا اور پھر کچھ سوچ کر کان سے لگالیا۔

''ہیلو۔''

''السلام وعلیکم یار شاہ! کب سے ٹرائی کر رہا ہوں اور اب فون اٹھانے کے بعد اتنی طویل خاموشی کیا خوابوں کے سفر کو گئے ہوئے تھے؟ اور ہاشم شاہ اپنے دوست کی ذہانت کو داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔''

''یار میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیوں اب کیا ہوا ہے؟''

''اماں جان کو اپنی بھتیجی پسند آ گئی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے اچھی لڑکیوں کو ہر کوئی پسند کرتا ہے۔''

''وہ اس کو بہو کے طور پر پسند کر رہی ہیں۔''

''ہاں تو داماد کے طور پر پسند کرنے سے تو رہیں۔'' کامران کی وہی بے تکی باتیں تھیں۔

''لیکن میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' انہوں نے جیسے پتھر سے سر پھوڑا تھا۔

''ہاں تو انکار کر دو۔'' ادھر کوئی اثر نہیں تھا۔

''لیکن وہ ضد کر رہی ہیں۔''

''تو یہ ان کا حق ہے۔''

''یار میں سیریس ہوں۔''

''اگر شادی کر سکتے ہو تو یہ سب سے بہتر ہے کیونکہ تمہاری عمر کے لڑکے دو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔'' ہاشم شاہ فون کو دیکھ کر رہ گئے کیوں کہ اس میں سے بوڑھی عورتوں کی سی آواز اور لہجہ برآمد ہوا تھا۔

''کامران میں تمہیں اپنا مسئلہ بتا رہا ہوں اور تم۔''

''دیکھو شاہ میں بھی تمہیں مسئلے کا حل بتا رہا ہوں اب حقیقت پسند بن کر اماں کی پسند سے شادی کر لو یہی بہتر ہے تمہارے لئے۔''

''لیکن یار میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا وہ میری زندگی ہے مر جاؤں گا میں اس کے بغیر اور اگر وہ کسی اور کی ہوئی تو اسے اپنانے والے کا خون کر کے خود پھانسی چڑھ جاؤں گا۔'' انہوں نے طیش میں آ کر ریسور فون پر دے مارا تھا اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے پلٹے تو ٹھٹھک گئے تھے دھلے لٹھے جیسا چہرہ لئے ان کے عین پیچھے پروین کھڑی تھی۔

''وہ جی میں دودھ لائی تھی۔'' وہ جلدی سے تپائی پر ٹرے رکھ کر پلٹ گئی اور ہاشم شاہ بے دم سے ہو کر پلنگ پر گر گئے تھے۔

☆☆☆

آخر تھک ہار کر اماں جان نے کاظم کے ساتھ شوکت ماموں کی بیٹی کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ادھر سکینہ کی شادی بھی اس شادی کے ساتھ ہی ہونا تھی، سکینہ ان دنوں بہت نکھر گئی تھی بات بے بات مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری رہتی اور وہ چھوئی موئی سی گلابی کلی کی طرح شرمائی شرمائی بہت اچھی لگتی تھی، ہاشم شاہ، ہمیشہ اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتے، اماں اور کاظم دو بار لاہور ماموں کے گھر ہو کر آئے تھے مگر وہ نہیں گے تھے اور کاظم کا چہرہ بھی اس کی اندرونی خوشی کا غماز لگتا تھا، ہوتے ہوتے شادی کا دن آ پہنچا اماں جان کے قدم خوشی سے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے کہ ان کا میکہ زندہ ہو گیا تھا اور بیٹی کا مقدر جس سے وہ بالکل مایوس ہو چکی تھیں اچھی جگہ کھل گیا تھا، بارات بڑے شاندار طریقے سے لاہور کے لئے روانہ ہوئی اور سارے رسوم و رواج سارے شگن دھوم دھام

سے پورے کیے گئے، جس دن کاظم کا ولیمہ ہونا تھا اسی دن سکینہ کی بارات تھی ہاشم شاہ اپنے ہونے والے بہنوئی کی سردانہ وجاہت اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے تھے، اس کی شخصیت کا سلجھاؤ دیکھ کر انہیں اپنی بہن کی خوشیاں دائمی ہونے کا یقین سا آ گیا تھا، شام ڈھلے بارات واپس آئی، بڑے سے دلان میں عورتوں کا رش تھا ادھر ڈیرے پر مردوں کا سیلاب آیا ہوا تھا، کہ اماں جان نے ہاشم شاہ کو بلا بھیجا۔

''شاہ بیٹا اپنی بھابھی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دو اور منہ دکھائی دے دو۔''

''ٹھیک ہے اماں جان آپ دے دیجئے گا میری طرف سے۔''

''نہیں بیٹے یہ رسم ہے اور پھر میری خوشی بھی۔''

''ٹھیک ہے کتنے پیسے دوں؟''

''پیسے نہیں یہ لو۔'' انہوں نے موتیوں اور سونے سے بنی مالا ان کی طرف بڑھائی اور خود سونے کے بھاری کنگن انہیں دکھا کر بولیں۔

''میں بہو کو یہ دوں گی، تمہارے والی کے لئے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔'' ہاشم شاہ ان یاقوت جڑے سنہرے کندن کے کنگنوں کو دیکھتے رہ گئے ان کے تصور کے پردے پر وہ کلیوں سے شبنم سے دھلے ہوا تھ آ گئے کیسے لگیں گے یہ کنگن اس کی کلائی میں جو دودھ سی گوری اور سڈول تھی، وہ کنگن چھو کر دیکھ رہے۔

''بیٹا یہ میں پہناؤں گی آپ یہ مالا لے جاؤ۔''

''پروین شاہ آ رہے ہیں دلہن کا گھونگھٹ الٹ دینا۔'' انہوں نے دلہن کے پاس بیٹھی پروین کو ہانک لگائی جو نئی دلہن کے ساتھ جڑ کے بیٹھی ہوئی تھی اور صحن میں بیٹھی مختلف عمر کی عورتوں کی بھیڑ چھٹتی چلی گئی، ہاشم شاہ آرام سے راستہ بناتے ہوئے دلہن تک پہنچے، پروین نے لپک کر سرخ جھلملاتا ہوا گھونگھٹ پلٹ دیا، ہاشم شاہ دائیں طرف تھے اس سجے سنورے روپ میں انہیں دھوکا سا ہوا وہ بالکل سامنے آ کر مالا دینا ہی چاہتے تھے کہ زمین آسمان نظروں کے سامنے گھوم گئے دلہن کوئی اور نہیں ان کی اپنی تمنا تھی، یہ کیا ہوا کیسے ہو گیا ان کے کان سائیں سائیں کرنے لگے مالا چھوٹ کر نیچے گر گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گئے۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' اماں جان گھبرا کر بولی تھیں۔

''کہ...... کچھ نہیں اماں جان شاید گرمی کی وجہ سے چکر آ رہے ہیں تھوڑا آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف لپکے جیسے کوئی اپنی پناہ گاہ کی طرف بڑھتا ہے، وہ لرزتے قدموں کے ساتھ ڈگمگاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے آئے۔

''یہ کیا ہو گیا جسے میں سارے زمانے میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا وہ میرے گھر میں میری بھابھی بن کر نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا نہیں نہیں...... نہیں۔'' انہوں نے دیوار کو زوردار گھونسا مار کر اپنا ہاتھ زخمی کر لیا تھا، دونوں ہاتھوں سے دیوار پر یوں گھونسے برسا رہے تھے جیسے یہ دیوار نہیں ان کی تقدیر ہے جس کو وہ سدھار لیں گے یوں مار پیٹ کر کے نہ جانے دیوانگی میں وہ کیا کیا کرتے رہے اور پھر تھک کر گھر سے باہر نکل گئے نہ وہ ڈیرے پر گئے تھے اور نہ گھر رہے تھے ہر گمان و مکان سے آزاد ہو کر نجانے وہ کہاں کہاں بھٹکتے پھرے وہ اندھیری رات تھی چاند نہیں نکلا تھا اور ستارے حیران حیران سے آنکھیں پٹ پٹا کر اس انسان کو دیکھ رہے تھے جس کی جھولی میں قدرت نے بغیر کسی رکاوٹ کے اس کی متاع حیات ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا جسے اس نے خود ٹھکرا دیا تھا

digest library.com

اور اب حال سے بے حال ہوئے پھر رہا تھا ان کے ذہن میں اچانک گونجا تھا سچ ہے۔

''انسان جلد باز اور ناشکرا ہے؟''

''نہیں ہوں میں ایسا نہیں ہوں میں۔'' وہ ویران بیابان جگہ پر بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور آس پاس کے درخت سانس روک کر ان کی گریہ وزاری سن رہے تھے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ سید ہاشم علی شاہ ہے سجادہ نشین ایم ایس سی فسٹ ڈویژن لائق فائق اتنی سوجھ بوجھ رکھنے والے کہ بڑے سے بڑا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیں پر ایسے بے بس کہ'' نجانے کہاں سے کالی بدلی آ کر ان کے غم میں آنسو بہانے لگی ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے پر وہ جیسے ہوش میں آ گئے نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا اور وہ اس وقت کہاں تھے، اندازہ لگانے پر انہیں ادراک ہوا کہ وہ دو گاؤں چھوڑ کر نہر کے ساتھ والی زمین کے ''رکھ'' جنگل میں تھے، وہ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر سہارا لینے کے لئے قریبی درخت کو پکڑ کر اٹھے کپڑے جھاڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چل پڑے ان کا دل نہر میں کود کر جان دینے کو کر رہا تھا پر انہوں نے خود کو سمجھایا۔

''ٹھیک ہے صدمہ بہت بڑا ہے پر کل سکینہ کی بارات ہے اماں جان کیسے یہ برداشت کریں گی ابھی تو ان کے شریک حیات کی جدائی کا پھر رہی تھیں آج ہی کیسے ان کو دکھ دے دے۔'' وہ خود کو سمجھاتے بجھاتے گھر کی طرف چل دیے گھر سے کچھ فاصلے پر انہیں کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''اتنی رات گئے کیا ہوا ہے؟'' کچھ اور قریب جانے پر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو رونے پیٹنے کی آوازیں ہیں جو ان کے گھر سے آ رہی ہیں۔

''کہیں اماں جان میری وجہ سے تو پریشان نہیں ہیں؟'' انہیں شرمندگی سی ہوئی اور تیزی سے گھر کے اندرونی حصے کی سمت بڑھے، ان کے دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی بھیڑ انہیں راستہ دینے لگی۔

''شاہ جی آ گئے بڑے شاہ جی آ گئے۔'' ان کے کانوں میں آوازیں بڑھ رہی تھیں اور وہ اس ہجوم کے مرکز کی طرف جا رہے تھے جہاں سے اماں جان کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے سوال کیا اور پھر خود ہی چارپائی پر پڑی بے سدھ دلہن کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

''بیٹا سانپ نے ڈس لیا ہے بہورانی کو کچھ کرو بچے۔'' اماں جان پھپھک کر رو رہی تھیں اور ہاشم شاہ حیران رہ گئے اس دشمن جان کا رنگ نیلا ہو رہا تھا پھر بھی وہ جلدی سے بوٹی لائے اور اس کے بازو پر رکھنے لگے، مگر سانپ کا زہر ہوتا تو اترتا یا شاید وہ اپنی زندگی ہی اتنی لکھوا کر لائی تھی، انہوں نے نبض ٹٹولی اور موت کی تصدیق کر دی، ایک کہرام مچ گیا کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، ہاشم شاہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں، کاظم شاہ الگ غم کی تصویر بنے ہوئے تھے، اماں جان غش کھا کھا کر گر رہی تھیں، سب بری طرح پچھاڑیں کھا رہے تھے، ہاشم شاہ کو دنیا اندھیر ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، انہوں نے یہ تو کبھی بھی نہیں چاہا تھا کہ یوں ہو جائے، وہ اس دنیا سے ہی مونہہ موڑ جائے انہوں نے تو اسے گرم ہوا سے بھی بچا کر رکھنے کا سوچا تھا پر یہ کیا ہو گیا تھا، تہمینہ کے کفن دفن کے بعد وہ کاظم شاہ کے حجلہ عروسی میں آئے ان کا دل سانپ کے ڈسے کو نہیں مان رہا تھا وہ سائیڈ ٹیبل پر چائے کے دو خالی کپ پڑے ہوئے تھے جن میں کچھ چائے بچی پڑی تھی، نجانے ہاشم شاہ پر شدت غم کا الٹا اثر کیوں ہوا تھا ورنہ ان کا خیال تھا کہ تمنا سے

Digest Novels Lovers

بچھڑنے کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکیں یا ذہنی توازن تو کھو ہی دیں گے، پر یہاں معاملہ الٹ لگتا تھا وہ عجیب بے حسی کے انداز میں یہاں وہاں اس کی موت کا سراغ لگاتے پھر رہے تھے۔

انہیں اپنے دل کی جگہ پتھر کا گمان ہو رہا تھا جس کی پتھریلی زمین بے آب و گیاں صحرا کی طرح تشنہ لب رہتے رہتے جگہ جگہ سے تڑخ گئی ہو، انہوں نے اس بچی ہوئی چائے کو الگ الگ جگہ محفوظ کیا اور اس کا ٹیسٹ کروانے کی ٹھانے گھر سے نکل گئے، اگلے دن وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے چہرے سے گہری سوچ عیاں تھی تیور کچھ کر گزرنے کی طرف اشارہ کر رہے تھے، انہوں نے پروین کو بلایا اور کمرے میں جا کر اس کے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا ایک ہی دن میں پیلا سرسوں کا پھول ہو گئی تھی متورم آنکھیں بمشکل کھل رہی تھیں ہاشم شاہ تیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتے رہے۔

''تم نے تمنا کو زہر کیوں دیا؟''

''سائیں شاہ میں نے نہیں دیا۔''

''جھوٹ بولتی ہو؟'' ہاشم شاہ کے ماتھے کی رگ پھڑکنے لگی، آنکھوں میں بجلیاں سی کوند گئی ان کی آواز غصہ کرنے کی وجہ سے پھٹ سی گئی تھیں۔

''یہ بات لیبارٹری ٹیسٹ سے ثابت ہو چکی ہے۔'' پروین چپ چاپ پپڑی زدہ ہونٹوں کو جنبش دی دانتوں سے کتر رہی تھی۔

''میں پوچھتا ہوں تمنا سے تمہاری کیا دشمنی تھی کیوں تم نے اس کی جان لی۔'' ہاشم شاہ کی آواز شدت غم سے لرز سی گئی تھی۔

''شاہ سرکار میں نے تمنا بی بی کو نہیں مارا۔''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ چپ چاپ انگلیاں مروڑتی رہی۔

''تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری سزائے موت یقینی ہے؟''

''میں موت سے نہیں ڈرتی۔'' اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی بے خوفی تھی۔

''پھر مجھے صاف صاف بتاؤ۔''

''بڑی شاہ بیگم نے کہا تھا کہ دلہا دلہن کے میں چائے پہنچا دو۔''

''اور تم نے اس چائے کو زہریلا بنا دیا۔''

''میں نے تو کاظم شاہ کی پیالی میں وہ بوٹی ڈالی تھی نجانے کیسے پیالیاں بدل گئی تھیں۔''

''کیا تم نے میرے بھائی کی جان لینا چاہی تھی۔'' ہاشم شاہ بیٹھے سے کھڑے ہو کر چند قدم اس کی طرف بڑھے تھے ان کا دل رک گیا تھا یہ سن کر کہ پروین ان کے ماں جائے کو قتل کرنا چاہتی تھی۔

''پر کیوں؟''

''آپ نے کہا تھا کہ آپ اس بندے کو قتل کر دیں گے جس کی شادی تمنا بی بی سے ہو گی میں نے سوچا کہ اس طرح آپ کو سزائے موت ہو جائے گی آپ کی جان بچانے کے لئے میں نے یہ کام کر دیا تا کہ آپ کی جگہ مجھے وہ سزا مل جائے۔'' وہ خلا میں ایک نکتے پر نگاہ مرکوز کئے ہوئے تھی اور ہاشم شاہ ساکت رہ گئے تھے اس دیوانی نے صرف ان کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی، وہ بے دم سے ہو کر بستر پر گر پڑے اور پروین بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

''نجانے پیالیاں کیسے بدل گئیں کیسے؟''

اس رات ایک بار پھر شور اٹھا کہ پروین کو سانپ نے ڈس لیا ہے ہاشم شاہ کو بلوایا انہوں نے لاحاصل سی کوشش کی پر اس بار پھر سانپ نہیں تھا اور ہاشم شاہ جانتے تھے کہ اس کی موت کی وجہ کیا ہے اور ذریعہ کون سا ہے انہوں نے تہمینہ بیگم کے ساتھ ہی پروین کی قبر بھی بنوائی تھی سب لوگ

Digest Novels Corner

اسے ان کی اعلیٰ ظرفی کہہ رہے تھے مگر حقیقت تو صرف ہاشم شاہ اور ان کا خدا ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

"یہ سب پڑھنے کے بعد آپ جان گئے ہوں گے یہ اس کا مرکزی خیال میں ہوں میں ہوں وہ بدنصیب جس کی وجہ سے دو ہستیاں موت کے منہ میں چلی گئیں ایک کو میں نے ٹوٹ کر چاہا اور دوسری نے مجھے حد سے بڑھ کر چاہا، پر دونوں کو موت سے ہمکنار کرنے کی وجہ میں بنا۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ پروین کے سامنے میرا عشق ہیچ تھا میں سب پانا چاہ رہا تھا پر اس نے کھویا میں اپنے نام کے ساتھ شاہ لگاتے ہوئے بھی صرف پانا چاہتا تھا کھونے کا حوصلہ نہیں تھا مجھ میں اور وہ ذات کی کمی کمین ہو کر بھی اپنا سب کچھ ہار کر اپنے محبوب کو زندگی اور خوشی دان کرنا چاہتی تھی، ایسے خیالات جب حد سے زیادہ بے چین کرتے ہیں تو میں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر باہر نکل جاتا ہوں ان دونوں کی قبروں پر دیے جلاتا ہوں اور آنسوؤں کے چراغ بھی اس واقعہ کو بیس برس ہو چکے ہیں پر میرا زخم ابھی بھی اول روز کی طرح تازہ ہے

خوبصورت لڑکیوں کا دو دن میں زندگی ہار جانا اور رات وقت چراغ بھی وہ جن ہی جلاتے ہیں لیکن میں تو حقیقت سے واقف ہوں آج بھی قوالی کی لے تیز ہو رہی ہے اور تیز ہوا کے ساتھ وہ چراغ بجھنے کی بجائے اور بھڑک اٹھے ہیں، قوال وجد میں آ کر ایک ہی جملہ دہراتے جا رہا ہے۔"

اوکھے پینڈے عشق دے
تے لمیاں نے راواں عشق دیاں
کدی نہ مکدیاں سزاواں عشق دیاں

اور میری آنکھیں جل تھل ہو رہی ہیں

نجانے میری سزا کب ختم ہوگئی۔

☆☆☆

ابنِ انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلیے
- نگری نگری پھرا مسافر

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دلِ وحشی

طنز و مزاح

- باتیں انشاء جی کی
- دخل در معقولات
- آپ سے کیا پردہ
- بقلم خود

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

شہرِ تمنا کی خبر لانا

عائشہ مرتضیٰ

ابو کو بستر پر لیٹے لیٹے جانے کیا سوجھی اسے تایا کے ساتھ جانے کا حکم صادر فرما دیا، وہ حیران بھی تایا تو ابو کی عیادت کے لئے آئے تھے نا کہ اسے لینے کے لئے اور بھلا وہ ابو کو اس حالت میں چھوڑ کر جا بھی کیسے سکتی تھی اور پھر تایا کے گھر کا ماحول جہاں اسے تو سانس کی آمد و رفت بھی دشوار ہی لگتی تھی وہاں جا کر رہنا کس قدر مشکل تھا۔

اس کی پرورش خالص مذہبی ماحول میں ہوئی تھی، اس کے کچھ خاص نظریات اور خیالات تھے جن پر وہ سختی سے قائم تھی اور ابو اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی بیٹی وہاں مس فٹ ہی ہو گی مگر شاید انہیں اس کی تھکاوٹ اور مسلسل محنت کا خیال تھا جو وہ پچھلے تین ماہ سے کر رہی تھی۔

۱

ناولٹ

پہلے بی اے کے امتحانات کی تیاری پھر لگا تار پیپرز اور اس کے فوراً بعد ابو کی بیماری و تیمارداری وہ ابھی پیپرز دے کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ ابو کو دفتر میں بیٹھے بیٹھے شدید قسم کا درد اٹھا، انہیں تو ہسپتال سے اطلاع ملی، دونوں ماں بیٹیاں بدحواس و پریشان جو ہسپتال پہنچیں تو پتہ چلا ابو کو دل کا دورہ پڑا ہے، بس پھر وہ تھی اور آنسو ساری رات ابو کے سرہانے جاگتے اور انہیں اس حال میں دیکھ کر آنسو بہاتے گزر جاتی حالانکہ امی اور ابو دونوں ہی اسے سمجھاتے مگر جانے کیوں وہ حواس باختہ ہوئی جا رہی تھی، جب بیساکھی ایک ہی ہو تو اس کے ٹوٹ جانے کا تصور ہی حواس باختہ کرنے کو کافی ہوتا ہے۔

اور پھر ایک ہفتے بعد ابو ڈسچارج ہو کر گھر واپس آ گئے، تایا ابو اور تائی اماں دو تین بار انہیں دیکھنے آئے، اب وہ تیزی سے روبصحت تھے، مگر وہ پھر بھی پریشان اور خوفزدہ تھی، حالانکہ ابو بار بار کہتے میری بیٹی تو نماز پڑھتی ہے اور نماز پڑھنے والے کبھی پریشان نہیں ہوتے مگر وہ جو بے یارو

مددگار رہ جانے کا خوف اس کی روح سے چمٹ گیا تھا، اس کے طویل سجدے بھی اسے اس خوف سے نجات نہ دلا سکے۔

اور اب جب تایا تقریباً ایک ماہ بعد بھائی کو دیکھنے آئے تو ابو نے ایک نئی ہی بات کہہ دی کہ وہ ان کے ساتھ چلی جائے، اس نے بہتیرا انکار کیا مگر دونوں بھائیوں نے ایکا کر لیا اور اسے تیار ہوتے ہی بنی، یہ نہیں تھا کہ تایا اچھے نہ تھے، تایا ابو میں تو اسے ابو کی جھلک نظر آتی تھی مگر ان کے گھر کا آزاد ماحول اور پھر دو عدد لڑکوں کی موجودگی اسے خائف کر رہی تھی اور لڑکے بھی وہ جو ہر معاملے میں اس سے آگے تھے وہ تو ان کے سامنے بالکل پینڈو اور جاہل تھی۔

چلتے وقت ابو نے صرف اتنا کہا تھا۔

”بیٹا تم میری زندگی کا واحد سرمایہ ہو، تمہاری تربیت میں ہم دونوں میاں بیوی نے اپنی جان ماری ہے اور خدا کا شکر ہے ہم نے تمہارے لئے جیسا سوچا تھا تمہیں ویسا ہی پایا، جن لوگوں کے درمیان تم جا رہی ہو وہ آزاد ماحول کے پروردہ ہیں ان کے اپنے رنگ ہیں اور ہمارا اپنا انداز فکر ہمیں ان کے رنگ میں نہیں رنگنا یہ طے شدہ بات ہے، باقی کسی چیز کو اپنانا نہ اپنانا تمہاری مرضی ہے ہماری تربیت نے تمہیں اتنا شعور تو دیا ہے کہ تم برے بھلے کی تمیز کر سکو، بیٹا مجھے یقین ہے تم بھلائی کا سودا کرو گی، بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔“

”ابو جب تیز ہوا چلتی ہے تو تناور درخت کی شاخیں ہلا تو سکتی ہے مگر اسے جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتی، میری جڑیں بھی اپنی روایات کی زمین میں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں، نئی ہوائیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔“ اس نے ابو کے ساتھ ساتھ خود کو بھی یقین دلایا اور تایا ابو کے ساتھ آ گئی۔

تایا کے تین ہی بچے تھے، ایک بیٹی جو کہ شادی شدہ تھی پھر ایک بیٹا ہشام اور دوسرا بیٹا حسام، بہت عرصہ پہلے جب کہ وہ خود بھی جوان تھے، اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر شہر آ گئے تھے، یہاں کاروبار خوب پھیلا روپے کی ریل پیل تھی کسی چیز کی کمی نہ تھی اور جو کہا گیا ہے کہ دولت کی موجودگی بھی دراصل ایک آزمائش ہی ہوتی ہے تو درست ہی تھا، وہ خود ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے مگر آسائشات اور بے تحاشا دولت نے ان کی اولاد کو مذہب سے بے گانہ کر دیا تھا، اب ان کے لباس سے لے کر انداز فکر تک سب کچھ مغربیت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا مذہب ان کے نزدیک صرف ”ذاتی“ اور پارٹ ٹائم جاب کی طرح تھا، بلکہ ان کی زندگی میں مذہب کی اہمیت پارٹ ٹائم جاب کی سی بھی نہ تھی اور شاید تایا کو ان کے اس مذہبی زوال کی کوئی فکر نہ تھی، وہ بھی شاید بہت عرصہ پہلے نوٹ گنتے گنتے مذہب کو ”ذاتی معاملہ“ قرار دے چکے تھے۔

اس کے برعکس جمال صاحب نے اپنے آبائی گاؤں کو ترجیح دی وہ مقامی اسکول میں پڑھاتے تھے، ترقی کرتے کرتے ہیڈ ماسٹر ہو گئے، ان کی ساری زندگی کا سرمایہ عائشہ جمال تھی، ان کی ساری محبتوں اور کوششوں کا محور، ان کا ذہن شروع سے ہی مذہب کی طرف مائل تھا اور اسی رنگ میں ان کی بیٹی رنگی ہوئی تھی، انہوں نے ہمیشہ سے اپنی بیٹی کو اپنے بھائی کے گھر سے دور ہی رکھنے کی کوشش کی تھی، اس لئے کہ وہاں سب کچھ وافر اور بے حساب تھا اور وہ اپنی بیٹی کو قناعت کا درس دینا چاہتے تھے، سو انہوں نے اسے وہ کچھ مہیا کیا جو بنیادی ضرورت تھا، مگر اس بنیادی ضرورت کو کبھی اسراف میں نہیں بدلنے دیا، معلوم نہیں انہوں نے اس کے ساتھ بھلا کیا یا برا، اس لئے کہ تایا کے گھر آ کر بہت شدت سے اسے احساس ہوا وہ یہاں بالکل مس فٹ ہے، ان

Digest Novels Lover Group

کے گھر تو ایسی ایسی چیزیں تھیں، جنہیں اسے برتنے کا طریقہ تک معلوم نہ تھا، دولت کی اس قدر ریل پیل تھی کہ وہ حیران رہ گئی بھلا کسی کے پاس اتنی دولت بھی ہو سکتی ہے اور ایک ہم ہیں اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئی۔

ابو کہتے تھے کسی چیز پہ بھلا اتنا بھی کیا حیران ہونا کہ وہ حیرانگی حسد اور احساس کمتری میں تبدیل ہو جائے اور بھلا ان کے پاس کس چیز کی کمی تھی، چاہتے تو وہ بھی شاہانہ زندگی گزار سکتے تھے، مگر ان کے پاس قناعت کی دولت تھی جو تایا کے گھر میں مفقود تھی۔

تایا کے گھر میں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ سات آٹھ سال پہلے تھا، ہاں البتہ گھر کی عمارت میں مزید اضافہ ہو چکا تھا، تائی اماں مزید فیشن ایبل اور سیاستدان ہو چکی تھیں روحینہ آپی کی منہ زوری اور فیشن کا تو خیر قصہ ہی الگ تھا، وہ میاں کے گھر میں بھی اور ماں باپ کے گھر میں بھی بیک وقت حکومت کر رہی تھیں، وہ بے حد بااعتماد تھیں، تعلیم یافتہ تھیں پھر باتیں بنانے اور دوسروں کو مرعوب کرنے کا فن جانتی تھیں، ہر کوئی ان کے اشارہ ابرو کا منتظر رہتا، شوہر کی شخصیت کو بھی انہوں نے دبا رکھا تھا، کسی زمانے میں روحینہ آپی کا شوہر تایا کی فیکٹری میں منیجر تھا روحینہ آپی نے اچانک اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا، سب حیران تھے سب کا خیال تھا وہ تو کوئی اونچا ہی ہاتھ ماریں گے، مگر اس کے برعکس انہوں نے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو اُن کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ اگر وہ کسی اپنے جیسے شخص کے ساتھ شادی کرتیں تو یقیناً ان کی شخصیت پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا، کسی نہ کسی حوالے سے انہیں ضرور نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ان کی دلچسپیوں اور منہ زوری میں رکاوٹ بنتا مگر ان

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء
- اردو کی آخری کتاب
- خمارِ گندم
- دنیا گول ہے
- آوارہ گرد کی ڈائری
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلیے
- نگری نگری پھرا مسافر
- خط انشاء جی کے
- اس بستی کے اک کوچے میں
- چاند نگر
- دل وحشی
- آپ سے کیا پردا

ڈاکٹر مولوی عبد الحق
- قواعد اردو
- انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ
- طیف نثر
- طیف غزل
- طیف اقبال

لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

کے موجودہ شوہر میں تو اتنی بھی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی بیوی سے یہی پوچھ لیتا کہ وہ جا کہاں رہی ہیں اور کب تک آئیں گی۔

تایا نے روحینہ کا جائیداد میں سے حصہ الگ کر دیا اور شادی کے موقع پر انہیں دے دیا، کاروبار خالد کے حوالے کر دیا اور رہنے کے لئے ایک کوٹھی بھی دے دی، بس خالد صاحب کو اور کیا چاہیے تھا، انہیں اپنی توقع سے زیادہ مل گیا تھا اور اس کے بدلے میں انہیں تھوڑی سی جی حضوری ہی تو کرنا تھی اور یہ سودا کچھ ایسا برا نہیں تھا، ہشام اور حسام جو کسی سے کسی بھی معاملے میں کم نہیں تھے، وہ بھی اپنی بڑی بہن سے دبتے تھے اور ان کی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے تھے۔

جو بات عائشہ جمال نے آتے ہی محسوس کی وہ یہی تھی، پہلے پہل تو وہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی، ایک تو وہ ایسے ماحول کی عادی ہی نہیں تھی پھر دو عدد لڑکوں کی موجودگی جن سے بہت کم ملاقات رہی ہو اور جو ہر دوسری بات پکڑنے کے عادی ہوں، ان کا سامنا بہت مشکل تھا شام کو کھانے کے لئے تایا جی نے اسے آواز دی۔

''ابو رہنے دیں وہ تہجد کی نماز پڑھ رہی ہوں گی۔''

پتہ نہیں کہنے والا کون تھا مگر دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک ضرور تھا اسے غصہ آ گیا بھلا وہ یہاں یوں بے عزتی کرانے آئی تھی، اوپر سے انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کے نو بجے تہجد کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

اسے یاد تھا سات آٹھ سال پہلے جب وہ آئی تھی تو دونوں بھائیوں نے مل کر اس کا خوب مذاق اڑایا تھا، اس کی کمزوری یہ تھی کہ وہ کوئی بھی غلط بات اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی؛ جب کہ انہیں دنوں ابو نے اسے بتایا تھا کہ ہم تو امت وسط ہیں، جن کا اہم فریضہ ہی یہ ہے کہ وہ برائیوں سے روکتے ہیں اور اچھائی کا پرچار کرتے ہیں اور پھر بھلا اپنے کزنز کے گلے میں جھولتی سونے کی موٹی زنجیروں اور ریشمی کپڑوں سے کیوں نہ خائف ہوتی اور پھر اس وقت اس کی عمر ایسی تھی، جب انسان بہت ساری مصلحتوں سے آزار ہوتا ہے، بس سچ کہنا جانتا ہے سو اسے جو بات بھی غلط لگتی تو وہ فوراً کہہ دیتی اور پھر جو اس کا مذاق بنتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے لیکن وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑتے۔

اب اس نے یہی سوچا تھا نہ ان کے سامنے جائے گی نہ کوئی غلط بات دیکھے گی نہ اسے ٹوکنے کا خیال آئے گا، نہ مذاق بنے گا مگر تایا جی کا کہنا ٹالنا بھی بہت مشکل تھا سو اسے اٹھ کر جانا پڑا، وہ سب کو سلام کر کے بیٹھ گئی اور سر جھکا کر کھانے لگی سبھی کھانے میں مصروف تھے، سوائے روحینہ آپی کے سبھی موجود تھے، اگرچہ وہ اکثر و بیشتر یہیں پائی جاتی تھیں مگر آج شاید کہیں اور مصروف تھیں، بہت ممکن تھا خالد صاحب کی کھچائی کر رہی ہوں کیونکہ انہیں لوگوں کی طبیعت صاف کرنے کا بہت شوق تھا۔

''میں تو پکڑ کے طبیعت صاف کر دیتی ہوں بندے کی۔'' یہ ان کا پسندیدہ جملہ تھا، جو وہ ہر محفل میں ضرور بولا کرتیں۔

سامنے تائی اماں (افوہ انہوں نے کتنی بار سمجھایا کہ مجھے تائی اماں نہیں آنٹی کہا کرو مگر پھر بھول جاتی تھی) موجود تھیں، بہترین میک اپ میں غالباً کسی پارٹی میں یا شاید کلب جا رہی تھیں، چلتے چلتے دو لقمے لینے بیٹھ گئیں۔

''ایک میری امی ہیں۔'' اس کا خیال اپنے گھر کی جانب مڑ گیا قناعت صبر اور برداشت کا مرقع اس مصنوعی پن سے کوسوں دور، کیسی محبت کی چاشنی ہوتی ہے ان کے لہجے میں ان کے چہرے پر کسی بھی حال میں کسی سے بھی بدگمان نہ

Digest Novels Lovers

ہونے والی۔

اس نے بہت کچھ ابو سے سیکھا تھا، مگر صبر و برداشت اور ہر کسی سے محبت کرنے والی عادتیں اپنی ماں سے ورثے میں پائی تھیں اور تائی اماں تو یوں لگ رہا تھا، جیسے کسی آفس کی سیکریٹری ہوں ابھی وقت ختم ہوا تو بڑی بے گانگی سے اٹھ کر چلی جائیں گی، پیچھے چاہے کام کتنا ہی ادھورا کیوں نہ ہو۔

دوسری طرف تایا جی بیٹھے تھے اپنے کاروبار میں بے حد و حساب مصروف یہاں تک کہ اپنی اولاد کا مذہب اور اخلاق تک داؤ پر لگا دیا، گھر میں قدم رکھا بھی تو نوٹ دینے کے لئے۔

"سنیے آپ جلدی جلدی کھانا کھائیں، آپ کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہو گا۔" صاف پتہ چل رہا تھا، ہشام صاحب مذاق کے موڈ میں ہیں۔

"اونہوں ہشام مت تنگ کرو عائشہ کو کھانا کھانے دو اسے۔" تایا جان نے ہلکی سی سرزنش کی۔

"پاپا میں تو ان کے فائدے کی بات کر رہا تھا۔" وہ سر جھکا کر کھانا کھانے لگے اور پھر اس نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اب کی بار وہ دوسرے بھائی کے کسی مذاق کا نشانہ بنے، حسام اس سے تقریباً ایک ڈیڑھ برس چھوٹا تھا، مگر پھر بھی اس پر پھبتیاں کسنے سے باز نہیں آتا تھا، ان کے لئے یہ ساری چیزیں عجیب تھیں اور پھر جس طرح وہ ان سے گریز پا رہتی تھی، یہ بات انہیں اور زیادہ مذاق پہ اکساتی تھی، اس مرتبہ جب اس نے ہشام کو دیکھا تو وہ خاصے سنجیدہ لگ رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے اب وہ ایک ذمہ دار بزنس مین تھے مگر پھر بھی وہ اسی سے مذاق کرنا نہیں بھولے تھے۔

ابھی اس نے مغرب کی نماز شروع ہی کی تھی کہ جانے گھر کے کس حصے سے انتہائی خوفناک موسیقی کی آواز بلند ہوئی اس نے گھبرا کر نیت توڑ دی، بھلا اس ہنگامے میں نماز ممکن تھی، دو تین منٹ تک تو اس نے انتظار کیا کہ شاید کسی کو رحم آ جائے اور یہ آواز بند ہو جائے مگر پھر اسے اٹھنا ہی پڑا، پتہ چلا ہشام صاحب ابھی ابھی گھر تشریف لائے ہیں اور میوزک سے تھکاوٹ دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"کمال ہے یہ موسیقی تو اعصاب چٹخائے دے رہی ہے، تھکاوٹ کیا دور کرے گی۔" اس نے حیرانی سے سوچا اور دروازہ بجا دیا، بھلا اس قیامت کے شور میں کیا آواز سنائی دیتی، مجبوراً اسے خود ہی دروازہ کھولنا پڑا، وہ مست نظر آ رہے تھے۔

"آپ کو معلوم ہے کہ جس موسیقی میں آپ مست ہیں، وہ ہمارے مذہب میں حرام ہے۔" اس نے ڈائریکٹ بات کرنے کا فیصلہ کیا، پہلے تو وہ اس کی آواز سن کر حیران ہوئے بھلا وہ ان سے کب مخاطب ہوئی تھی، اس کی ان کے کمرے میں موجودگی حیران کن بات تو تھی ناں۔

"بھئی یہ تو روح کی غذا ہے جسے آپ حرام قرار دے رہی ہیں۔" انہوں نے اپنی حیرانی پہ قابو پا لیا تھا۔

"کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ایسی حرام چیزیں ہماری روح کی غذا بن چکی ہیں، پھر بھلا ہمیں کس بھلائی کی امید ہے، ہم پھر کیوں مذہب اور خلاق کی بات کریں جب حرام ہماری روحوں میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ ہمیں حرام اور حلال کی پہچان ہی نہیں رہی، مسئلہ یہ نہیں ہوتا کہ آپ جرم کر رہے ہیں، مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ آپ جرم کریں اور اسے جرم نہ سمجھیں بلکہ طرہ امتیاز سمجھیں۔"

Novels Digest

شدت جذبات سے اس کی آواز پھٹی جا رہی تھی سو اسے واپس آنا پڑا اور وہ تو اپنی جگہ حیران تھے، اتنی لمبی بات بلکہ تقریر بھلا کب سنی تھی انہوں نے اس کے منہ سے، انہوں نے ڈیک آف کر دیا اور کافی دیر تک اس کے فقروں پر غور کرتے رہے، کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا تھا اس نے واقعی یہ بات شاید اتنی شرم ناک نہیں ہے کہ آپ جرم کریں بلکہ اس سے زیادہ شرمناک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ آپ جرم کریں اور اس پر شرمندہ بھی نہ ہوں۔

آنٹی کو کسی پارٹی میں جانا تھا، ساتھ اسے بھی گھسیٹ لیا، بقول ان کے وہ گھر میں گھسی بور ہو رہی تھی، بھلا کیا فائدہ ہوا یہاں آنے کا، لیکن وہاں جا کر وہ خود سے بھی شرمندہ ہوتی رہی، بار بار خود کو الزام دیتی رہی، کبھی کبھی کسی کے کہے میں آ کر انسان خود پہ کتنا بڑا ظلم کر ڈالتا ہے اور پھر خود سے بھی شرمندہ ہوتا ہے اور خدا سے بھی اور یہاں تو سب کچھ اس کے مزاج کے خلاف تھا، مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ تھے، خوش گپیوں میں مصروف کسی کی بیوی کسی کا شوہر ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی مسلسل کوشش میں مصروف، عورتیں اپنے جسم سے بے نیاز کپڑے انتہائی باریک دوپٹے گلے کے ساتھ چپکے ہوئے ننگے بازو مردوں پر اپنے علمیت اور حسن کا سکہ جمانے کی فضول اور لاحاصل کوشش اور اس نے کہیں پڑھا تھا، عورت مرد سے اس لہجے میں بات کرے کہ مرد کو دوبارہ اس سے بات کرنے کی جرأت نہ ہو مگر یہاں تو کہانی ہی دوسری چل رہی تھی۔

وہ چند منٹوں میں ہی گھبرا گئی جیسے دم گھٹنے لگا، حالانکہ وہ گھر سے خود کو سمجھا کر چلی تھی اسے آپی اور آنٹی کی باتوں پر کسی حد تک عمل کرنا چاہیے تھوڑا بہت مکس ہونے میں کیا حرج ہے، دراصل وہ بھی اسی دنیا سے تعلق رکھتی تھی، ماحول اس پر بھی اثر انداز ہوتا تھا، وہ اپنی الگ مسجد بنا کر نہیں بیٹھ سکتی تھی، لوگوں میں گھلنا ملنا چاہتی تھی، کسی کے لئے ہوا نہیں بننا چاہتی تھی، مگر یہ کیا ظلم تھا کہ وہ قدم قدم چل کر آگے بڑھتی مگر پھر ایک ہی چھلانگ میں واپس کر اپنے خول میں پناہ لینی پڑتی۔

آج پارٹی میں شرکت اسی کوشش کا ایک حصہ تھی مگر یہاں آ کر اسے اپنے آپ پہ اتنی شرم آ رہی تھی کہ کتنی ہی بار خود پہ نفرین بھیج چکی تھی، ابا اسے اس محفل میں دیکھ لیں تو بھلا کیا سوچیں وہ سارا وقت خود سے منہ چھپاتی رہی۔

"تمہارے پاس کیا کپڑے نہیں ہیں۔" عائشہ آپی نے اپنے بیٹے کو تھپکتے ہوئے ناقدانہ انداز میں پوچھا۔

"بھئی جب سے آئی ہو ان ہی دو چار جوڑوں میں دیکھ رہی ہوں، ہیں ہی نہیں یا پہنتی نہیں ہو۔" انہوں نے اس کی حیرانی دور کی۔

"ہاں بس یہی دو چار جوڑے ہی ہیں، دراصل کبھی اس سے زیادہ کی ضرورت ہی نہیں پڑی انہی دو چار جوڑوں میں ضرورت پوری ہو جاتی ہے؟" وہ سادگی سے بولی۔

"حیرت ہے ممی یہ لڑکی کس دنیا میں رہتی ہے آج کے دور میں بھلا تین چار جوڑوں میں کس کا گزارا ہوتا ہے، ہاں بھئی خریدنے کو پیسے بھی تو چاہئیں اور چچا صاحب نے تو ساری عمر ماسٹری ہی کی حالانکہ ابو نے کتنا زور لگایا۔" اب ان کا انداز تضحیک اڑانے والا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" وہ شدت جذبات سے بول نہیں پا رہی تھی۔

"ابو کبھی بھی ان چھوٹے چھوٹے معاملات میں نہیں ٹوکتے مجھے، انہیں اپنی تربیت پہ اعتماد

Digest Novels Lovers group

ہے انہیں بار بار ٹوکنا یا کہنا نہیں پڑتا، مجھے بھی اچھے کپڑوں کا شوق ہے اور میں خرید بھی لیتی ہوں، پہن بھی لیتی ہوں مگر مجھے پھر یہ احساس جرم ستانے لگتا ہے کہ میں نے اچھے کپڑے چاہے اور حاصل بھی کر لیے، مگر وہ بھی تو لوگ ہیں جن کے پاس اچھے تو کیا برے کپڑے بھی نہیں ہے پھر انہوں نے کیا جرم کیا ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور میں نے کیا کارنامہ کیا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے۔''

''آج سے چار پانچ سال پہلے جب میرا چوتھے سے پانچواں جوڑا بنتا تھا، تو امی کو الجھن ہونے لگتی تھی اور مجھے ہنسی بھی آتی تھی اور غصہ بھی کیا امی نہیں چاہتیں کہ میں اچھے کپڑے پہنوں مگر اب آکر پتہ چلا ہے کہ وہ مجھے قناعت پسند بنانا چاہتی تھیں، بہت سارے کی موجودگی میں بھی تھوڑے پر قناعت، آپ کے پاس جو کچھ ہے اگر آپ اس میں سے کسی محروم کا حصہ نہیں نکال سکتے تو کم از کم دل میں تو ان کی محرومی کا احساس کر سکتے ہیں ناں اور خود کو بے جا اسراف سے روک سکتے ہیں اور میں نے جب سے آپ کی سوٹوں سے بھری وارڈ روب دیکھی ہے مجھے یہیں خوف ستائے جا رہا ہے کہ جو لوگ اپنا تن نہیں ڈھانک سکتے کہیں ان کی عریانی کا حساب آپ سے نہ لیا جائے۔''

اپنی بات کہہ کے وہ رکی نہیں بلکہ الٹا آپی کو کٹہرے میں کھڑا کر کے تیزی سے باہر نکل آئی کہ بہر حال دوسرے لوگوں کی طرح اس پر بھی آپی کا اثر تھا، آج پہلی بار اس نے مزاحمت کی تھی، شاید یہ اس کی عادت تھی کہ غلط بات پر ٹوک بھی دیتی تھیں اپنی عادت سے مجبور ہو کر اور پھر بعد میں شرمندہ بھی ہوتی کہ کیوں کہہ دیتی ہے، بہتر ہے خاموش رہا کرے، آج کل کسی کو نصیحت کی ضرورت نہیں، بیوقوف ترین آدمی بھی اپنے تئیں بہت عقلمند ہے، سو اب بھی وہ پچھتا رہی تھی، کیا ضرورت تھی ایسا کہنے کی انہی کے گھر میں بیٹھ کر انہی کو سنا آئی، کیا سوچتی ہوں گی وہ اب تو وہ سنجیدگی سے واپسی کے ارادے پر غور کر رہی تھی، ابو نے دو ایک بار فون کیا تھا، اب وہ بالکل ٹھیک تھے، اب اس کا دل بھی چاہ رہا تھا کہ گھر چلی جائے یہ طے شدہ بات تھی کہ یہاں آنے کی غلطی پہلی اور آخری تھی، آئندہ چاہے کوئی کچھ کہے وہ یہاں نہیں آئے گی اور اب کسی کو کسی بات پہ ٹوکنا تو ہے ہی نہیں، مگر اس کا یہ عہد چار گھنٹے بھی اس کا ساتھ نہ دے سکا۔

شام کو شاید سب ٹی وی لاؤنج میں جمع تھے کہ ملازمہ اسے بلانے آ گئی، تایا جی نے بلایا تھا۔

''بیٹا سب میں آکر بیٹھا کرو۔'' انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بہت محبت سے کہا۔

''یوں الگ تھلگ رہنا ٹھیک نہیں، یہاں آئی ہو تو انجوائے کرو، مجھے پتا ہے میری بیٹی بہت مذہبی ہے مگر بیٹا مذہب یہ تو نہیں کہتا کہ خوشیاں خود پر حرام کر لو، دیکھو سب یہاں جمع ہیں اور تم اپنے کمرے میں ہو، جمال نے تمہیں یہاں اس لئے تو نہیں بھیجا تھا کہ تم یوں خاموش ایک طرف بیٹھی رہو، انجوائے کرو زندگی، مذہب اپنی جگہ ہے اور انجوائے منٹ اپنی جگہ ہے، کوئی فلم دیکھ لیا کرو، اپنی آنٹی کے ساتھ کسی پارٹی میں چلی جایا کرو ہشام یا حسام کے ساتھ باہر جا سکتی ہو۔''

''تایا جی مذہب اور پھر اس کے بعد اس قسم کی انجوائے منٹ ایسی ہی ہے کہ کوئی بہترین کھانا پکھائے اور پھر اس میں کیچڑ سے بگھار لگا دے، یہ گھٹیا فلمیں دیکھنا خاصا صبر آزما مرحلہ ہے بلکہ اپنی ذہن و روح پہ ظلم ہے، ان لغو اور فضول محفلوں میں جانے سے بہتر ہے کہ انسان کونے میں بیٹھ کر خود اپنے آپ سے مل لے اور تایا،

ہشام اور حسام میرے لئے ایسے ہی ہیں کہ جیسے کوئی بھی راہ چلتا آدمی اور میں کسی راہ چلتے آدمی پر کیسے اعتماد کر سکتی ہوں۔"

"کیا سوچ رہی ہو بیٹا۔" تایا جی نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا اس نے چونک کر انہیں دیکھا، جیسے بہت دور سے واپس آئی ہو۔

"کچھ نہیں۔" اس نے ان کی توجہ ہٹانے کو ٹی وی پر نگاہیں جما دیں، جہاں کوئی فلمی اداکارہ اپنے بندر ناچ کے ذریعے جانے کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ اتنی تیزی سے ناچ رہی تھی کہ یوں لگ رہا تھا کہ کسی نے بڑی سی مشین میں بہت سارے مناظر موسیقی اور ایک عدد لڑکی کو ڈال کر پھینٹ ڈالا ہو تھوڑی دیر بعد اسے تایا جی خوش رہنے اور انجوائے کرنے کی تاکید کر کے اٹھ گئے۔

"ہائیں تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" یہ ہشام تھے جو ابھی ابھی کہیں سے آئے تھے۔

"ابھی پرسوں ہی تو تم مجھے اس بات پر اتنا لمبا لیکچر دے کر آئی تھیں کہ موسیقی حرام ہے اور آج خود بھئی یہ نہیں چلے گا دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت چلو بھاگو یہاں سے۔"

"ہشام۔" تائی امی کی تنبیہی آواز پر انہیں خاموش ہونا پڑا، ورنہ وہ تو ابھی اور بھی بہت کچھ کہتے۔

"کیا کیا کہہ رہی تھی، عائشہ تم سے۔" آپی کو جانے کیوں تجسس ہوا۔

"بھئی یہی کہ موسیقی حرام ہے۔" ہشام کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

"بھئی یہ اختلافی مسئلہ ہے اس پہ نہیں بولنا چاہیے۔" آپی نے بڑے آرام سے جان چھڑا لی۔

"اب یہ آ گئی ہیں دیکھیے کیا کیا حرام ٹھہرتا ہے اس گھر میں۔" ہشام بھائی خاصے استہزائیہ انداز میں بولے اور ایسا کہتے ہوئے انہوں نے خاص طور پر اپنی سونے کی چین اور سلک کے سوٹ پہ نظر ڈالی، اسے یوں لگا جیسے وہ اس کا نہیں مذہب کا مذاق اڑا رہے ہوں اور یہ بھلا اسے کہاں برداشت ہونا تھا۔

"آپ آخر کب تک ان ساری باتوں کو اختلافی مسئلے کہہ کر جان چھڑاتے رہیں گے، موسیقی روح کی غذا ہے ایمان دل میں ہوتا ہے پردہ آنکھ کا ہوتا ہے مذہب ذاتی معاملہ ہے کیا بنے گا اس قوم کا۔"

پچھلی قومیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ جو چیزیں ان کی مرضی کی ہوتی تھیں انہیں اپنا لیتے تھے اور جو چیز مرضی کی نہیں ہوتی تھی اسے سنتے ہی نہیں تھے ہماری بھی یہی حالت ہے اگر کوئی کسی سے کہہ بیٹھے کہ جہیز نہ دو یہ تو ایک لعنت ہے تو کہا جاتا ہے نہیں بھئی یہ تو سنت ہے مردوں کو یہ بات بڑی اچھی طرح یاد رہتی ہے کہ انہیں چار شادیوں کی اجازت ہے یہ کبھی یاد نہیں رہا کہ انصاف بھی کرنا ہے بھلا کیوں یاد رہے یہ بات ان کے حق میں جو نہیں۔

عورتوں کو صرف یہ یاد ہے کہ ان کے پیروں تلے جنت ہے یہ نہیں یاد کہ انکے کچھ فرائض بھی ہیں، جن کی ادائیگی کے بعد ہی یہ اعلیٰ مقام ملتا ہے آخر ہم کب تک حقوق کے پیچھے دوڑتے رہیں گے اور فرائض کو اختلافی مسئلہ کہہ کر اپنی گردن بچاتے رہیں گے، آخر ہم کب تک کبوتر بنے رہیں گے کہ نہ آنکھیں کھولیں گے نہ خطرہ نظر آئے گا، نہ اچھی بات سنیں گے نہ اس پر عمل کرنا پڑے گا اور قیامت کے دن معصوم بن جائیں گے کہ ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔

یہ دوسرا وار تھا جو اس نے آپی پر کیا تھا اور اس کے بعد اٹھنے میں دیر نہیں لگائی، یہ نہیں تھا کہ اسے مذہبی فلسفہ جھاڑنے کا شوق تھا، حقیقت یہ تھی کہ اسے دوسرے موضوعات پر باتیں کرنی بھی

Novels Lovers Digest

آتی تھیں مگر اس کے انداز و اطوار دیکھتے ہوئے اسے محض اسی حوالے سے چھیڑا جاتا اور یہ حوالہ ایسا تھا جس پر وہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی، حالانکہ بعد میں اسے شدید افسوس ہوتا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ نہ کہہ کر بھی وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی، اپنا خون جلاتی رہتی تھی مگر کہنے کے بعد کسی کا دل دکھانے کا جرم بھی شامل ہو جاتا اور پھر آپی جیسی شخصیت کے سامنے کچھ کہنا تو اور بھی مشکل تھا بعد میں وہ کتنی ہی دیر تک روتی رہی۔

بہر حال اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ یہ جنگ طول پکڑ جائے اسے واپس چلے جانا چاہیے انہیں کے گھر میں انہی پر باتیں بنائے چلی جا رہی تھی، پھر اسے آپی کی بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی، وہ مستقل ماں باپ کے گھر کیوں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہیں، اگرچہ یہ خود غرضانہ سوچ تھی، وہ ان کے ماں باپ کا گھر تھا مگر اسے ان کے شوہر پر ترس آتا ہے جو کہ لگتا تھا آپی کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے پیدا ہوئے ہیں، صبح و شام آپی کے حضور حاضری دینا ان کا فرض تھا، بچہ زیادہ تر انہی کے پاس رہتا، کیونکہ آپی کو پارٹی میں جانا ہوتا تھا، اسے تو بچے پر بھی ترس آتا جو ماں کی موجودگی میں بھی بے ماں کا لگتا تھا، پتہ نہیں بڑا ہو کر کس کس احساس محرومی کا شکار ہونے والا تھا باپ اس قدر دبو تھا اور ماں اس قدر نڈر اور بے باک تھی۔

آپی کا بھائیوں کے ساتھ جو معاملہ تھا وہ بالکل ہی الگ نوعیت کا تھا، ایک دن انہوں نے ہشام سے کہا۔

"یہ تم ثنا رحیم کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے کسی کام کی نہیں ہے چھچھوری۔"

"روحینہ جب وہ احمق اور نکما فہیم تمہارے پیچھے پڑا ہوا تھا تو یہ مشورہ تم نے اسے کیوں نہ دیا۔" ہشام بھائی کہ جواب پہ اسے بے حد شرم آئی وہ چپکے سے وہاں سے کھسک آئی آپی کی سرگرمیاں بھی انہی جیسی تھیں، وہ حقوق نسواں کی بہت بڑی علمبردار تھیں، دوپٹے کی رسی سی بنا کر گلے میں ڈال کر سلیولیس قمیض پہن کر جب وہ نعرے لگاتیں تو ان نعروں میں بڑا اثر ہوتا، دیکھنے والے کے دل پر براہ راست اثرات مرتب ہوتے، ان کا کہنا تھا کہ عورت کو شادی کی زنجیر میں جکڑ کر گھر بٹھا دینا اور بچے پالنے کی ذمہ داری لگا دینا عورت کی صلاحیتوں کے ساتھ زیادتی ہے عورت کی صلاحیتوں کو بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لئے اتنا ہی استعمال کرنا چاہیے جتنا کہ مرد کی صلاحیتیں قابل اعتماد سمجھی جاتی ہیں اور ایسا کہتے وقت وہ یہ بھول جاتی تھیں، کہ گھر ہو گا تو معاشرہ بنے گا گھر ہی نہ ہوا تو معاشرے کا بھلا کیا تصور ہے اور گھر تو عورت ہی بناتی ہے، یہی اس کی سب سے بڑی ذمہ داری اور یہی اس کا سب سے بڑا ہنر اور سب سے بڑی صلاحیت، ثنا رحیم کا عقدہ بھی ایک دن کھل گیا، اس دن گھر میں کوئی نہیں تھا، سوائے حسام کے جس نے صبح سے میوزک بجا کر گھر والوں کے کانوں کے پردے پھاڑتا ہے اور خود اس کے کان کے پردوں کا کیا حال ہوتا ہے اس پر تائی اماں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی تھی، اب تو اسے اپنے کانوں پہ ترس آنے لگا تھا، سو وہ اٹھ کر باہر نکل آئی۔

یونہی گھاس پر بیٹھ کر گھاس توڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا، ذہن گھر کی جانب مڑ گیا، وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی کہ ہشام بھائی کی گاڑی پورچ میں آ رکی، غالباً کوئی لڑکی ان کے ساتھ تھی، جب وہ قدم قدم چلتے اس کے قریب آ پہنچے تو اسے سر اٹھانا ہی پڑا، وہ بھی تو عین ان کے راستے میں بیٹھی تھی ہشام تو باقاعدہ اسے نظرانداز کر کے گزر رہے تھے کہ لڑکی نے پوچھ لیا۔

"ہشام یہ کون ہے؟"

"یہ۔" یوں لگتا تھا کہ جیسے انہیں اس کا تعارف کراتے ہوئے بڑا افسوس ہو رہا ہے۔

"یہ ابو کے بھائی کی بیٹی ہیں۔" (ان کے لفظوں سے افسوس کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔)

"اچھا یہ ہیں وہ۔" یوں لگتا تھا وہ پہلے سے کچھ نہ کچھ جانتی ہے اس کے بارے میں۔

"بھئی شام میں تو آج ان سے اسلامیات کی کلاس لے کر ہی جاؤں گی۔" صاف لگ رہا تھا وہ مذاق اڑا رہی ہے، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ دونوں ہی ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جو وہ ہشام بھائی کے ساتھ چلتی ہوئی اچھی لگی تھی تو اب اس سے زیادہ بری لگ رہی تھی تو یہ ہوتا ہے بڑے لوگوں کا چھوٹا دل، اسے ایک دم اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی، کیا تھی وہ ہر کسی کے مذاق کا نشانہ جس کا جو جی چاہتا تھا کہتا تھا اور اپنی راہ لیتا تھا اور وہ اگر خاموش رہتی تو بھی عذاب میں رہتی تھی، کچھ کہہ دیتی تھی تو پھر دوہرا عذاب تھا۔

اس نے بڑی بے دردی سے آنکھ میں آئے آنسو رگڑ ڈالے بس اب وہ مزید بے عزتی کرانے کے لئے یہاں نہیں رکے گی، کل ہر حال میں چلی جائے گی، اس نے مطمئن ہو کر سوچا اور اندر چل دی۔

رات کو تایا جی بہت دیر سے آئے سو ان سے جانے سے متعلق بات نہ ہو سکی اور صبح صبح حسب معمول سب غائب تھے لہٰذا جانے کی بات پھر رہ گئی، سارا وقت وہ اسی بات پر کڑھتی رہی کہ آخر کب تک جانے کا معاملہ یوں ٹہلتا رہے گا امی ابو بھی اس سے بالکل بے خبر ہو گئے تھے، دوپہر کے بارہ بجے ہوں گے کہ فون کی بیل بجی، پہلے تو وہ بیٹھی رہی کہ ابھی بند ہو جائے گی مگر پھر مسلسل آواز پہ اسے اٹھنا پڑا۔

"ہیلو۔" اسے یوں لگا جیسے دوسری طرف امی بول رہی ہیں۔

"بیٹا میں تمہاری امی بول رہی ہوں بیٹا تمہارے ابو کی طبیعت کچھ خراب ہے، ہسپتال میں ہیں تم تایا جی کے ساتھ آ جاؤ تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔" وہ تو جیسے سن کھڑی سنتی رہی ابو بیمار ہیں اور میں یہاں آرام سے بیٹھی ہوں۔

"ہیلو ہیلو امی۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر امی شاید عجلت میں تھیں فون بند ہو گیا، وہ کتنی ہی دیر تک پاگلوں کی طرح ہیلو ہیلو کرتی رہی پھر احساس ہونے پر فون بند کر دیا، اب کیا کرے اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کون کہاں ہے کس کو اطلاع کرے اور کیسا کرے، وہ بڑی مشکل سے صوفے تک پہنچی اور پھر اس پر گر سی گئی اور پھر خالی الذہنی کی کیفیت میں کتنی دیر گزر گئی۔

"اس طرح کیوں بیٹھی ہو خیریت تو ہے؟" ہشام بھائی اس سے پوچھ رہے تھے، اسے پتہ ہی نہیں چلا وہ کب آئے۔

"ارے بولو ناں اب تمہارے مذہب میں کیا بولنا بھی حرام ہو گیا۔" وہ پھر مذاق اڑا رہے تھے اور وہ تو پہلے ہی اتنی افسردہ تھی اوپر سے ان کی بات آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

"ارے بھئی کیا ہو گیا کیا کہہ دیا میں نے۔" وہ باقاعدہ پریشان ہو گئے۔

"وہ امی کا فون آیا تھا ابو ہسپتال میں ہیں۔" اس نے بہتے آنسوؤں کے درمیان بتایا۔

"ارے بھئی تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، بیمار تو وہ پہلے ہی تھے کر لی ہو گی کوئی بد پرہیزی ہو گئی ہو گی کوئی چھوٹی موٹی گڑبڑ۔" وہ بات کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں لے رہے تھے۔

"اگر کوئی چھوٹی موٹی بات ہوتی تو وہ یوں مجھے نہ بلواتے مجھے پتہ ہے ابو کا وہ بہت بہادر اور حوصلے والے ہیں، شدید ترین تکلیف میں بھی ان کے منہ سے ایک آواز تک نہیں نکلتی اور مجھے

Digest Novels Lovers group

اپنی تکلیف کا بتانا اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یقیناً وہ بہت بیمار ہیں۔'' وہ جانے کیوں خوفزدہ تھی، شاید آنے والے وقت کا وجدان اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

''بھئی کچھ نہیں ہوگا، سب ٹھیک ہو جائے گا، ابھی شام تک پاپا آ جائیں گے تو تم ان کے ساتھ چلی جانا جاؤ جا کر منہ دھو کر آؤ۔'' اور ابھی ان کی بات مکمل ہی نہیں ہوئی تھی کہ پھر فون کی گھنٹی بجی، دونوں ہی تیزی سے آگے بڑھے۔

''ہیلو جی جی میں ہشام ہی ہوں، اوہ نو کب کیسے اچھا ٹھیک ہے۔'' انہوں نے فون رکھ دیا اس نے کچھ پوچھنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ بڑی عجلت میں فون اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''سنو تم فوراً تیار ہو جاؤ ہمیں چلنا ہے۔''

''مگر کہاں؟''

''تم تیار تو ہو جاؤ راستے میں بتا دوں گا۔''

وہ ان کے حکم پر عمل کرنے چل تو پڑی مگر مسلسل یہی سوچ رہی تھی ان کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے، بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے، میں نہیں جاؤں گی بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ان کے ساتھ چل پڑوں اور مجھے تو گھر جانا ہے اور جب وہ واپس آئے تو وہ وہیں جمی کھڑی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ ذرا دیر کو حیران ہوئے۔

''چلو اچھا ٹھیک ہے یونہی چلو، بھئی چلو ناں۔'' وہ اسے ایک ہی جگہ کھڑے دیکھ کر جھنجھلا گئے۔

''میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی؟''

''کیوں کیا میں ڈریکولا ہوں خون پی جاتا ہوں لوگوں کا۔'' وہ باقاعدہ غصے میں آ گئے۔

''بھئی تمہاری امی کا فون آیا تھا، وہ بلا رہی ہیں تمہیں؟'' انہوں نے بڑی احتیاط سے دو چار لفظ بولے۔

''کیا امی کا فون تھا آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ باقاعدہ ناراض ہونے لگی۔

''آپ نے یہ ''پہلے'' آنے دیا ہوتا تو ضرور بتاتا اب چلیں۔'' اور وہ چل پڑی، راستے میں انہوں نے دو چار باتیں کرنے کی کوشش کی مگر وہ یہی سوچ رہی تھی، آخر تایا جی کے ساتھ بھی تو آ سکتی تھی، ارے یہ تو گھر کا راستہ ہے ہمیں تو ہسپتال جانا ہے اس نے اپنی سوچوں سے چونک کر دیکھا مگر اتنی دیر تک وہ گھر کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔

''پتہ نہیں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں؟'' اور ایک دم جیسے وہ کسی خیال سے لرز گئی، بڑی ہی اذیت کے ساتھ اس نے ہشام بھائی کی طرف دیکھا مگر وہ نظریں چراتے ہوئے اتر گئے اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہیں واپس بھاگ جائے کاش وقت پلٹ جائے یا یہ لمحے پھلانگ کر آگے نکل جائیں۔

بس ایک ہی خواہش تھی ان اذیت ناک لمحوں سے فرار کی خواہش مگر شاید ایسا ممکن نہیں تھا اور پھر کھلی آنکھوں سے جیسے بہت سارے منظر اچانک گزر گئے وہ کیسے اندر پہنچی کیسے امی کی آغوش نے اسے سنبھالا دیا اور ابو، ابو کو یوں بے حس و حرکت پڑے دیکھنا تو جیسے زندگی کا بدترین لمحہ تھا، وہ جو اس کا اخلاقی اور روحانی سہارا تھے جو، ہر مشکل کا درماں تھے، جنہوں نے اس کی سوچوں کی تعمیری رخ دیا اس کے دل و ذہن کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی سعی کی پالا پوسا جوان کیا اور آج یوں بے نیازی دکھا دی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کبھی باپ سے ملی ہی نہ ہو، بس انہیں یوں نہ دیکھا ہو، ان سے متعلق ہر بات جیسے ایک خواب ہو کر رہ گئی تھی۔

Digest Novels Lovers group

شام تک تایا جی تائی اماں حسام اور آپی سب آگئے تھے، شاید ہشام بھائی نے انہیں چلتے وقت فون کر دیا تھا، سب نے حسب توفیق ان کا غم بٹایا انہیں حوصلہ دیا اور اسے تو یوں لگ رہا تھا، جیسے نہ کبھی یہ غم کم ہو گا نہ کہیں سے ذرا سے حوصلے کی بھیک ملے گی، وہ کمزور تھی، مگر اب اسے اپنے بے یار و مددگار ہونے کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا، مگر امی کی خاطر اسے واپس پلٹنا پڑا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تھیں، دوسرے لوگ چاہے کتنے ہی قریبی کیوں نہ ہوں دوسرے ہی تھے، ایک ہفتے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو سدھارے انہیں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ اس قدر تنہا ہیں کہ جیسے اپنا سایہ بھی نہ ہو، ابو تھے تو گھر بھرا بھرا اور پر رونق لگتا تھا مگر اب یوں لگ رہا تھا جیسے مدت سے یہاں کوئی نہ رہا ہو، بس ہر سو اداسی سر نیہوڑائے بیٹھی تھی، اسے تو اتنی بھی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ امی کو دو چار لفظ تسلی کے ہی بول دے۔

ایک ہفتے بعد تایا جان اور تائی اماں ایک بار پھر موجود تھے، وہ ہشام کے لئے عائشہ کو مانگ رہے تھے رات امی نے جب اس کی رائے مانگی تو کتنی ہی دیر تک وہ سر ہی نہ اٹھا سکی، وہ گھر جہاں چند دن اس نے بڑی مشکل سے ذلت کے بوجھ تلے دب کر گزارے تھے جہاں اس کی ہر بات کا مذاق اڑایا جاتا تھا، وہاں ساری عمر کیسے گزارے گی اور ہشام بھائی کی نثار رحیم میں دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی، جانے وہ کسی مجبوری کے تحت اس سے شادی کر رہے تھے، تایا جان نے ان پر جانے کیا دباؤ ڈالا تھا کس طرح مجبور کیا تھا کہ وہ راضی ہو گئے ورنہ یہ تو طے تھا کہ وہ خود سے کبھی بھی اس سے شادی پر راضی نہ ہوتے اور بھلا اس کی زندگی کیا ہو گی کیسے گزرے گی اس شخص کے ساتھ جو ہر لمحہ اس کا مذاق اڑانے پر تلا رہتا ہے اور پھر نثار رحیم؟

وہ اپنے خیالوں کی رو میں بہے جا رہی تھی کہ امی کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھیں۔

''بیٹی میں تمہارے ابو کی وفات کے بعد بہت کمزور ہو گئی ہوں، خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں اور پھر سب سے زیادہ مجھے تمہارا خیال ہے تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو مجھے کم از کم تمہاری طرف سے تو سکون ہو پھر ہشام بہت اچھا لڑکا ہے معقول صورت ہے اچھی عادات و اخلاق کا مالک ہے، بس یہ ہے کہ اس کی تربیت ذرا مختلف ماحول میں ہوئی ہے لیکن مجھے اپنی بیٹی پر اعتماد ہے، حالات یقیناً بہتر ہو جائیں گے۔''

''ہاں ان میں کوئی برائی نہیں ہے وہ بہت اچھے ہیں۔'' وہ آہستہ آہستہ خود کو باور کرانے لگی اور پھر وہ بھلا ماں کو کیسے ناکام و نامراد لوٹا دیتی۔

''جیسے آپ کی مرضی امی۔'' اس نے کہہ کر ایک بار پھر سر جھکا لیا، امی اس کا ماتھا چوم کر دعائیں دیتی باہر نکل گئیں۔

اس کی شادی دوسری شادیوں سے قطعاً مختلف تھی، ابو کی چونکہ تھوڑا ہی عرصہ پہلے وفات ہوئی تھی، اس خیال سے بہت کم لوگ بلائے گئے کوئی ہلا گلا نہیں تھا جہیز کے لئے تایا جی نے منع کر دیا تھا۔ ہشام خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے، سنجیدہ تو وہ پہلے بھی ہوتے تھے مگر آج ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے، آپی اور تائی اماں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی انہیں باندھ کر لایا ہو، حسام البتہ شرارتیں کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''لو دیکھ لو میری ماں اپنی بیٹی کا نصیب ذرا سی کوشش کرو تو ابھی اپنی بیٹی کے مستقبل کا اندازہ کر سکتی ہو۔'' اس نے دل ہی دل میں امی کو

Digest Novels Lovers

مخاطب کیا، اگرچہ اسے اپنی آئندہ زندگی سے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں تھی مگر پھر بھی پرامید انسان ہونے کی بناء پر اس نے اچھا ہی سوچا تھا۔

ہشام سے متعلق جتنے بھی تجربات تھے وہ کچھ زیادہ اچھے نہ تھے مگر پھر بھی اس نے سوچا شاید وہ اچھے ہی ہوں، شاید شارحیم میں ان کی دلچسپی کا اس نے غلط انداز لگایا ہو، ہوسکتا ہے وہ محض ان کی دوست ہو اور کچھ نہ ہو مگر شادی پہ سب کا رویہ دیکھ کر اس کی خوش فہمی کے غبارے سے ہوا نکلی جا رہی تھی۔

شادی کے بعد کی زندگی اس کی توقع کے عین مطابق تھی سوائے تایا جی کے باقی سب کا رویہ کھچا کھچا تھا، تائی اماں جو پہلے بات کرلیا کرتی تھیں اب اس سے بھی گئیں وہ خود ہی بات کرتی تو جواب دیتیں ورنہ خاموشی تھی، آپی کا مزاج پہلے ہی کسی سے نہیں ملتا تھا اور اس سے تو بالکل ہی نہیں ملتا تھا، وہ بھی موڈ ہوتا تو بات کرتیں ورنہ اس کی موجودگی سرے سے نظر انداز کردی جاتی۔

حسام کی اپنی دلچسپیاں تھیں وہ اپنے ماں باپ کو بھی کم ہی دستیاب ہوتا تھا اور اس کی توقع کے برخلاف بالکل ہی دوسرا تھا، وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے، حد سے زیادہ سنجیدہ، اس کا خیال تھا کہ وہ بات بات پہ حسب معمول مذاق اڑائیں گے طنز کریں گے مگر ایسا کچھ نہیں تھا، وہ مکمل طور پر خاموش تھے، وہ کچھ پوچھتی تو جواب مل جاتا ورنہ خاموشی کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔

واہ کیسا مقدر تھا اور کیسی زندگی تھی، یہ صلہ ملا تھا ساری زندگی کی نیکیوں کا محبت اور خلوص کا ساری عمر کی اس کوشش کے باوجود کہ کسی کا دل نہ دکھے اب اس کا اپنا دل لہولہان ہوا جا رہا تھا، کسی پروا نہ تھی کہ ایک جیتا جاگتا وجود اس گھر میں لے کر آئے ہیں اس کی جسمانی ہی نہیں ذہنی و روحانی ضرورتیں بھی ہیں، اسے انسان کی ضرورت ہے نہ روپوں کی اسے محبت اور خلوص کی ضرورت ہے۔

سوائے تایا جی کے کوئی بھی خود سے اس سے مخاطب نہ ہوتا تھا، امی پوچھتیں تم خوش تو ہو ناں اور اسے کہنا پڑتا۔

''میں بہت خوش ہوں امی سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' عمر بھر جن ماں باپ نے یہ سکھایا تھا کہ ہمیشہ سچ بولنا اب انہی سے جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا، وہ آہستہ آہستہ خاموشی اور تنہائی کے سمندر میں ڈوب رہی تھی، بڑے دن تک ماتم کیا خدا سے اپنی تقدیر کا شکوہ کیا اور پھر برسوں کی تربیت نے کام دکھایا، انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے، انسان چاہے تو کیا نہیں کرسکتا، محبت خلوص اور صبر ایسے ہتھیار ہیں جن سے بڑی سے بڑی جنگ جیتی جاسکتی ہے اور وہ ان ہتھیاروں سے لیس تھی۔

اس نے سب پہ توجہ دینی شروع کردی گھر کے ہر کام میں دخیل ہوگئی، پہلے تائی اماں کو اپنے ہر کام کے لئے کئی کئی بار نوکروں سے کہنا پڑتا، اب ہر کام بن کہے ہو جاتا، تایا جی کی خدمت اس نے اپنا شعار بنالیا، رات کو ان کے پاؤں دبانا اور دودھ لے جانا معمول بنالیا، آپی سے بھی بات سے بات نکال کر ان کے قریب ہونے کی کوشش کرتی، البتہ حسام کا معاملہ دوسرا تھا، ایک دن اس کے گودام نما کمرے کی صفائی کیا کردی سارا دن اس کی چیخوں سے گھر گونجتا رہا میری فلاں چیز کہاں ہے اور فلاں کہاں ہے اور وہ ہر پکار پر دوڑی جاتی اور فلاں چیز ڈھونڈ کر دیتی، ایک دن کے تماشے کے بعد اس نے گودام نما کمرے میں قدم رکھنے سے بھی توبہ کرلی، ہشام کے ساتھ بھی اس نے بہتر تعلقات بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، خود توجہ دینی شروع کی، ہشام

سے متعلق ہر کام اپنی ذمہ داری بنا لیا، ان کے آرام کا خیال رکھنا ہر چیز مہیا کرنا دوڑ دوڑ کر ان کے کام کرنا اور پھر اسے لگا کر اس کی محنت رنگ لا رہی ہے۔

اس شام انہوں نے پہلی مرتبہ اسے ساتھ چلنے کو کہا ان کے کسی دوست نے دعوت کی تھی۔

''سنیے آپ اس خیمے سمیت ہی دنیا میں تشریف لائی تھیں۔'' وہ گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ وہ بول پڑے۔

''جی کیا۔'' مطلب خاک بھی سمجھ میں نہ آیا۔

''میں اس خیمے کے متعلق دریافت کر رہا ہوں۔'' انہوں نے اس کی چادر کی طرف اشارہ کی، وہ بھلا کیا جواب دیتی خاموش بیٹھی رہی۔

''اگر آپ اسے اتارنا چاہیں تو میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔'' انہوں نے بڑی فراخدلی سے اجازت دی اور وہ جس نے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی اسے پھر بولنا پڑا۔

''آپ کا کیا خیال ہے میں جو پردہ کرتی ہوں تو کسی کے دباؤ کے تحت کرتی ہوں یا کسی مجبوری کے تحت کرتی ہوں اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو بالکل غلط سمجھتے ہیں، آپ مذہبی احکامات کی پابندی کو کسی نہ کسی دباؤ یا مجبوری سے ہی کیوں جوڑتے ہیں، میں پردہ کرتی ہوں تو صرف اس لئے کہ یہ خدا کا حکم ہے میں اپنی نسوانیت کے غرور اور وقار کی حفاظت کے لئے پردہ کرتی ہوں میں کیوں کسی کے لطف کا سامان بنوں، کیوں لوگوں کے سامنے اپنی نمائش کروں، میں بہت قیمتی ہوں دنیا کی ہر عورت بہت قیمتی ہے اور اس کی عزت و وقار اس سے زیادہ قیمتی ہے، عورت راہ میں رکھنے والی چیز نہیں اور نہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کی سرعام نمائش کی جائے، لہٰذا آپ مجھے آئندہ ایسا کوئی مشورہ مت دیجئے گا جو میرے عزت و وقار اور خدا کے حکم کے منافی ہو۔'' اور بجائے اس کے کہ وہ اس کی بات پر غصہ کرتے اس نے دیکھا ان کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

مگر واپسی پر پھر ان کا موڈ کچھ خراب ہی لگ رہا تھا، کیونکہ کم از کم اس کا تو پارٹی میں جانا بے کار ہی ثابت ہوا تھا، مکس گیدرنگ تھی سو وہ سارا وقت منہ چھپائے ایک طرف بیٹھی رہی، کھانا بھی ان کے دوست کی بیوی نے الگ کمرے میں لے جا کر کھلایا، گھر آ کر وہ جلدی جلدی ان کے کپڑے استری کرنے لگی کچھ تھکن محسوس ہو رہی تھی لہٰذا وہ جلدی سو جانا چاہتی تھی۔

ابھی وہ کام سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ ملازم نے نثار رحیم کے آنے کی اطلاع دی وہ بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہے تھے، ملازم کے بتانے پر وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس نے انہیں عجیب سرخوشی کے عالم میں دیکھا اور اس کا دل ایک بار پھر ڈوبنے لگا اس کی اتنے دن کی محنت رائیگاں گئی تھی، کافی دیر تک وہ بے جان سے انداز میں بیٹھی رہی، مگر پھر مہمانداری کے تقاضے نبھانے کے لئے اٹھنا ہی پڑا، جب وہ چائے لے کر اندر گئی تو نثار رحیم نے بڑے تعجب سے اسے دیکھ کر کہا۔

''ارے تمہاری یہ کزن ابھی تک یہیں ہے، تم تو کہہ رہے تھے کہ یہاں آ کر ان کا صوم وصلوٰۃ کا سلسلہ بہت متاثر ہوا ہے، پھر یہ واپس کیوں نہیں گئیں، لگتا ہے یہاں دل لگ گیا ہے۔'' اس نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔

کیا اس گھر میں اسے کبھی عزت نہیں ملے گی کیا تھا اگر میرے حق میں ایک لفظ ہی بول دیتے کیا میں ابھی تک اتنا بھی حق نہیں حاصل کر پائی،

Digest Novels Lovers

اس نے بڑے دکھ سے سوچا اور پھر جب وہ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزر رہی تھی تو وہ کہہ رہی تھی۔

"شام کیا بات ہے تم کچھ چپ چپ ہو خیریت سے ہو، کہیں ناراض تو نہیں ہو میرے بغیر بتائے امریکہ چلے جانے پر، بھئی میں کیا کروں مصیبت میں پھنسی ہوں، جن بچوں کے ماں باپ میں طلاق ہو جائے ان کی زندگی بھی عذاب ہو جاتی ہے، اب امی نے اچانک فون کر کے کہا کہ باپ کے پاس اتنے عرصے سے رہ رہی ہو اب میرے پاس آ جاؤ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں، میں نے بہت کہا کہ کچھ دنوں تک آ جاؤں گی مگر انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ مجھے اچانک جانا پڑ گیا، دیکھو پلیز تم خفا مت ہو اس میں میرا کوئی قصور نہیں، دیکھو جیسے ہی آئی ہوں سب سے پہلے تم سے ہی ملنے آئی ہوں۔"

"نہیں میں تم سے خفا نہیں ہوں۔" وہ آہستہ سے بولے۔

"پھر اتنے چپ چپ کیوں ہو۔" وہ تعجب کر بولی۔

"میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں سوچ رہا ہوں کیسے بتاؤں۔" انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے سر ٹکایا۔

"تم اطمینان سے ہر بات مجھ سے شیئر کر سکتے ہو آخر میں تمہاری دوست ہوں۔"

"میں...... میری شادی ہو گئی۔" انہوں نے جیسے کسی جرم کا اعتراف کیا۔

"کیا؟ تمہاری شادی ہو گئی ہے کس سے، تم یقیناً مذاق کر رہے ہو۔" وہ بے یقینی کے انداز میں بولی۔

"میں مذاق تو نہیں کر رہا ہوں البتہ میری زندگی اچھا خاصا مذاق بن کر رہ گئی ہے، چچا جان کی اچانک موت سے عائشہ اور چچی بالکل اکیلی رہ گئیں ابو کو اچانک بھتیجی کی محبت کا بخار چڑھ گیا، مجھے اتنا مجبور کیا کہ مجھے عائشہ سے شادی کرنی پڑی، حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا، ہم دونوں مخالف پول بنے ہوئے ہیں، وہ میرے مزاج کے بالکل برعکس ہے، اس کے نظریات اس کا رہن سہن اس کا انداز فکر سب کچھ مجھے سمجھ نہیں آ رہا آخر زندگی کیسے گزرے گی اور میں تم سے بھی بہت شرمندہ ہوں، اگرچہ میں نے تم سے کوئی لمبے چوڑے پیمان نہیں باندھے تھے، مگر پھر بھی میں نے تمہارے ساتھ کی خواہش کی تھی اور یقیناً تم نے بھی مگر مجھے اتنا مجبور کر دیا گیا کہ یہ سب کچھ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔"

اور شارحیم کے غرور کا بت جیسے ایک دم سے منہ کے بل آن گرا، ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ جس کا مذاق اڑا چکی تھی، اب وہ اس کا مذاق اڑاتی لگ رہی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی، وہ بھی شکست خوردہ انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"اچھا تو تم ہو وہ مجبوری کا سودا جس نے ہشام خان کو مقروض بنا دیا ہے۔" وہ جیسے خود کو ملامت کر رہی تھی۔

"تم کچھ نہیں ہو سوائے ایک ناگوار بوجھ کے کوئی حیثیت نہیں ہے تمہاری۔" اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ تکیے پر سر رکھ دیا۔

صبح بہت مشکل سے نماز کے لئے اٹھی ساری رات جیسے روتے ہوئے گزر گئی تھی، اب سر بہت بوجھل ہو رہا تھا، نماز پڑھ کر وہ پھر لیٹ گئی، جانے کب آنکھ لگ گئی، تقریباً بارہ بجے تھے جب آنکھ کھلی، اس نے حسب معمول چند کام نمٹائے حالانکہ تھکن ایسی تھی، کہ دل بیٹھا جا رہا تھا، کچھ کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر دھیان بھی

Digest Novels Group

تو بتانا تھا ناں شام کو ہشام آ گئے۔

ایک عجیب طرح کی اداسی اور بے بسی کی تحریر ان کے چہرے پر تھی، اسے ایک دم سے ان پر ترس آ گیا، بھلا اس سارے قصے میں ان کا قصور کیا تھا یہ تو وہ تھی، جو قصور وار تھی، مجبوری کا سودا تھی، اسے پتہ نہیں کیوں ایک دم سے ان کے ساتھ ہمدردی سی محسوس ہونے لگی، اسی خیال کے تحت اس نے ان کے سارے کام کیے اور پھر کئی دن اسی طرح گزر گئے، اس نے ان میں کسی کی خدمت ترک نہیں کی، حالانکہ کسی کے رویے میں بھی مناسب تبدیلی نہیں آئی تھی، مگر وہ پھر بھی مایوس نہیں تھی، ابو کہا کرتے تھے۔

''انسان سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ انسان سے مایوس ہونا دراصل خدا سے مایوس ہونا ہے کیونکہ وہ خدا کی تخلیق ہے، اس میں خیر اور شر دونوں موجود ہیں، لہٰذا انسان چاہے کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اس سے خیر کی توقع رکھو، مسلسل اسے بھلائی کی طرف لاتے رہو، شاید وہ ہدایت پا جائے۔''

اس دن اس نے وہ بات کہہ ہی دی جو بہت دنوں سے کہنا چاہ رہی تھی۔

''سنیے آپ پاگل ہیں یا مسلمان ہیں؟''

''کیا مطلب۔'' انہوں نے بڑے تعجب سے اسے دیکھا۔

''بھئی دیکھیں ناں نماز سے دو ہی قسم کے انسان مستثنیٰ ہیں ایک تو وہ جو پاگل ہو دوسرا جو غیر مسلم ہو، اسی لئے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ جو نماز نہیں پڑھتے تو آپ مسلم ہیں، آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ نماز نہ پڑھنا کتنا بڑا گناہ ہے، مجھے یہاں آئے کافی عرصہ ہو گیا ہے، میں نے نہ تو آپ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے نہ قرآن پڑھتے، کیا آپ نے خدا کو جان نہیں دینی۔

''بھئی تم تو اتنی نمازیں پڑھتی رہتی ہو کیا میری مغفرت کی دعا نہیں مانگ سکتیں۔''

''میرے دعا مانگنے سے کیا ہوتا ہے، میری دعائیں تو خود مجھے بھی نہیں لگتیں، ویسے اللہ یہ نہیں کہتا کہ صرف دعاؤں سے سارے کام سنور جائیں گے کام سنوارنے کے لئے ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے۔''

''بھئی تمہاری کون سی دعا قبول نہیں ہوتی مجھے بتاؤ دونوں مل کے مانگ لیتے ہیں شاید قبول ہو جائے۔'' وہ شرارت کے موڈ میں تھے۔

''نہیں میری دعا آپ کی دعا نہیں ہو سکتی، اور یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہتے ہوئے سر جھکا لیا، وہ شاید سمجھ گئے تھے، اس لئے کچھ نہیں بولے، کبھی کبھی اس کی ساری ہمتیں جیسے جواب دینے لگتیں، اسے یوں لگتا جیسے کبھی کچھ بھی نہیں بدلے گا، سب کچھ یوں ہی رہے گا، اس کی حیثیت سدا یونہی رہے گی اور نثار رحیم اور آپی جیسے لوگ اس پر اور اس سے متعلق ہر چیز پر حکومت کرتے رہیں گے۔

وہ محبت خلوص اور صبر جیسے جن ہتھیاروں کے بل بوتے پر خود کو بہادر اور مضبوط سمجھتی آئی تھی، وہ تو بالکل ہی بے کار ثابت ہو رہے تھے، اتنے عرصے سے وہ جل کڑھ رہی تھی، بے چینی اس کا مقدر تھی، باقی سب اپنی اپنی جگہ پرسکون تھے، اپنی زندگی میں مگن تھے، ہاں اگر کوئی آتا تھا تو صرف دل جلانے تا کہ تسلی دینے محبت بانٹنے وہ جس کے ساتھ زندگی بھر کا ناتا جڑا تھا وہی لاپروا اور بے نیاز تھا، تو دوسروں سے کیا شکوہ۔

کبھی کبھی اس کا بھی جی چاہتا اپنا دکھ کسی کو جا سنائے، مگر کسے سناتی کوئی ایک بھی تو نہیں تھا ایسا جسے اپنا کہہ سکتی، صرف ایک ماں تھی مگر اسے کیا بتاتی کہ ان کا دکھ بھی اسے جھیلنا پڑ جاتا پھر دوسرے عذاب کو سہنا پڑتا، لہٰذا بہتر یہی تھا کہ

Digest Novels Library

سب کچھ خود ہی برداشت کرے، مگر اب تو یہ بھی ممکن نظر نہیں آ رہا تھا، برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے ایسی اذیت ناک تنہائی پھر روز اذیت کا نیا سلسلہ اسے پاگل کر دینے کو کافی تھا۔

اس دن اس نے سنا آپی ہشام سے کہہ رہی تھیں۔

''سنو تم شادی کیوں نہیں کر لیتے، مجھے معلوم ہے تم عائشہ کے ساتھ خوش نہیں ہو، تم اس کے ساتھ کبھی خوش رہ ہی نہیں سکتے، تم دونوں الگ الگ دنیاؤں کے لوگ ہو، تو پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اپنی دنیا الگ بسا لو، میں نے پاپا کو کتنا سمجھایا تھا کہ یہ ظلم مت کریں، ہشام، عائشہ کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہے گا مگر ان پر تو بھتیجی کی محبت کا بخار چڑھا ہوا تھا، کسی کی نہیں سنی اب بھگتیں نتیجہ، اچھا سنو وہ نثار رحیم بھی بری نہیں ہے اس کے ساتھ شادی کر لو، میں پاپا سے بات کروں گی، تم بالکل فکر مت کرنا وہ ضرور مان جائیں گے۔'' آپی ہشام کو تسلیاں دے رہی تھیں۔

ایک عورت دوسری عورت کا استحصال کس طرح کرتی ہے یہ اس نے پہلی مرتبہ دیکھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ سب کو ہشام کی ہی فکر تھی، کسی نے یہ نہ سوچا وہ بھی تو ایسے ہی عذاب سے دوچار ہے وہ کب خوش تھی، یہاں کا ماحول اس کے مزاج اور نظریات سے قطعاً مختلف تھا، ہر روز اسے خود کو مارنا پڑتا تھا، یہ الگ بات ہے کہ اپنی تربیت کی بناء پر ہشام کو اپنا سب کچھ سمجھتی تھی، اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی، کہ کہیں قیامت کے روز بھی وہی مجرم نہ ٹھہرائی جائے، مگر وہ بھی کیا کرتی، تھی تو بہر حال ایک انسان ہی ناں اس قدر مخالفتوں کی فضا میں جینا اس کے لئے اس لئے بھی مشکل تھا، کہ تنہا بھی تھی اور کمزور بھی، اس کا خیال کسی کو کیوں نہیں تھا، کوئی اس کے متعلق کیوں نہیں سوچتا تھا اس قدر خود غرضیوں سے اس کا پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا، اور وہ حیران تھی کہ انسان اس قدر خود غرض بھی ہو سکتا ہے اور آپی جو ہر کسی کو اپنی جاگیر کا حصہ سمجھتی تھیں، یہاں بھی اپنا حق جتانے پہنچ گئی تھیں، بھائی کے لئے تو ان کے پاس ہر قسم کا مشورہ تھا، مگر وہ کیا کرے یہ اسے کوئی نہیں بتاتا تھا۔

مایوسی کے اندھیروں میں بڑے دنوں کے بعد اک دیا روشن ہوا، اسے لگا جیسے اس کی کوششیں اتنی بھی بے کار ثابت نہیں ہو رہیں، کہیں نہ کہیں تھوڑا بہت اثر ضرور ہو رہا ہے، اس دن وہ کچھ رازداری کچھ شرمندگی کا تاثر لئے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''سنو یہ عصر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں۔'' اور وہ تو کافی دیر تک انہیں حیرانی سے کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

''ارے کیا دیکھ رہی ہو ذرا سی بات ہی تو پوچھی کیا نہیں بتا سکتیں۔''

''وہ میرا مطلب ہے آپ اور نماز کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''کیوں میں نماز نہیں پڑھ سکتا کیا خدا صرف تمہارا ہے کیا میرا نہیں ہو سکتا۔'' وہ باقاعدہ خفا ہونے لگے۔

''نہیں میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔'' اس نے سر جھکا لیا، دوسری مثبت تبدیلی یہ تھی کہ پہلے وہ اسے آپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے، بلکہ مخاطب کیا کرتے تھے وہی بات کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن اب وہ بھی کبھار بات کرنے لگے تھے اور تم کہہ کر اسے مخاطب کرتے تھے، تم ایک تو بے تکلفی کی علامت ہے لیکن اگر کسی کو کچھ نہ سمجھا جائے تو اسے بھی تم کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے، اب معلوم نہیں وہ اس سے بے تکلف ہو رہے تھے یا پھر

اسے کچھ نہیں سمجھتے تھے، بہر حال جو بھی تھا اسے کافی حوصلہ ملا تھا۔

وہ جو اتنے دنوں سے خود سے بھی ناراض ہوئی جا رہی تھی، تو اب یوں لگ رہا تھا جیسے اتنے دنوں بعد تازہ ہوا ملی ہو سانس لینے کو۔

پھر کئی دن گزر گئے کسی بھی قسم کی ہلچل مچائے بغیر آپی نے بھی چکر نہیں لگایا تھا کئی دنوں سے یہ حیرت کی بات تھی اور ثنا تو خیر کئی دنوں سے ادھر آئی نہیں تھی، شاید باہر مل گئے ہوں گے ہشام اس سے، وہ خاصی بے اعتبار ہوئی جا رہی تھی اور کیوں نہ ہوتی، وہ جب سے آئی تھی مستقل بے اعتباری کی فضا میں سانس لے رہی تھی، پھر بھلا اتنی جلدی کسی کا اعتبار کیسے آ سکتا ہے، اس سارے قصے میں ایک بات جو اچھی تھی وہ ہی تھی کہ ہشام اب بھی کبھار نماز پڑھنے لگے تھے اور اس سے دو چار باتیں بھی کر لیا کرتے تھے، اس لئے یہی بہت تھا، کچھ تو تبدیلی آئی تھی ناں چاہے تھوڑی ہی سہی۔

ایک دن آپی آ گئیں کچھ پریشان لگ رہی تھیں حیرت کی بات یہ تھی کہ بیٹا بھی ان کے ساتھ تھا ورنہ اسے تو عموماً باپ ہی سنبھالا کرتا تھا، انہوں نے حسب معمول مستقل ڈیرے ڈال لئے تھے، کئی دنوں سے ادھر ہی تھیں ہشام کو سارا وقت مختلف مشورے دیتی نظر آتیں، جب اس پر نظر پڑتی تو خاموش ہو جاتیں یہ بات بھی ایک دن سامنے آ گئی کہ ان کے یہاں طویل قیام کا مقصد کیا ہے۔

ان کے شوہر کا تعلق کسی دور دراز گاؤں سے تھا، خود وہ تو آپی کے ساتھ بہت عرصہ سے یہیں مقیم تھے، مگر اب حال ہی میں ان کے والد فوت ہو گئے تھے، سو چھوٹے بہن بھائی اور ماں بالکل اکیلے رہ گئے تھے، اسی وجہ سے وہ واپس گاؤں جانا چاہتے تھے، جب آپی کے لئے یہ کسی صورت ممکن نہیں تھا، کہ وہ گاؤں جا کر رہتیں یہاں ان کا خاص حلقہ تھا جہاں وہ جانی پہچانی جاتی تھیں پھر یہاں کی سہولیات اور ان کی خاص سرگرمیاں سبھی کچھ چھوڑ دینا بہت مشکل تھا۔

غالباً زندگی میں پہلی بار خالد صاحب نے اس حوالے سے دباؤ ڈالا تھا، مزاحمت کی تھی، آپی کو پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ وہ غصہ بھی کر سکتے ہیں، آخری راستہ انہوں نے یہ رکھا تھا کہ وہ چاہیں تو طلاق لے سکتی ہیں اور یہاں رہ کر اپنی من پسند زندگی گزار سکتی ہیں، بچہ اپنے باپ کے ساتھ گاؤں جائے گا کیونکہ اس کی ماں کے پاس تو فرصت ہی نہیں ہے اسے پالنے کی، پھر ماں کے پاس چھوڑنے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے، آپی شاید کسی خوف کے تحت اٹھ کر ماں باپ کے گھر چلی آئی تھیں، حالانکہ وہ خود کو بہت بہادر ثابت کرتی تھیں، مگر اب معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔

اس دن صبح صبح تایا جی بہت غصے میں لگ رہے تھے، وجہ وہی تھی آپی کے طویل قیام پر اب انہیں غصہ آنے لگا تھا۔

''اس وقت بھی تم نے سب سے لڑ بھڑ کر اس نے شادی کی تھی، حالانکہ وہ کسی طور ہمارے قابل نہ تھا، مگر تمہیں ایک ہی دھن سوار تھی، کہ اسی سے شادی کرنا ہے پہلے شادی کر کے ماں باپ کا سر جھکایا اب اپنی حرکتوں سے اپنا گھر اجاڑ کر ہمیں رسوا کرو گی گھر بسانا اے کے بعد یہ طور طریقے ہوتے ہیں، تم کبھی آرام سے گھر نہیں ٹکیں، کبھی اپنے بچوں کو اپنا نہیں سمجھا، ساری دنیا کے لئے تمہارے پاس وقت ہے، نہیں ہے، تو صرف شوہر کے لئے نہیں ہے، گھر کو تم نے ہوٹل سمجھ رکھا ہے اب اگر وہ اپنے گاؤں جا کر رہنا چاہتا ہے تو اس میں برائی کیا ہے، مانا کہ تمہارے لئے گاؤں کی زندگی مشکل ہوگی، مگر یہ بھی تو نہیں ہو گا کہ وہ تمہیں کھیتوں میں جا کھڑا کرے گا،

روپے کی تمہارے پاس کمی نہیں سہولیات خریدنا کون سا مشکل کام ہے پھر اگر وہ اپنی بیوہ ماں کے پاس جا کر رہنا چاہتا ہے تو یہ اس کا حق ہے اور فرض بھی، تم نے بہت من مانی کر لی میں بہت عرصے سے دیکھ رہا ہوں اور اس شریف آدمی نے کبھی شکوہ تک نہیں کیا تمہاری ہر زیادتی برداشت کرتا رہا۔"

تایا ابو نے انہیں اچھی طرح ڈانٹ دیا تھا۔ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر سبھی موجود تھے آپی یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ یوں جن لوگوں پر اپنی دھاک جمائے بیٹھی ہیں ان کے سامنے ان کی بے عزتی ہو۔

"ابو پلیز بس کریں یہ طے ہے کہ میں اس سڑے بسے ماحول میں جا نہیں رہ سکتی اور آپ شادی کا سارا الزام مجھ پر نہیں ڈال سکتے، آپ کا بھی قصور ہے اگر میں نادان تھی تو آپ تو سمجھ دار تھے روک دیتے شادی سے مجھے۔" انہوں نے الٹا ماں باپ کو الزام دینا شروع کر دیا۔

"جب اولاد اپنے فیصلے خود کرنے لگے اور ماں باپ کو بے عقل اور جاہل سمجھنا شروع کر دے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے، بہرحال تم یہاں رہو یا وہاں میری طرف سے کسی مدد کی توقع مت رکھنا تم اپنے معاملات میں ہمیشہ سے خود مختار رہی ہو، لہٰذا جو بھی فیصلہ کرو اپنی ذمہ داری پہ کرو مجھ سے کسی قسم کی توقع مت رکھنا۔"

تایا جی بات ختم کر کے ٹیبل سے اٹھ گئے، بعد میں تائی اماں نے بھی سمجھانا شروع کر دیا، تو آپی جھنجھلا کر اٹھ گئیں، انہیں کسی کی کوئی بات نہ سمجھ میں آ رہی تھی، نہ اچھی لگ رہی تھی، لیکن یہ طے تھا کہ ان کے ایوان اقتدار میں زلزلہ آ چکا تھا۔

پھر چند ہی دنوں میں بہت کچھ تبدیل ہو چکا تھا، آپی یہ کسی طور برداشت نہیں تھیں کہ ان کے اقتدار کا سورج ڈھلے، اور خالد کے ساتھ ان کے گاؤں جا کر رہنے کا مطلب یہی تھا کہ انہوں نے شکست تسلیم کر لی ہے، یہ انہیں کسی صورت برداشت نہیں تھا، سو اس بات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

وہ گاؤں جا کر رہنے کو تیار نہ تھیں اور خالد اب یہاں نہیں رہ سکتے تھے، آپی نے خالد سے علیحدگی ہی مناسب سمجھی اور اس معاملے میں انہوں نے اپنے بچے کی بھی پرواہ نہ کی۔

انہیں خود پسندی اور ہٹ دھرمی نے یہاں تک پہنچا دیا تھا، کہ اب انہیں اپنے مفاد کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، خالد اپنا بیٹا لے کر گاؤں چلے گئے تایا جی تو پہلے ہی آپی سے ناراض تھے، اب بات کرنا ہی چھوڑ دی آپی کی ہٹ دھرمی اور بے جا ضد نے ان کا سر جھکا دیا تھا اب بھائی بھی مزاحمت کرنے لگے تھے، دونوں نے انہیں ان داتا سمجھنا چھوڑ دیا تھا، آپی نے جب یہ حالات دیکھے تو الگ رہنا شروع کر دیا، ان کے اقتدار کا سورج صحیح معنوں میں غروب ہو چکا تھا۔

آپی کی طلاق کے بعد سے تائی اماں میں بھی ایک تبدیلی آئی، اب وہ وقتاً فوقتاً عائشہ کو پاس بٹھا کر اپنے دکھڑے روتیں، اپنی بدنصیبی کا افسوس کرتیں، یہ حقیقت ہے کہ جب اپنے دل پر چوٹ پڑے کبھی دوسرے کا دکھ محسوس ہوتا ہے انہوں نے اگرچہ اس کا دکھ محسوس تو اب بھی نہیں کیا تھا مگر کم از کم اسے تسلیم ضرور کر لیا تھا اور یہ بڑی بات تھی مگر یہ کیسا ظلم تھا کہ ایک طرف سے سکون ہوا تھا تو دوسری طرف سے پھر اضطراب میں مبتلا ہو گئی تھی۔

ثنا رحیم کی آمد و رفت ایک مرتبہ پھر شروع ہو چکی تھی، پتہ نہیں کیوں اسے یہ امید ہو گئی تھی، کہ ہشام اب بھی اس کے ہیں ذرا سی کوشش سے کامیابی اس کا مقدر بن سکتی ہے، سو اب وہ روز

Novels Lovers Digest

ہی آنے لگی تھی دونوں کئی کئی گھنٹوں تک گپیں مارتے کارڈز کھیلتے جاتے ہر قسم کی گفتگو ہوتی اور اس دوران اس کی ڈیوٹی یہ ہوتی کہ وہ چائے کی سپلائی جاری رکھے اس میں کمی نہ آئے پائے، دونوں آؤٹنگ کا پروگرام بناتے تو ساتھ میں اسے ضرور گھسیٹا جاتا ساتھ لے جاکر پھر اس سے بے نیاز ہو جاتے اور وہ سارا وقت یہی سوچتی رہتی یہ کون سے گناہ کی سزا ہے، یہ عذابوں کا سلسلہ آخر کب ختم ہوگا۔

آؤٹنگ سے فارغ ہوتے تو اچانک شاپنگ کا پروگرام بن جاتا، ہشام اسے جی بھر کر شاپنگ کرواتے اس کی بلند ذوقی کی تعریف کرتے اور ساتھ میں اسے نصیحت کرنا نہ بھولتے، دیکھو زمانے کے ساتھ ساتھ انسان کو بدلنا چاہیے، قناعت اچھی چیز ہے مگر اسے گلے کا پھندا نہیں بنانا چاہیے وغیرہ وغیرہ اور وہ چپ چاپ ان کے وعظ سنا کرتی۔

آج کل پھر اس کی ذہنی اذیت انتہاؤں کو چھو رہی تھی، کبھی کبھی اسے لگتا وہ پاگل ہو جائے گی، وہ اب ہشام سے مایوس ہو چلی تھی، وہ کبھی نہیں سدھریں گے اس بات کا اسے یقین ہو چلا تھا، ابو کے سارے اصول غلط لگنے لگے تھے، محبت سچائی اور خلوص کے سارے ہتھیار کند ہو گئے تھے، پتہ نہیں یہ ہمیشہ سے ہی اتنے بے کار تھے یا صرف ان کے لئے بے کار ثابت ہوئے تھے، جو بھی تھا وہ ہارتی جا رہی تھی اسے اگر امی کا خیال نہ ہوتا تو کب کی واپس بھاگ گئی ہوتی، مگر وہ جب بھی واپسی کا سوچتی امی کا خیال اس کے قدم جکڑ لیتا اور وہ پھر رک جاتی، مگر اب یہ سارا سلسلہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا، اب تو کسی کام میں اس کا جی نہیں لگتا تھا، بس سارا سارا دن سوچتی رہتی، اذیت کا ایک لا متناہی سلسلہ تھا، جو گھن کی طرح اسے چاٹ رہا تھا۔

اس دن شام کو ہشام گھر پر نہیں تھے اور ثنا آ گئی، ملازمہ نے اس کے آنے کی اطلاع دی، اس نے اچانک فیصلہ کر لیا، کہ آج وہ دوٹوک بات کر کے رہے گی، آر یا پار کسی ایک کا فیصلہ اسے کرنا ہوگا، آخر وہ کب تک اس پل صراط پر لٹکی رہے گی وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

''ہیلو یہ ہشام نظر نہیں آ رہا، کہاں گیا ہے عجیب آدمی ہے آج تو ہمیں بہت ضروری کام سے جانا تھا اور یہ صاحب غائب ہو گئے۔'' اس کا موڈ کافی خراب لگ رہا تھا۔

''ہشام سے آپ روز ہی ملاقات کرتی ہیں آج ایک ملاقات میرے ساتھ بھی کر لیں۔'' اور وہ اس کے لہجے پر چونکی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کب تک میرے لئے اذیت کا سامان کرتی رہیں گی، کب تک میری محبت خلوص اور وفا کی امتحان آپ لیتی رہیں گی، کب تک مجھے آپ کے مذاق کا نشانہ بننا پڑے گا، آخر میرے ساتھ آپ کیا کھیل کھیل رہے ہیں مجھے بھی تو پتا چلے۔''

جس مجرم کو سولی چڑھایا جاتا ہے اسے کم از کم اس کے جرم سے ضرور آگاہ کر دینا چاہیے، میں بھی چاہتی ہوں کہ مجھے میرا جرم بتایا جائے، کیا میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں سچائی راست بازی کو سب سے اہم سمجھتی ہوں مجھے آپ کی طرح دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنا نہیں آتا، یا یہ ہے کہ میں دوسروں کی طرح آگے بڑھ کر اپنا حق نہیں چھین سکتی، میں نے ہشام کے ساتھ کی بھی خواہش نہیں کی تھی، نہ میں زبردستی ان کی زندگی میں داخل ہوئی، آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ

نہیں تھی، آپ با آسانی ایک دوسرے سے ہو سکتے تھے۔

مگر یہ آپ کی تقدیر ہے کہ آپ نہیں مل سکے، مگر اس سارے قصے میں مجھے میرا قصور تو بتایا جائے، میں نے کیا جرم کیا ہے آپ نے مجھے کیوں عذابوں میں غرق کر دیا ہے، آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں میں اور کتنا صبر کروں، کتنا حوصلہ دکھاؤں میرا گھر میرے سامنے ہی لوٹا جا رہا ہے پھر میں خاموش کیسے رہوں۔

میں اور برداشت نہیں کر سکتی، میری رگ رگ میں آپ نے مل کر اذیت کی چنگاریاں بھر دی ہیں مجھے یہ ناقابل بیان اذیت اندر ہی اندر چاٹ رہی ہے، میں گھل گھل کر ختم ہوئی جا رہی ہوں، خدا کے لئے یہ اذیت کا سلسلہ بند کریں اب میں یہ ذلت اور نہیں سہہ سکتی، خود کو مزید ازاں نہیں کر سکتی، مزید اپنا امتحان نہیں لے سکتی آر یا پار کوئی ایک فیصلہ کر دیں، چاہے میرے حصے میں صرف نقصان ہی کیوں نہ آئے، مگر خدارا مجھے کسی کنارے لگنے دیں

آپ کو ہشام چاہیے، بے شک لے جائیں، اب میں اس آگ کو مزید اپنے گلے کا ہار بنا کر نہیں رہ سکتی، میں نے مان لیا ہے کہ میں ہار گئی ہوں میں نے جس جس اصول پر عمل کیا یہ سوچ کر کہ یہ سچائی پر مبنی ہیں، وہ سب غلط ثابت ہو گئے ہیں، یہ سارے اصول جھوٹ ہیں، یہ انہی کے لئے اچھے ہیں جن کی قسمت اچھی ہو اور میری تقدیر کبھی بھی اچھی نہیں رہی، مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے جس نے جو کچھ بھی کیا اپنی فطرت کے عین مطابق کیا، میرا جرم یہ ہے کہ میری فطرت میں خود غرضی اور چوری شامل نہیں ہے میں......

''دیکھو عائشہ تم خوامخواہ خفا ہو رہی ہو، مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم آرام کرو۔''

ثنا اتنی دیر سے اس کی باتیں سن رہی تھی اسے بولنا پڑا۔

''نہیں ثنا اسے بولنے دو بولنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور اس کے اندر کا بوجھ تو ایک لمبے عرصے کا ہے دو چار لفظوں سے کیا نکلے گا۔''

ہشام جانے کب اندر آ گئے تھے دونوں میں سے کسی کو پتہ نہیں چلا تھا۔

''ثنا زندگی میں انسان بہت سارے خواب دیکھتا ہے کچھ حقیقت پسندانہ اور کچھ غیر حقیقی، پھر گھر کا ماحول بھی اہم کردار ادا کرتا ہے آج تک میں جس ماحول میں رہا وہ اس ماحول سے قطعی مختلف تھا، جو مجھے عائشہ جمال نے آ کر دیا، پہلے پہل میرے غصے کی انتہا نہیں تھی، مجھے زبردستی کے ایک ایسے فعل پر مجبور کیا گیا جس پر میں عام حالات میں بھی تیار نہ ہوتا، پھر اگرچہ تم سے میں نے لمبے چوڑے عہد و پیماں نہیں کیے تھے، مگر پھر بھی ایک معاہدہ ضرور تھا جس کے ہم دونوں پابند تھے، مگر میری شادی میری مرضی کے خلاف کر دی گئی تو میں نے خود کو تمہارا مجرم پایا، بلکہ خود اپنا بھی، مجھے لگا جیسے میں ان چاہی زندگی گزار کر خود پر بھی بہت بڑا ظلم کر رہا ہوں، پھر اس لڑکی نے مجھے ایک نیا راستہ دکھایا، خدا کی طرف جانے کا راستہ، میں نے ہر طرح سے اپنی فرسٹریشن دور کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی، پھر میں نے سوچا چلو اس راستے کو بھی آزما لیا جائے، میں نے اسے آزمایا اور میں مایوس نہیں ہوا۔''

مجھ جیسے دہریے کے لئے تو یہ حیرت کا مقام تھا ہی مگر دراصل یہ عائشہ جمال کی کامیابی کا پہلا زینہ تھا، میں خدا کے قریب ہوا تو مجھے اس لڑکی کی اہمیت کا احساس ہوا اس کے قریب ہوتا چلا گیا، شب و روز کی رفاقت میں، میں نے دیکھا، یہ اس دور کی لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے، نہ تصنع نہ

Digest Novels Lovers

بناوٹ نہ ریاکاری یہ اس دور کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے یہ جب سے یہاں آئی ہے ہم سب مل کر اس کا استحصال کیے جا رہے ہیں، مگر یہ صبر سے اسے برداشت کرتی آ رہی ہے آخر اس چھوٹی سی عمر میں اتنا صبر اور اتنی برداشت کہاں سے آیا، کہ کسی دن ایک شکوہ بھی میں نے اس کے لبوں پر مچلتے نہیں دیکھا، یہ بے حس نہیں تھی، اتنا مجھے معلوم تھا جو لوگ محبت کر سکتے، میری ماں بہن کی تمام بے رخی کا جواب اس نے محبت سے دیا، بھی ان کی کسی بات کی ناکامی نے بھی مجھے سبق دیا، میری بہن کے پاس کیا نہیں تھا دولت شہرت اور ایک عدد فرمانبردار شوہر، مگر اس کے باوجود اس کی زندگی ناکام رہی، آج وہ بالکل تنہا ہے اور محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی غلطی اور شکست کا اعتراف نہیں کر رہی کہ اس نے محض ذرا سی بات پر اپنا گھر اجاڑ دیا۔

ایسے کتنے ہی کیس ہمارے اردگرد ہوتے رہتے ہیں، جہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر اجاڑ دیئے جاتے ہیں، پھر ان تمام حالات کا موازنہ میں نے اپنے گھر کے ساتھ کیا، تو مجھے پتہ چلا کہ ایک یہ لڑکی ہے یہ تمام تر زیادتیوں کے باوجود خاموش ہے کیا اسے معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن مجھے پتہ چلا کہ یہ بے خبر نہیں ہے، یہ سب جانتی ہے مگر گھٹی میں پڑے صبر کی بنا پر خاموش ہے، یہ تو شاید بہت کم تھا اگر اس سے زیادہ برے حالات میں بھی اسے رہنا پڑتا تو یہ رہتی، اتنا مجھے معلوم ہے کہ یہ برے سے برے حالات میں بھی یہاں گزارا کرتی کیونکہ اسے مجھ سے محبت ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''اور ہاں تم، تم جسے مجھ سے محبت کا دعوی ہے تم اپنے انداز و اطوار میں آپی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہو، یہ تمہارا قصور نہیں ہے ہم جس سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں وہاں آوے کا آوا یونہی بگڑا ہوا ہے مجھے معلوم ہے اگر میری اور تمہاری شادی ہو جاتی تو یہ بہت کم دن چلتی اس لئے کہ ہم دونوں ہی کبھی کسی بات پہ سمجھوتا نہ کر سکتے، قربانی نہ دے سکتے اور نتیجہ وہی نکلتا کو آپی کی شادی کا نکلا، مجھے معلوم نہیں تھا، مگر اب پتہ چلا ہے گھر پیسے کی فراوانی اور آسائشات کی موجودگی سے مضبوط نہیں ہوتے بلکہ گھر بنانے کے لئے تو قربانی محبت اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفات کم از کم ہماری سوسائٹی کی کسی لڑکی میں نہیں ہیں اور ہاں عائشہ تم نے یہ کیوں کہا کہ تم ہار گئی ہو تمہارے سارے اصول جھوٹے تھے نہیں تمہارے اصولوں کی سچائی کا واضح ثبوت میں ہوں، یہ تمہاری سچائی ہی تھی جس نے مجھے باندھ لیا اور راہ راست پر لے آئی، میں نے تمہارے وجود کے توسط سے خدا کو دیکھا میں نے بہت دن پہلے تمہیں پہچان لیا تھا مگر میں یہ چاہتا تھا کہ تم بھی خود کو پہچانو اپنے حقوق کا ادراک کرو اور انہیں خود حاصل کرو، بغیر کوشش کیے تو خدا بھی کچھ نہیں دیتا، مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس اصول کو پا لیا۔''

اذان کی آواز سن کر وہ باہر نکل گئے اور ان کے پیچھے پیچھے نثار حیم بھی سر جھکائے نکل گئی اور وہ سوچ رہی تھی کہ انسان کس قدر ناشکرا اور جلد باز ہوتا ہے، اس کے بے صبرے پن نے اسے یہ دن دکھایا، مگر اللہ کا لاکھ شکر تھا کہ اسے اس کے ناشکرے پن کی سزا نہیں ملی تھی، بلکہ ایک خوبصورت زندگی ملی تھی جس میں ہشام قدم قدم اس کے ساتھ تھے۔ بے شک خدا بڑا غفور و رحیم ہے، وہ بندے کو وہاں وہاں سے نوازتا ہے جہاں اس کی سوچ بھی نہیں جا سکتی۔

☆☆☆

Digest Novels Lover group

تیری آنکھوں کے سوا

عقیلہ ہاشمی

Novels Lovers group
Digest

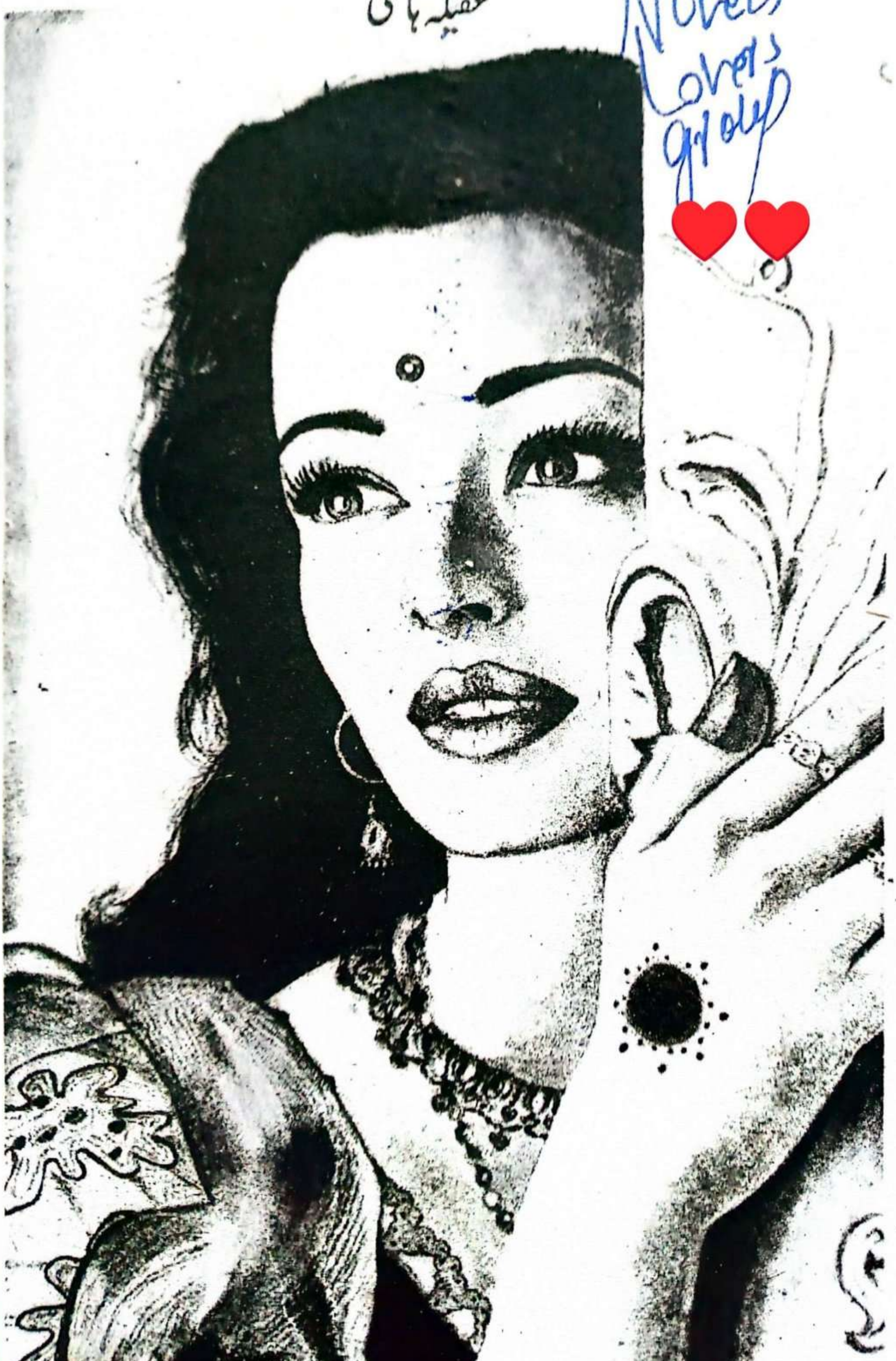

''کہتے ہیں جو فیصلے وقت پر نہیں کیے جاتے انہیں پھر وقت خود کرتا ہے اور اسکے فیصلے بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔''

اس کے ذہن میں کچھ سرسراہٹ محسوس ہوئی بے رحم فیصلے، مشکل فیصلے، تکلیف دہ فیصلے۔

اس کے سامنے بیتے دنوں کی تاریک کھڑکی کھلتی گئی۔ پرانے اور شکستہ حال فلیٹ کے چھوٹے سے کچن میں آسیہ (اسکی امی) بچوں کے لیے ناشتہ بنا رہی ہوتی۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر سکول کی تیاری کرتے بچوں کے شور سے گونج رہا ہوتا۔

''منی آپا! میری ریاضی کی کتاب نہیں مل رہی۔''

پنی (چھوٹی بہن) یونیفارم پہننے اپنا سکول بیگ تیار کر رہی تھی۔ کتاب نہ پا کر اسکے پاس چلی آئی۔

''یہیں کہیں ہوگی۔۔۔ٹھیک سے دیکھو مل جائے گی'' بچپن کی عادت پڑی تھی جاتے جاتے جاتی تھی۔ جو چیز نہ مل رہی ہوتی اسے ڈھونڈنے کی بجائے فوراً آپا کے پاس آجاتے۔

''جان بھی چھوڑ دو اب اس بے چاری کی ۔۔۔۔صبح صبح پاگل کر دیتے ہو۔۔۔۔کوئی کہتا ہے منی آپا میری کتاب نہیں مل رہی تو دوسرا آتا ہے منی آپا میرا جوتا نہیں مل رہا۔۔۔بھئی اب تم بڑے ہو گئے ہو۔۔۔اب تو اپنے کام خود کرنا سیکھو۔۔۔۔۔۔منی آپا کا پیچھا اب چھوڑ دو۔''

آسیہ انہیں اس کے گرد گھیرا ڈالے دیکھ کر روز ڈانٹتی۔

''تم لوگ بچے نہیں ہو۔۔۔اب خود اپنی چیزیں سنبھالنے کی عادت ڈالو۔''

جتنی پھرتی سے اس کے ہاتھ ناشتہ بنا رہے ہوتے اتنی ہی تیزی سے اس کی زبان چل رہی ہوتی۔

بچوں کے لیے دستر خوان لگا کر وہ انہیں ناشتے کے لیے بلا لیتی۔

''کیا کریں امی آپا نے ہمیں اپنا عادی بنا ڈالا ہے جب تک وہ تیاری میں ہماری مدد نہیں کرتی ہماری تسلی نہیں ہوتی۔''

پنی دوپٹہ سر پر لٹکاتے بڑی معصومیت سے جواب دیتی دستر خوان پر آ بیٹھتی۔

لٹو (بھائی) کے بال بنانے کے بعد وہ پپو (چھوٹا بھائی) کی طرف متوجہ ہوتی۔

''پپو تم بھی جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لو۔''

ساتھ ساتھ وہ پپو کے کپڑے استری بھی کرتی جاتی۔ سب سے مشکل کام پپو کو بستر سے نکلنا ہوتا۔ سب تیار ہو کر ناشتہ کر رہے ہوتے تو وہ اٹھ کر باتھ روم جاتا۔

''منی آپا ۔۔۔میرے جوتے کہاں ہیں؟'' لٹو کو تیار ہو کر جوتے نہ ملتے تو ایک بار پھر سے آپا کو یاد کیا جاتا۔

''بھئی ۔۔۔ساری چیزیں اسی چھوٹے سے کمرے میں پڑی ہیں۔ سب رات کو اپنی اپنی تیاری کر کے رکھا کرو تو صبح کسی کو مشکل پیش نہ آئے۔''

بچے حبیب (ابو) کے دائیں بائیں بیٹھے ناشتہ کر رہے ہوتے۔ منی آپا تیار ہو کر باورچی خانے میں امی کے پاس کھڑی چائے کے سپ لیتے ہوئے چھوٹے بہن بھائیوں کے لنچ بکس بھی تیار کرتی جاتی۔ پونے آٹھ بجے سب حبیب کے پیچھے فلیٹ کی نیم تاریک سڑھیاں اتر کر نیچے آجاتے یہاں سے سب کے راستے جدا ہو جاتے۔ پنی نالے سے اس پار لڑکیوں کے ہائی

Novels Digest lovers group

سکول میں پڑھتی تھی وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر نیچے ڈھلوان کی طرف جاتی پتلی سڑک پر ہو لیتی۔

پپو اور لٹو کا سکول حبیب کے دفتر کے راستے میں پڑتا تھا وہ انہیں اپنی سائیکل پر بیٹھا کر بائیں جانب جاتی سڑک پر اپنی سائیکل چڑھا جاتے۔ منی آپا کا راستہ یہاں سب سے جدا ہو جاتا۔ وہ اپنا سیاہ رنگ کا بیگ کندھے پر لٹکائے چلتی ہوئی گوشی (کلاس فیلو) کے فلیٹ کے سامنے چلی آتی جہاں جامن کے پیڑ کے نیچے کھڑی ہو کر وہ اس کا انتظار کرتی۔ کبھی گوشی اس کے انتظار میں پہلے سے وہاں کھڑی ہوتی یا کبھی وہ اپنے فلیٹ کی بوسیدہ سیڑھیاں اتر رہی ہوتی اکثر تو اسے جامن کے ہرے بھرے پیڑ کے نیچے گوشی کا انتظار کرنا پڑتا۔ وہ آ جاتی تو دونوں پیڑوں سے ڈھکے اس راستے پر چلتی ہوئی بس اسٹاپ کی جانب چل پڑتیں۔

✧✧✧

منی آپا (منیرہ بانو) سب کے لیے ممتا کا دوسرا روپ تھی۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی چھوٹی امی تھی وہ۔ آسیہ نے انہیں جنم دیا تھا تو پالا منی آپا نے تھا۔

منی نام کی بھی ایک وجہ تسمیہ تھی۔ سارے بہن بھائیوں میں گو کے بڑی تھی لیکن تھی بالکل دھان پان سی چھوٹے سے قد کاٹھ کے ساتھ حبیب اور آسیہ نے منی کہنا شروع کیا تو سب کی زبان پر یہی نام پکا ہو گیا۔ منیرہ بانو سکول کالج کے حاضری رجسٹر میں کہیں دب کے رہ گیا۔ صبح ایک دفعہ کالج میں حاضری اس نام کی لگتی بعد میں سارا دن سہیلیوں کے ساتھ ساتھ استانیاں بھی اسے منی ہی کہہ کر پکارتیں۔

منی سے چھوٹی پنی (پروین بانو) تھی۔ اس سے چھوٹا لٹو (عباد علی) تھا آخیر میں پپو (فریاد علی) تھا۔

منی آپا کالج میں پڑھ رہی تھی۔ معمولی شکل وصورت والی چھوٹا سا قد، چھوٹی چھوٹی آنکھیں لیکن خدا نے ان میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سکول سے کالج تک ہر جماعت میں ٹاپ کرتی آئی تھی۔ کلاس کی سب سے ذہین طالبہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ وظیفہ ملا۔ حبیب کو بھی اس کی پڑھائی نہ چبھی۔ وہ اچھا پڑھ رہی تھی آگے پڑھنا چاہتی تھی تو پڑھتی چلی گئی نہ کبھی حبیب نے اسے گھر بیٹھانے کا سوچا اور نہ کبھی آسیہ کو اس بات کا خیال آیا لیکن اب جب سے وہ کالج میں گئی تھی تب سے وہ اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔

معمولی شکل وصورت کے ساتھ گھر کی تنگی حالت دیکھ کر دونوں میاں بیوی کا خیال تھا منی کے لیے رشتہ انہیں کوشش کر کے ہی ملنے والا تھا۔ لوگ سب سے پہلے لڑکی کی صورت دیکھتے ہیں اس کے بعد باپ کی حیثیت پر نظر ہوتی ہے۔ حبیب کے پاس وہ دونوں چیزیں نہ تھیں۔

دیکھنے میں تو وہ ابھی بچی دکھائی دیتی لیکن عمر تو شادی کی ہو چکی تھی۔ لڑکیاں جتنا بھی پڑھ جائیں آخر تو ایک دن انکی شادی کرنی پڑتی ہے۔

آسیہ نے لحاظن خالہ (رشتے کروانے والی) سے اس کے رشتے کی بات کر رکھی تھی۔ اس نے حوصلہ دیا تھا جیسے کوئی مناسب رشتہ آئے گا وہ ضرور بتائے گی۔

منی آپا جس قدر ذہین تھی پنی اس کا بالکل الٹ تھی۔ وہ پچھلے تین سال سے دسویں جماعت میں اڑی تھی دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنا اس کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہو چکا

Digest Novels Lovers

تھا۔قد کاٹھ رنگ روپ میں بھی وہ اس کا الٹ تھی ۔منی آپا کا رنگ گہرا سانولا تو اسکا رنگ سفید میدے دودھ سے گوندھا ہوا۔ اونچے لمبے قد کاٹھ پر سنہری بالوں کے ساتھ کبھی کسی نے ان دونوں کو سگی بہنیں نہ مانا تھا۔منی آپا ابو کا دوسرا روپ تھی تو وہ پنی آسیہ کی پرچھائی تھی۔

✧✧✧

اس روز وہ کالج سے لوٹی تو گھر میں غیر معمولی سی خاموشی تھی ۔ آسیہ اسے دروازے سے سیدھی کمرے میں لے گئی۔

''منہ ہاتھ دھو کر، یہ والا جوڑا پہن لو۔اور سنو جب میں آواز دوں تو کمرے میں چلی آنا۔''

امی کا لہجہ اسے کسی نئی نوید کا پتہ دے رہا تھا۔اب اتنی تو بچی نہ تھی۔

امی چلی گئیں تو تیار ہو کر وہ شیشے میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔تھوڑے دن پہلے رات میں اس نے سنا تھا وہ ابو کو بتا رہی تھی لحاظن خالہ چند دنوں میں ایک رشتہ لے کر آنے والی ہے۔ لحاظن خالہ رشتہ لے کر آئی ہوگی۔اس کا دل بری طرح کانپا۔وہ کیسے اندر جائے گی۔پتہ نہیں وہ لوگ اسے پسند کریں گے یا پھر؟۔۔۔اسی پریشانی میں ڈوبی بیٹھی تھی کہ آسیہ کی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔

''منی بیٹا۔۔۔اندر آجاؤ۔''

امی کی آواز پر وہ گھبرائی ہوئی باہر آ گئی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک کا سفر کتنا مشکل ہو گیا تھا کانپتے دل کے ساتھ اس نے دوسرے کمرے میں قدم رکھا۔چھوٹے سے کمرے میں رکھے لکڑی کے اکلوتے صوفے پر دو عدد بھاری بھرکم خواتین براجمان تھیں۔ سامنے لحاظن خالہ بیٹھی گرم گرم چائے کی پیالی کے ساتھ سموسہ کھا رہی تھی۔

''ارے آؤ بٹیا۔۔ادھر آ کر بیٹھو۔''

اسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر لحاظن خالہ جھٹ سے بولی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آسیہ کے پہلو میں جا بیٹھی۔ان عورتوں میں سے قدرے کم عمر عورت نے اسے دیکھتے پلٹ کر بزرگ خاتون کی طرف دیکھا۔اس کے اندر آتے دونوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات ابھرے تھے۔ایسے جیسے منہ میں آئی مکھی نگلنی مشکل ہو گئی ہو۔

وہ سر جھکائے انکے سامنے چپ چاپ بیٹھی تھی ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی سوال نہ ہوا۔چائے وہ پی چکی تھیں۔بزرگ خاتون کو اب شاید مزید بیٹھنا بے کار لگا تھا تبھی لحاظن کو مخاطب کر کے بولی۔

''اچھا لحاظن بی اب ہم چلتے ہیں۔۔۔''وہ دونوں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئیں تبھی دروازہ کھلا اور ہنستی مسکراتی پنی اندر داخل ہوئی۔اسے دیکھ کر گھر سے باہر جاتیں خواتین کے مرجھائے چہرے کھل اٹھے۔جھٹ سے آسیہ کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

''یہ بھی کیا آپ کی بیٹی ہے؟''سوال میں خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت بھی گھلی تھی۔

آسیہ انکی نگاہوں کے زاویے سمجھ چکی تھی۔

گردن جھکا کر جواب دیا۔

''جی۔۔۔یہ بھی میری ہی بچی ہے۔''

✧✧✧

دوسرے دن لحاظن خالہ نے اس سے جو بات کی اس کا اندازہ اسے کل ہی ہو گیا تھا۔

''برا نہ منانا آسیہ لڑکے والوں کو منی کی بجائے پنی (پروین بانو) پسند آ گئی ہے۔''

لحاظن خالہ نے بات تو بڑے ٹھہر کر کی تھی لیکن

سیدھی جا کر اس کے دل پر لگی تھی۔

''بلقیس (لڑکے کی ماں) کہہ رہی تھی۔

خالہ ہمیں انکی چھوٹی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔میری لڑکی تو کہہ رہی ہے جس طرح ممکن ہو بس اسی لڑکی کو بیاہ کر لانا ہے۔۔۔۔۔میں نے تو انھیں بہت منع کیا بٹیا۔۔۔۔بڑی کو چھوڑ وہ چھوٹی کے لیے نہیں مانیں گے لیکن وہ ضد پکڑ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔کہہ رہی تھی چھوٹی نہیں تو پھر کوئی نہیں۔''

خالہ کی بات آسیہ کا سینہ چھلنی کر گئی۔ دوسرے لفظوں میں منی کے لیے انکار ہی تھا۔

''اے خالہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔۔ایسا کبھی ہوا ہے ایک لڑکی کو ناپسند کر دو اور اسی گھر کی دوسری لڑکی کا رشتہ مانگ لو۔۔۔۔یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔۔۔رشتہ وہ منی کا دیکھنے آئے تھے تو اسی کا رشتہ ہوگا۔۔۔۔۔۔یہ بات تو حبیب بھی نہیں مانے گا۔''

وہ سنتے بگڑ گئی۔بڑی کو ناپسند کر کے چھوٹی بیٹی کے لیے کیسے ہاں کر سکتی تھی۔

''ہم عزت دار لوگ ہیں۔۔۔کچھ تو خدا کا خوف کریں۔۔۔انکے گھر میں بھی بچیاں ہوں گی۔۔۔۔میری بیٹی میں کس چیز کی کمی ہے۔۔۔پڑھائی میں کوئی ان کے مقابلے کا نہیں۔۔۔ہر جماعت میں اول آئی ہے۔۔۔گھر کے کاموں کا سلیقہ رکھتی ہے۔۔۔آپ خود سوچیں وہ سنے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

منی کالج گئی تھی تو وہ خالہ سے کھل کر اتنی باتیں کہہ پائی تھی۔

آسیہ کی باتیں وقتی طور پر تو کسی کا بھی ذہن بدل سکتیں تھیں لیکن یہ ساری باتیں وہ لڑکے کی ماں سے کر چکی تھی۔ وہ کسی طرح بھی خالہ کی باتوں سے قائل نہ ہوئی تھی۔اب تو ایک ہی راستہ تھا یا تو پنی (پروین بانو) کا رشتہ یا پھر جواب۔

''میں تو کہوں گی بٹیا رشتہ بہت اچھا ہے اسے یوں نہ ٹھکراؤ۔۔۔۔کسی کے بڑھے ہاتھ کو جھٹک دینا یہ بھی کفرانِ نعمت ہے۔اللہ پاک کو یہ بات پسند نہیں۔''

خالہ کا کام صبح سے شام گھر گھر جا کر دوسروں کی بیٹیوں کے نصیب جوڑنے کا سبب بننا تھا۔ بلقیس کی فرمائش کوئی ایسی بے جا بھی نہ تھی وہ پہلے بھی کئی بار ایسے رشتے کروا چکی تھی۔

''میرا مشورہ تو یہ ہے چپ کر کے ہاں کر دو۔۔۔۔یہ کوئی اتنا بڑا مسلہ نہیں ہے۔۔۔ابھی دو مہینے پہلے وہ پچھواڑے والے پٹواری صاحب نے اسی طرح بڑی بیٹی چھوڑ کر چھوٹی کو بیاہ دیا ہے۔۔۔۔۔لڑکے والوں کو چھٹکی پسند آ گئی تھی۔۔۔۔ہر کسی کی اپنی پسند ہوتی ہے اور پھر یہ تو سارے قسمت کے کھیل ہیں۔

ان کے گھر میں تمہاری بڑی بیٹی کا نہیں چھوٹی کا مقدر جڑا ہے۔۔۔ہیں تو دونوں تمہارا ہی خون۔۔۔بڑی نہ سہی چھوٹی سہی کیا فرق پڑتا ہے۔''

خالہ نے پان کی گلوری منہ میں رکھتے اسے بدلتے زمانے کی حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔اس کا خیال تھا جواب دینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں بنتی۔

رشتہ اچھا ہے اسے نخرے کرنے کی بجائے ہاں کر دینی چاہئے۔

✦✦✦

آسیہ نے اپنی طرف سے تو انکار کر دیا تھا لیکن آنے والوں کے دل کو پروین بانو ایسے بھا گئی کہ اب جان چھوٹے نہ چھوٹ رہی تھی۔

لحاظن روز انکا پیغام لے کر آجاتی۔اخر انکا

Digest Novels Lovers

حد سے بڑھا اصرار دیکھ کر حبیب نے اس رشتے پر ہاں کر دی یوں پنی (پروین بانو) کی بیٹھے بیٹھائے لاٹری نکل آئی۔ میٹرک تو اس سے ہو نہ سکا لال جوڑا پہن کر گہنوں میں لدی پیا کے گھر سدھار گئی۔

منی آپا نے ہمیشہ کی طرح بی اے میں بھی فسٹ ڈویژن لی تھی۔ خاندان بھر میں ڈگری لینے والی پہلی لڑکی قرار پائی تھی۔

''ابو جی! مجھے یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہے''

اتنے اچھے نمبروں میں پاس ہوئی تھی حبیب کیسے اسے انکار کر سکتا تھا اس کے ساتھ جا کر خود یونیورسٹی میں داخلہ کروایا تھا۔ آسیہ کا بھی خیال تھا چلو اچھا ہے زیادہ پڑھ لکھ جائے گی تو کوئی اچھی نوکری مل جائے گی شاید اس کے بعد اسے کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔

✧✧✧

منی آپا یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھی تو خدا خدا کر کے لٹو میٹرک کر کے کالج پہنچ گیا تھا۔

ان دنوں لحاظن خالہ پھر سے ایک رشتہ لے کر آئی۔

''حبیب لحاظن خالہ نے منی کے لیے ایک رشتہ بتایا ہے''

جب سے پنی اپنے گھر کی ہوئی تھی آسیہ کو رہ رہ کر منی کے بیاہ کی فکر ستاتی رہتی۔ لحاظن خالہ جہاں ملتی وہیں منی کے لیے پیغام دینا نہ بھولتی۔

''خالہ بتا رہی تھی لڑکا اتنا پڑھا لکھا تو نہیں لیکن برسرِ روزگار ہے سوئی گیس کے محکمے میں نوکر ہے۔ چار بہنیں ہیں سب کی سب شادی شدہ۔۔۔ لڑکے کی ماں تو ہماری منی کی تعلیم کا سن کر خالہ کے پیچھے پڑی ہے جلدی سے مجھے انکے گھر لے کر چلو۔۔۔''

آسیہ کو جو کچھ خالہ نے بتایا تھا وہ سب رات کو حبیب کو بتاتے ہوئے وہ بہت خوش تھی۔۔۔ اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر ہماری طرف سے بھی دیر کی کوئی وجہ نہیں۔۔۔ بسم اللہ پڑھو'' لحاظن خالہ ساری چھان بین کر چکی تھی تو پھر کس بات کا ڈر تھا۔ انہیں خالہ پر بھروسہ تھا۔ پنی کا رشتہ کروایا تھا وہ اپنے گھر میں عیش کر رہی تھی۔ آنے والے مہینوں میں ماشاءاللہ سے اس کی گود بھی بھرنے والی تھی۔

اگلے ہی دن خالہ آسیہ کو لڑکے کی تصویر دے کر بدلے میں منی کی ایک عدد اچھی سی تصویر البم سے نکال کر لے گئی تھی۔

رات میں جب لٹو اور پپو کمرے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے وہ دوسرے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی آسیہ ہاتھ میں تصویر لیے چلی آئی۔

''منی بیٹا۔۔۔ ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے جتنی جلدی انکی بیٹاں اپنے گھروں کو چلی جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔

جو لوگ اپنے جیتے جی اپنے بچوں کے فرض پورے کر لیتے ہیں ان سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہوتا۔''

امی کے ہاتھ میں پکڑی تصویر وہ دیکھ چکی تھی۔ لٹو کے ذریعے کچھ خبریں بھی اس بارے میں سن چکی تھی۔ اس لیے انکی تمہید کو سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی۔

''بیٹا شریعت میں لڑکی کو حق دیا ہے وہ اپنی پسند کا اظہار کر سکتی ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ تمہارے ابو نے کہا ہے میں تم سے بات کروں۔ اس لڑکے کا تمہارے لیے رشتہ آیا ہے۔''

آسیہ نے ہاتھ میں پکڑی تصویر اس کی گود میں رکھی کھلی کتاب پر رکھ دی۔

digest library.com

اس نے جھکی جھکی آنکھوں سے دیکھا۔ خوبصورت اور وجیہہ نوجوان کی تصویر پر نظر ٹھہر سی گئی۔ گندمی رنگت پر بادامی نین، ستواں ناک، خوبصورت مونچھیں چہرے پر ہر ہر نقش توجہ کے قابل تھا۔

اسے پتہ نہیں امی اس کے بارے میں کیا کیا بتا گئی تھی وہ تو اس کی نشیلی آنکھوں کے سحر میں کھو گئی تھی۔

آسیہ اٹھ کر باہر گئی تو اس نے فوراً شرما کر تصویر کو کتاب میں چھپالیا۔

منی آپا کی کتاب میں جب سے وہ تصویر آئی تھی تب سے اس کی زندگی بدل گئی تھی۔ وہ پڑھنے بیٹھتی تو لگتا حروف اس تصویر کا عکس پا کر دوڑ نکلے ہوں۔ کتاب کے ہر ہر حرف میں اس کا عکس سمایا تھا۔ اس کی نشیلی آنکھیں ہر سطر میں دوڑتی بھاگتی نظر آنے لگتیں۔ وہ پہروں تنہائی میں اس کی تصویر دیکھتی رہتی۔۔ وہ یونیورسٹی میں کو ایجوکیشن میں تعلیم حاصل کر رہی تھی لیکن بہت محتاط طریقے سے لڑکوں کے بیچ میں رہتی۔ کبھی کسی کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا لیکن اس اجنبی سے کیسا رشتہ بندھنے جا رہا تھا وہ بنا پلک جھپکائے گھنٹوں اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہتی۔ ان چند دنوں میں اس سے ملے بنا اسے دیکھے بنا وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی۔ وہ محبت کی ہر رمز سے واقف ہو چکی تھی۔

جس روز وہ لوگ انکے گھر آئے اس نے یونیورسٹی سے چھٹی کر رکھی تھی۔ سارے کام ختم کر کے نہا دھو کر بالوں کی لمبی چٹیا بنائے وہ کمرے میں آن بیٹھی۔ حبیب بھی جلدی گھر آ گیا تھا۔ لحاظن خالہ نے انہیں پہلے سے بتا رکھا تھا وہ لوگ لڑکے کو بھی ساتھ میں لانا چاہتے ہیں۔ یہ بات پہلے تو انہیں اچھی نہیں لگی لیکن پھر غور کرنے پر پتہ چلا آج کے ماڈرن دور میں یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں۔ ان کی بیٹی بھی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ لڑکا لڑکی اگر ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے تو کوئی حرج نہیں۔

لڑکے کے ساتھ اس کی امی ایک بہن اور اسکا چھوٹا بچہ تھا۔ آسیہ کے ساتھ سارے کام منی خود کروا رہی تھی۔ لڑکے کی ماں اور بہن اس کا سلیقہ دیکھ کر خوش ہوتی رہیں۔ آسیہ اور حبیب غور کر رہے تھے لڑکا بہت سنجیدہ بیٹھا تھا۔ ایسے جیسے بڑی مجبوری میں ساتھ آیا ہو۔ ساتھ میں آیا بچہ بہت شرارتی تھا۔

اس کے لیے چھوٹے سے گھر میں ٹک کر بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''امی جان میں اسے نیچے سے چکر لگوا کر لاتی ہوں۔ جھولوں پر بیٹھے گا تو خوش ہو جائے گا۔'' وہ لڑکی بچے کو لیے اٹھی تو اسکی امی بیٹے کی طرف دیکھ کر بولی۔

''منے بیٹا تم بھی بہن کے ساتھ جاؤ۔''

امی کی بات سن کر وہ پھولے ہوئے منہ کے ساتھ اٹھا اور بہن سے پہلے نیچے اتر گیا۔

''منی آؤ تم بھی ہمارے ساتھ نیچے چلو۔۔۔''

بچے کو بہلاتے ہوئے اس کی بہن نے منی کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی۔ اس نے نظر اٹھا کر امی کی طرف دیکھا۔ جیسے اجازت مانگ رہی ہو۔

''ہاں جاؤ'' امی کی طرف سے اجازت پا کر وہ انکے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی جہاں وہ نشیلی آنکھوں والا سنجیدہ لڑکا کھڑا تھا۔ وہ انہیں لیے بلاک کے گرد اگرد بنے پارک میں چلی آئی۔

اس کی بہن تو آتے ہی بچے کو لیے جھولے

پر چلی گئی۔ منی خالی بینچ پر اس کے ساتھ خاموش بیٹھی تھی۔اس کے کان اس کی طرف سے کوئی خوبصورت سی بات سننے کے منتظر تھے۔اس نے نظر اٹھا کر پیڑوں پر چہکتے پرندوں کو دیکھا۔ خاموشی طول پکڑتی جارہی تھی۔وہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔

نہ کوئی خوشی نہ کوئی ناراضگی بس ویرانی اور خاموشی اس کا جی چاہا وہ ایک بار نظر اٹھا کر اس کی نشیلی آنکھوں میں جھانک کر دیکھے لیکن بہت مشکل تھا وہ اس کے برابر میں بیٹھی تھی۔

”آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟“

اچانک خاموشی کو چیرتی اس کی آواز ابھری۔اس نے شرما کر اپنا سر مزید جھکا لیا۔

”نہیں“، نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کا چہرہ شرم وحیاء کا مرقع بن گیا۔

اسے تو چند روز پہلے تک محبت کے نام سے بھی واقفیت نہ تھی۔جس دن سے اسکی تصویر اسکی کتاب میں آئی تھی اس دن سے وہ اس جذبے سے آشنا ہوئی تھی۔

”میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔وہ اگر مجھے نہ ملی تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔۔۔۔میری امی مجھے آپ کے گھر زبردستی لے کر آئی ہیں۔ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتا۔“

اس کے سینے پر جن الفاظ کا بوجھ پڑا تھا اس نے وہ سارا بوجھ اس کی طرف اچھال دیا۔اس نے سر اٹھا کر پہلی بار اس کی نشیلی آنکھوں میں دیکھا

اس نے تو چند دنوں میں ان آنکھوں کے حوالے سے محبت کے انگنت خواب بن لیے تھے لیکن اس نے دیکھا اس کی آنکھوں کے سارے رنگ پرائے تھے۔کوئی ایک رنگ بھی اس کے نام کا نہ تھا۔وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن اسے خبر نہیں پھر وہ کیا کیا بولتا رہا اسے جو بات یاد رہی وہ ان آنکھوں کے اندر تیرتی بے اعتنائی۔۔۔بے رخی، بے مروتی، بے وفائی۔۔ تھی۔

✦✦✦

منی آپا کی قسمت میں کسی کا ساتھ نہ تھا اس کے مقدر میں اکیلا پن لکھا تھا۔اس رشتے سے جواب کیا ہوا پھر اس نے محبت کے بے رحم چہرے کی طرف کبھی مڑ کر نہ دیکھا۔

دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے چلے گئے۔منی آپا کو تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری مل گئی۔لٹو اور پپو کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکریاں لگ گئیں۔

حبیب ریٹائرڈ ہو چکا تھا۔کتنی بہاریں خزاں کا روپ دھار کر چمن کو اجاڑ کر پھر سے آباد کرتی رہیں بدلی نہ تو منی آپا کی قسمت نہ بدلی، وہ اسی طرح اپنی جگہ کھڑی تھی۔منی آپا آج کل شہر کے ڈگری کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر تھی۔

پرانا شہر پرانا گھر پرانے طور طریقے سب چھٹ گئے تھے۔اب وہ صبح روز اپنی گاڑی خود چلا کر کالج جاتی تھی۔زندگی میں سب کچھ تھا جس کی کبھی اس نے تمنا بھی نہ کی تھی۔وہ شروع سے قناعت پسند تھی۔بہت ڈھیر ساری دولت، کپڑے لتے، گاڑی عیش وعشرت کی اسے کبھی کوئی خواہش نہ رہی تھی۔اس نے تو بس ایک بار زندگی میں سچے دل سے بس اس کا ساتھ مانگا تھا جو اسے ٹھکرا کر چلا گیا تھا۔اس کے بعد تو اک عرصہ ہوا اس نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔اس کے پاس سب کچھ تھا لیکن حبیب اور آسیہ کو آج بھی اس کے لیے صرف ایک ہی خواہش تھی کسی طرح اس کا گھر آباد ہو جائے تو وہ سکون سے مر سکیں۔اپنے جاننے والوں کو آج بھی وہ دونوں

اس کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈنے کا کہتے تھے۔

✦✦✦

”آنٹی رشتہ تو ہے میری نظر میں لیکن ہے چار بچوں کا باپ۔۔۔آپ خود ہی سوچیں اب اس عمر میں منی آپا کو کوئی کنوارا لڑکا تو ملنے سے رہا“

بات تو سامنے والی کی درست تھی جواب تک آسیہ بیگم کی سمجھ میں اچھی طرح آ چکی تھی۔ اس لیے جھٹ سے بولی۔

”میں جانتی ہوں بٹیا۔۔۔تم بس بات چلاؤ۔“

اس نے حبیب سے بات کی تھی وہ بھی راضی تھا ان دونوں کو اپنی بیٹی کے لیے ایک آسرا چاہیے تھا مرنے سے پہلے وہ اس کی ذمہ داری کسی مرد کو سونپنا چاہتے تھے۔ وہ چاہے کنوارا ہو یا چار بچوں کا باپ اب یہ سب سوچ کا وقت نہ تھا۔

بات چلی اور کچھ ہی دنوں میں منی آپا کی سالوں سے رکی شادی ایک ہی بار میں وقوع پزیر ہو گئی۔ اتنی اچانک کہ پنی کو بھی دو ڑم بھاگم شادی میں شرکت کے لیے آنا پڑا۔ پپو اور لٹو نے بھی خوش تھے بالآخر منی آپا اپنے گھر کی ہو رہی تھی

✦✦✦

منی شادی کے لال جوڑے میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کمرے میں پھیلا پھیلاؤ مروت (شوہر) کی زندگی کی الجھنوں کا پتہ دے رہا تھا۔ باہر سے بچوں کے رونے کی آوازیں مزید تلخیوں میں اضافے کا سبب بھی بن سکتیں تھیں لیکن منی کا خمیر خدا نے صبر اور قناعت کے شیرے سے گوندھا تھا۔ وہ سر اٹھا کر دیکھ رہی تھی کھلے دروازے سے چھوٹا بچہ روتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے گرتے آنسو تھم گئے۔ اپنے باپ کے بستر پر بیٹھی سجی سنوری عورت اس کے لیے دل چسپی کا مرکز تھی۔ وہ چلتا ہوا قریب چلا آیا۔ اسے دیکھ کر منی آپا کے چہرے پر چھائے اطمینان میں کوئی کمی نہ آئی۔ وہ جس شوق سے اس کے سجے روپ کو دیکھ رہا تھا وہ بھی اسی شوق سے اس کے استقبال کو آگے بڑھی۔ اس کے دل میں ایک لمحے کو بھی اسے جھڑک کر باہر نکالنے کا خیال نہ آیا۔

اسے اس بات پر بھی دکھ نہیں ہوا وہ کیوں اپنے باپ سے پہلے اس کے پاس چلا آیا تھا۔ اس نے دونوں بانہیں پسار کر اسے اٹھا لیا۔ اپنے رومال سے اس کی ناک صاف کر کے اسے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ بچہ کئی راتوں سے ممتا کے لمس کا ترسا تھا اس کی آغوش کی گرمی پا کر اس کی بانہوں میں آرام سے سو گیا۔ وہ اسے اپنے بستر پر سلا کر مڑی تو مروت اندر آ چکا تھا۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
- خط انشا جی کے .... ☆
- بستی کے اک کوچے میں .... ☆

"سوری وہ بچوں کو سلانے میں دیر ہو گئی۔۔" وہ دیر سے آنے پر اس سے معذرت کرتا آگے بڑھا۔

اس کی آواز سماعتوں سے ٹکراتے اسے گمان ہوا جیسے اس نے یہ آواز پہلے بھی کبھی سنی ہو۔

وہ نظریں جھکائے قریب چلا آیا۔

"بیٹھیں آپ" بیڈ پر بیٹھنے سے پہلے اس نے اسے بیٹھنے کی آفر کی۔وہ چپ چاپ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"میرے بچے میری زندگی کی سب سے اولین ترجیح ہیں۔ یاسمین (پہلی بیوی) کے جانے کے بعد میرے بچے بکھر گئے ہیں۔آپ پڑھی لکھی سمجھ دار ہیں میرا خیال ہے مجھے آپ کو کچھ سمجھانا نہیں پڑے گا"

وہ بولتا جا رہا تھا اور وہ ابھی تک الجھنوں میں گھری اس کی آواز پر غور کر رہی تھی۔ یہ آواز بڑی مانوس سی لگ رہی تھی۔وہ قریب آیا تو اس نے ہاتھوں میں اس کے حنائی ہاتھ لے لیے۔وہ نروس سی ہو گئی کچھ بھی تھا اس کی زندگی میں یہ لمحہ پہلی بار آیا تھا۔بے شک اسے منہ دکھائی میں اس نے کوئی چیز پیش نہ کی پھر بھی اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"ادھر میری طرف دیکھو منیرہ۔۔۔میری آنکھوں میں۔۔" اس کی طرف سے کی گئی فرمائش پر اس نے پہلی بار اپنی پلکوں کو ہولے سے ہلا کر اوپر اٹھایا۔

اس کے سامنے چالیس پینتالیس سال کا میچور مرد بیٹھا تھا جس کے سر پر آدھے سے زیادہ بال غائب ہو چکے تھے باقی بچ جانے والے بالوں کو آج کے دن کی مناسبت سے اس نے سیاہ ہیر ڈائے سے رنگا ہوا تھا۔گہری سانولی رنگت، بھدی ناک پر دھری موٹے شیشوں والی عینک، نکلی ہوئی توند، پہلی نظر میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے دل پر چوٹ پڑی تھی اس نے نظر جھکا لی۔

"دیکھو منی بٹیا۔۔تم اب عمر کے جس حصے میں ہو اس میں اب میرا تمہیں یہ سمجھانا بے کار ہے۔۔۔۔مرد کی شکل وصورت بے معنی چیز ہے۔۔۔۔مرد کو شکل سے نہیں اس کی سیرت سے پرکھا جاتا ہے۔۔۔مروت کو ہمیشہ دل کی آنکھ سے دیکھنا پھر تمہیں اس میں دنیا جہان کی خوبیاں نظر آئیں گی۔"

امی کے جملے اس کی سماعتوں میں گونج اٹھے۔

ہاں شکل وصورت تو کوئی معنی نہیں رکھتی پھر میں کون سی حسین ہوں اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔عمر کے اس حصے میں تو بہت خوبصورت انسان بھی بدصورت ہو جاتا ہے۔

سوتے بچے کو دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرائی۔اس کا حنائی ہاتھ اب بھی اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔وہ اپنے بچوں کے بارے میں اسے بتا رہا تھا۔اس کی باتیں سنتے ہوئے اسے دو چیزیں بار بار ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ ایک اس کی آواز اور دوسری موٹے شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی آنکھیں۔

اس کی آنکھیں رہ رہ کر اسے شعور کی اجنبی گلی میں سرسراہٹ سی پیدا کر رہی تھیں۔

اس نے کہیں پڑھا تھا۔۔انسان کی ہر چیز وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو کبھی نہیں بدلتیں۔ایک اس کی آواز اور دوسری آنکھیں۔یہ دو چیزیں مرتے دم تک وہی رہتی ہیں۔

✦✦✦

عید اور دلہن

ہما راؤ

Digest Novels Lovers Group

جیسے جیسے عید کے دن قریب آ رہے تھے، لوگوں میں جوش وخروش بڑھتا جا رہا تھا، منڈیوں میں گہما گہمی دیکھنے میں آ رہی تھی، ہر طرف یہ ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی، بکرا لینا ہے یا بیل، کہی لوگ مہنگائی کی وجہ سے پریشان تھے، تیزی سے بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ہر طبقے کو بڑی طرح متاثر کیا تھا، خاص طور پر لوئر اور مڈل کلاس کے لئے اپنا بھرم رکھنا بے حد دشوار ہو گیا تھا، یہ ہی وجہ تھی کے لوگوں کی خوشیوں پہ فکریں زیادہ حاوی ہو گئی تھی اور لوگ اپنے اسلامی تہوار پہ بھی خوش نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ وہ اپنے بگڑتے ہوتے بجٹ سے اور آئندہ کی ضرورت زندگی کے لئے فکر مند تھے، سو ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق اپنی خوشیوں کے لئے تگ و دو کر رہا تھا کہ وہ عید جیسے تہوار کو ہنسی خوشی منانا چاہتا تھا کہ ناشکری کر کے اپنے رب کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

لیکن مریم کا مسئلہ مہنگائی یا دیگر ضرورت زندگی کے لئے فکر مند ہونا نہیں تھا، جیسے عید آ رہی تھی، مریم کی بے چینی و بیقراری بڑھتی جا رہی تھی، ہر آنے والا دن، گھنٹہ لمحہ اس کے لئے فکر کا باعث بنتا تھا۔

مریم ''ریان حیدر'' کی وجہ سے بے حد پریشان تھی، گو کہ ریان حیدر کی ذات اس کے

لئے پریشانی کا باعث نہیں تھی، بلکہ ریان حیدر وہ شخص تھا جس کی ذات درحقیقت مریم عثمان کے لئے سکون کا باعث تھی، وہ ریان حیدر کو بہت زیادہ چاہتی تھی، اتنا کہ اسے لگتا تھا ریان حیدر اس کے سینے میں دل بن کے دھڑکتا ہے۔

تمہیں کتنا چاہتے ہیں
کبھی تم نے یہ بھی سوچا
کہ تمہارے دل گرفتہ
تمہیں کتنا چاہتے ہیں
تمہیں زندگی سے بڑھ کر
جو عزیز ہم نے جانا
سو کوئی سبب تو ہوگا
کبھی تم نے یہ بھی جانا
سرِ شام منتظر تھے
کہیں نیلمیں اجالے
کہیں تتلیاں لبوں کی
کہیں پھول جیسے عارض
کہیں قمقموں سی آنکھیں
یہ جو چارہ گر ہمارے
کوئی ساعت رفاقت
سرِ شام مانگتے تھے
انہیں کیا خبر کہ ہم نے
تمہیں سونپ دی ہیں راتیں
تمہیں روز و شب کہ دکھ میں
کبھی بھولنا بھی چاہیں
تو کبھی نہ بھول پائیں
کہ یہ عہد زندگی ہے
جسے توڑنا بھی چاہیں
تو کبھی نہ توڑ پائیں

ریان حیدر بھی اسے بے تحاشہ چاہتا تھا، لیکن ان دونوں کے درمیان واحد مسئلہ "عروج نثار" تھی جو کہ ریان حیدر کی چچازاد تھی اور متوقع منگیتر تھی، ریان حیدر اور عروج نثار کے والدین یہ چاہتے تھے کہ عید کہ تیسرے دن ان دونوں کی منگنی کر دی جائیں اور ایک سال بعد جب ریان حیدر کی ٹریننگ ختم ہو جائے تو شادی کر دی جائے۔

یہ فیصلہ ریان حیدر اور عروج نثار کے والدین نے باہمی اتفاق سے کیا تھا، عروج نثار اس فیصلے پہ دل و جان سے راضی تھی، البتہ ریان حیدر بے خبر تھا کہ وہ اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں کراچی میں مقیم تھا اور اس کا اپنا گھر حیدرآباد میں تھا، عروج نثار کا گھر بھی حیدرآباد میں تھا، دونوں کے والدین میں بہت محبت تھی، ریان حیدر اور عروج نثار کے والد آپس میں سگے بھائی تھے تو ریان حیدر اور عروج نثار کی مائیں آپس میں سگی بہنیں تھیں، دونوں گھروں میں آپس میں مثالی پیار تھا اور یہ ہی مثالی پیار وہ اپنے بچوں ریان حیدر اور عروج نثار میں دیکھنے کے خواہشمند تھے اور ایسی ہی خواہش عروج نثار بھی اپنے دل میں رکھی تھی صرف ریان حیدر ہی تھا، اپنے گھر میں جو ایسی کوئی خواہش نہیں رکھتا تھا۔

اس کی خواہش صرف اور صرف مریم عثمان تھی، مریم عثمان اس کی پھپھو زاد تھی، وہ کراچی ٹریننگ کی غرض سے آیا تھا، کراچی میں رہائش کا مسئلہ نہیں تھا، اسے کمپنی کی جانب سے یہ سہولت میسر تھی نہ بھی ہوتی تو ٹینشن نہیں تھی، اس کے کزنز کراچی میں جاب کے سلسلے میں رہائش پذیر تھے، وہ ان کے ساتھ با آسانی مکان شیئر کر سکتا تھا۔

نگہت پھپھو کراچی میں گلشن اقبال میں وسیع و عریض گھر میں اپنے دو بچوں مریم اور فیضان کے ساتھ رہائش پذیر تھیں، وہ حیدرآباد سے امی کی ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدھا نگہت پھپھو

Digest Novels Lovers group

نگہت۔ پھپھو کو ریان حیدر کی آمد کی خبر بذریعہ فون موصول ہو چکی تھی، اس لئے تینوں گھر کے مکین ریان حیدر کی آمد سے پہ نہ صرف بےحد خوش تھے بلکہ بے صبری سے ریان حیدر کی آمد کے منتظر تھے، تینوں گھر کے مکین بہت مخلص اور سادہ تھے، آنے والے مہمانوں کے لئے ان کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

ریان حیدر پھپھو، فیضان اور مریم کے اخلاق سے بے حد متاثر تھا۔

''پھپھو! اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟'' ریان نے نظر خفگی سے ڈشیز پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''مریم نے بنایا ہے، مریم جانو اور تم؟ میں چلی نماز پڑھنے۔'' نگہت اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''مریم میں کوئی غیر تو نہیں تھا، جو تم نے یہ تکلف کیا۔'' ریان حیدر نے شکوہ کیا۔

''مہمان اپنا ہو یا پرایا مہمان نوازی تو ہمارا فرض ہے۔'' مریم نے صاف گوئی سے کہا۔

ریان حیدر کو بہت خوشی ہوئی، پھپھو کی فیملی سے مل کر پھپھو نے بے حد اصرار کیا کہ ریان ان کے ہاں ٹھہرے لیکن ریان حیدر نے سہولت سے معذرت کر لی البتہ پھپھو سے ہر ویک اینڈ پہ آنے کا وعدہ لے لیا، جو ریان نے پورا کیا، اب ہر ویک اینڈ پہ وہ بہت انجوائے کرتا، یوں ہی معصوم سی مریم اس کے دل میں گھر بنا گئی، یہ ہی جذبہ مریم کے دل میں بھی ریان کے لئے تھا، ریان نے مریم سے اظہار محبت کر دیا، مریم نگاہیں جھکا گئیں، آنے والا وقت بے حد حسین ہو گیا تھا، ریان کو لگتا تھا وہ با آسانی مریم کو پا لے گا، ایسا ہی مریم سوچتی تھی اور اس کو پانے کے لئے دعائیں

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلئے
- نگری نگری پھرا مسافر

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دلِ وحشی

طنز و مزاح

- باتیں انشاء جی کی
- دخل در معقولات
- آپ سے کیا پردہ
- بقلم خود

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

کرتی تھی، ریان عید کرنے اپنے گھر گیا تو گھر والوں کے ارادے جان کر تڑپ گیا وہ بھلا مریم کو دھوکہ کیسے دے سکتا تھا، اس نے اپنی امی کو صاف انکار کر دیا جسے سن کر انہوں نے ریان کو خوب لعن طعن کیں، بھلا عروج ان کی بھانجی تھی، عروج سے زیادہ انہیں کیا عزیز ہونا تھا، انہوں نے شدت سے ریان کے فیصلے کی مخالفت کی اور انہیں سب کی حمایت حاصل تھی، ریان کے لاکھ احتجاج کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، ریان بے حد پریشان تھا۔

''مریم! دعا کرو میں کامیاب ہو جاؤں، بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے۔'' ریان نے فون رکھ دیا اور مریم کتنے دیر ریسور تھامے روتی رہی، دعاؤں میں شدت آتی جا رہی تھی، نگہت مریم اور ریان کی محبت سے بے خبر تھی، مریم کی وجہ سے نگہت بہت پریشان تھی، مریم بہت کمزور ہو گئی تھی، ہر وقت اداس رہتی تھی، ہنسنا بولنا چھوڑ چکی تھی، کھانا بنالیتی اور کھانا بھول جاتی تھی، نگہت کہہ کہہ کر کھلاتیں۔

ریان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ کیا کریں، کبھی اسے لگتا تھا کہ اس نے بہت جلد بازی کی مریم سے وعدہ کرنے اور خواب دیکھانے میں، بے سکونی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''بابا میں مریم کو چاہتا ہوں، میں مریم سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں، میں مریم کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔'' ریان نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''بیٹا! مریم اور عروج میرے لئے برابر ہے، لیکن ہم نے از خود یہ رشتہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اب اپنے موقف سے کیسے ہٹ سکتے ہیں۔'' ریان کے والد نے بے بسی سے کہا۔

''بابا پلیز، آپ کچھ کریں۔'' ریان نے ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''میں کوشش کروں گا۔'' ریان کے والد نے ریان کے شانے تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔

''عید میں صرف چھ دن رہ گئے ہے اور مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم شاپنگ کب کرو گی۔'' نگہت نے غصے سے مریم کو ڈانٹا۔

''چھ دن مریم کے دل کو کچھ ہوا، صرف چھ دن ہے اور عید کہ تیسرے دن ریان کی منگنی ہے۔'' مریم روہانسی ہو گی۔

''کس سوچ میں پڑ گئی؟ میں نے کچھ کہا ہے تم سے۔'' نگہت بولیں۔

''امی مجھے کپڑے نہیں لینے ہے، بہت کپڑے ہے میرے پاس۔'' مریم یہ کہہ کر ٹھہری نہیں ہیں اور کچن میں آ گئی۔

''نجانے اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔'' نگہت بڑبڑائیں۔

''مریم! میں عید سے پہلے کوشش کروں گا، امی ابو کو لانے کی ریان مریم سے جاتے ہوئے کہہ گیا تھا، لیکن کتنا مشکل ہو گیا تھا سب کو سمجھانا۔''

''ریان! مریم میں ایسی کیا بات ہے، جو تم مریم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' ریان کی والدہ نے کہا۔

''میں محبت کرتا ہوں اس سے۔'' ریان نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عروج مریم سے زیادہ خوب صورت ہے۔'' ریان کی والدہ بولیں۔

''امی محبت خوب صورتی سے نہیں ہوتی۔'' ریان زچ ہوا۔

''ریان جو چاہتا ہے، ہمیں وہ ہی کرنا

چاہیے۔" ریان کے والد نے ریان کی والدہ سے کہا جواباً وہ تنک گئیں۔

"اور عروج کا کیا ہوگا؟" ریان تو پاگل ہے۔

"عروج کی شادی ہم ارمان سے کردیں گے۔" ریان کے والد نے تجویز پیش کیں، ریان کی والدہ خاموش ہو گئیں اور ان کی خاموشی میں ہی نیم رضامندی تھیں۔

ارمان، ریان سے دو سال چھوٹا تھا اور بنک میں جاب کرتا تھا، ارمان سے جب عروج کے لئے بات کی تو صد شکر کہ اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اب مسئلہ حرف عروج کے گھر والوں کو منانے کا تھا۔

عید سے ایک دن قبل ریان کے والدین نے عروج کے والدین سے بات کیں اور ریان کی پسندیدگی سے آگاہ کیا۔

"بھائی! میرے لئے ریان اور ارمان برابر ہے، مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ ارمان ہے یا ریان ہے۔"

عروج کے والدہ نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا، لیکن میں ایک مرتبہ عروج سے بات ضرور کروں گی، عروج کی والدہ بولیں، عروج تمام باتیں سن چکی تھی۔

"بھابھی! آپ ضرور، عروج بیٹی سے بات کریں، ہم بھی شرمندہ ہے کہ اگر پہلے ریان بیٹے کی مرضی معلوم کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

"اس لئے کہتے ہے کہ اولاد کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے یہ سنت نبوی بھی ہے۔" عروج کے والد بولے۔

"عروج! بیٹے مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" عروج کے والد نے کہا۔

"جی ابو میں تمام باتیں سن چکی ہوں، ریان اپنی پسند کی شادی کرنے کا۔" عروج نے جواب دیا۔

"شاباش بیٹا!" عروج کے والد نے عروج کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"بیٹا! ارمان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" عروج کی امی نے پوچھا۔

"امی جو آپ کا فیصلہ ہوگا، وہی مجھے منظور ہوگا۔" عروج فرمانبرداری سے کہہ کر نگاہیں جھکا گئیں۔

مریم کی بیقراری بڑھتی جارہی تھی، آج عید کا دن تھا اور اس نے تمام معاملہ اللہ کو سونپ دیا تھا، اب وہ بے حد پرسکون تھی نئے سوٹ میں وہ فریش لک دے رہی تھی، جب ہی گیٹ کھلا اور سب سے آگے ریان کو دیکھ کہ اس کا دل دھڑکا تھا، ماموں، مامی، ارمان اور عروج بھی تھے، وہ سب سے عید ملیں اور کچن میں کولڈ ڈرنک لینے آ گئیں۔

"عید مبارک۔" ریان بھی کچن میں آ گیا۔

"خیر مبارک۔" مریم مسکرائی۔

"ہماری محبت جیت گئی ہے، آج ہماری منگنی ہے اور اسپیشلی یہ عید یادگار بن گئی ہے، یہ عید بھی ہے اور دید بھی۔" ریان نے کہا، مریم نے اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا، یہ عید واقعی یادگار بن گئی تھی۔

☆☆☆

Digest Novels Lovers

اک جزیرہ خوابوں کا

مبشرہ انصاری

Digest Novels Group

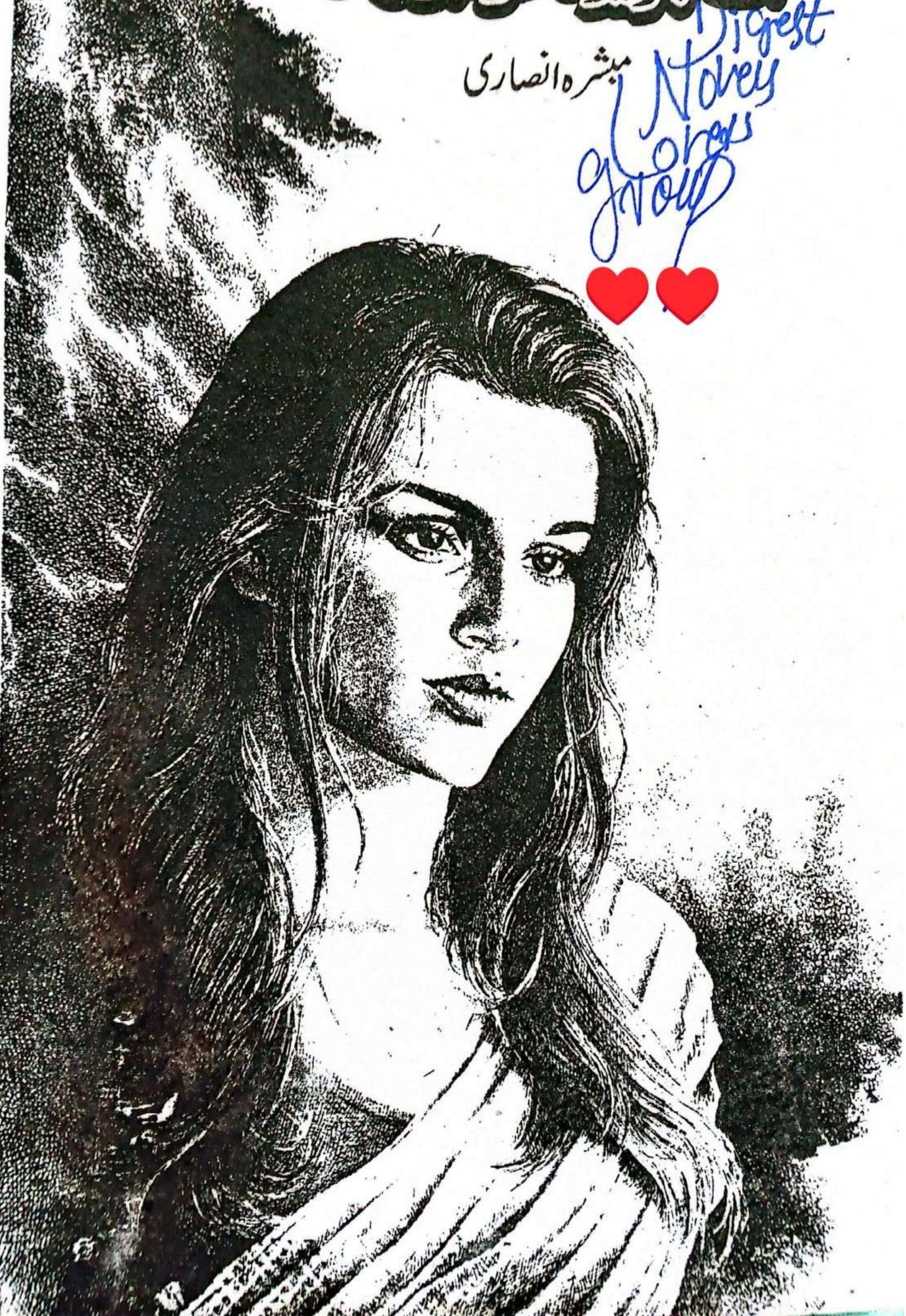

دوپہر دھیرے دھیرے شام میں ڈھل رہی تھی، وہ جنوری کا سب سے زیادہ کہر آلود دن تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابر بس برسنے کو تیار ہے، سرد اور دھندلی فضا میں ہر طرف بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی

اوس کی ذرا سی بوند
جب میرے دریچے پر
رات کو ٹپکتی ہے
تب ہوا کی شہزادی
اپنا سر پٹختی ہے
سائیں سائیں سناٹا
درد دھیما دھیما ہے
دل کی آزمائش ہے
اوس پھر ٹپکتی ہے
رات کو دریچے پر
پھر ہوا کا سناٹا
پھر اداس سا کمرہ
اور چاند کی کرنیں
دل اداس، ویراں سا!!!

اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دھیمی آواز میں ایک نظم کہہ ڈالی تھی، بارہ سالہ ہمدان سلائی مشین کی سوئی کستے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر داد دیتے ہوئے بولا تھا۔

"واہ...... واہ عشال باجی! آپ تو شاعرہ بن گئی ہیں۔" عشال نے اپنی بڑی بڑی نیلی آنکھوں کو جھپکاتے ہوئے لمبی سی کالے بالوں کی چٹیا کو جھٹکے سے پیچھے پھینکا اور پتلی سی ناک کو سوں سوں کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے گورے گورے ہاتھوں کو اک دوسرے میں جکڑ کر دھیمے سے بولی۔

"ہوں...... جو دل میں آیا بولتی چلی گئی۔"

Digest Novels lovers group

مکمل ناول

ہمدان ایک بار پھر سے سلائی مشین کی سوئی کسنے میں لگ گیا تھا۔

لاہور کے ایک متوسط علاقے کی تنگ سی گلی کے ایک چھوٹے سے معمولی سامان والے کمرے میں عشال اور ہمدان کو رہتے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا تھا۔

درخشاں میڈم نے سترہ برس پہلے دو سالہ عشال کو ایدھی سینٹر سے گود لیا تھا، جب عشال پانچ برس کی ہوئی تو درخشاں میڈم نے اسے سلائی کڑھائی کے ادارے میں ڈال دیا، عشال کو پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن درخشاں میڈم کے حکم کے مطابق اسے تو ہر حال میں سلائی کڑھائی کے ادارے تک محدود رہنا تھا، جب وہ نو سال کی ہوئی تو درخشاں میڈم نے ایک سالہ ہمدان کو بھی ایدھی سینٹر سے اڈاپٹ کر لیا تھا، ہمدان کے تھوڑے بڑے ہونے کے بعد اسے پھر سلائی سینٹر میں ڈال دیا گیا تھا۔

گلبرگ کے مین علاقہ میں درخشاں میڈم کی ایک بڑی سی بوتیک تھی جہاں ان کے ڈیزائن کیے گئے کپڑوں کی کچھ خاص مانگ نہ تھی لیکن پھر بھی اچھی خاصی سیل ہو جاتی تھی، عشال کے سولہ برس کے ہوتے ہی درخشاں میڈم نے تمام ڈیزائننگ اور سلائی کڑھائی کا ملبہ اس معصوم سولہ سالہ دوشیزہ پر ڈال دیا تھا، کریٹیو مائنڈ ہونے کی بناء پر عشال نے نت نئے ڈیزائن ایجاد کیے اور درخشاں میڈم کی بوتیک کو پروان چڑھانے میں ان کی مدد کی، درخشاں میڈم جتنی امیر تھیں اتنی ہی کرخت مزاج، مطلب پرست اور ظالم عورت تھیں، عشال کی تمام محنت کا کریڈٹ خود لیتے ہوئے وہ مارکیٹ میں مشہور ہوتی چلی گئی تھیں، چار سال میں درخشاں میڈم کہاں کی کہاں پہنچ گئی تھیں لیکن عشال جو اس ترقی کی اصل وجہ تھی آج بھی لاہور کی ایک تنگ سی گلی کے چھوٹے سے ایک کمرے میں اپنی زندگی گزار رہی تھی۔

☆☆☆

خوبصورت اور جدید طرز کے ڈیزائننگ والے کپڑوں کو ہینگ کرتے ہی اس نے دائیں سائیڈ پر پڑی بڑی سی الماری کا دروازہ کھول کر اس میں لٹکا دیئے تھے، وہ ابھی کپڑے لٹکا کر پلٹی ہی تھی کہ کسی نے لکڑی کے دروازے پر زور سے دستک دی تھی، وہ ایک لمحہ کے لئے چونکی تھی اور پھر خود کو سنبھالتے ہوئے دوپٹہ سر پر اوڑھ کر دروازے کے نزدیک جا کر دھیمے سے پوچھنے لگی۔

''کون؟''

''میں ہوں...... دروازہ کھولو۔'' درخشاں میڈم کی کرخت آواز سنتے ہی اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں جلدی سے دروازہ کھولا تھا، میڈم نہایت ہی غصے کے عالم میں اندر داخل ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم میڈم!''

''وعلیکم السلام! کپڑے تیار ہو گئے ہیں؟'' نہایت ہی کرخت لہجے میں پوچھا گیا تو ہمدان جو کہ سلائی کرنے میں مصروف تھا گھبرائے ہوئے انداز میں ٹیڑھی نگاہوں سے دروازے میں کھڑی میڈم کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا، عشال نے خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''ج...... جی میڈم! بس دو سوٹ باقی ہیں، رات تک سارا کام تیار ہو جائے گا، بلکہ ایک سوٹ کی تو سلائی شروع کر دی ہے، رات تک انشاءاللہ......''

''کمبخت، تجھے میں نے واضح لفظوں میں کہا

تھا کہ مجھے آج دوپہر تک تمام ڈریسز ریڈی چاہئیں، دن بدن کام چور ہوتی چلی جا رہی ہے منحوس۔" میڈم نے دروازہ بند کرتے ہی اسے اس کی چوٹی سے پکڑ کر ڈانٹنا شروع کر دیا تھا، وہ بیچاری درد سے کراہتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرنے لگی تھی۔

"میڈم! مجھے کل سے سخت زکام ہے، اتنی طبیعت خراب تھی کہ مشین پر بیٹھنا محال ہو رہا تھا میں آج رات تک آپ کو ڈریسز دے دوں گی......آہ۔" میڈم نے زور سے اس کی چوٹی کو پکڑا تو وہ کراہ کر رہ گئی تھی، آنکھوں میں نمی اتری تو میڈم نے اسے چھوڑ کر الماری کھول کر تمام ڈریسز کا جائزہ لیتے ہوئے گھورتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ کر کہا تھا۔

"نکالو یہ سارے کپڑے اور گاڑی میں رکھو۔"

"جی!" حکم ملتے ہی اس نے جلدی سے تمام ہنگ ہوئے کپڑوں کو احتیاط سے اتارا اور دروازہ کھول کر گلی کے نکڑ پر کھڑی بڑی سی گاڑی میں احتیاط سے رکھے اور پھر سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی واپس اپنے کمرے کی طرف دوڑتی چلی آئی، میڈم بارہ سالہ ہمدان کو چپت لگاتے ہوئے تاکید کر رہی تھیں۔

"کپڑا نیچے زمین پر مت لگایا کر، اٹھا سارا کپڑا۔" ہمدان نے مار سے بچنے کے لئے جلدی سے نیچے زمین پر لگتا قیمتی کپڑا اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا تھا، واپس عشال کی طرف پلٹتے ہوئے میڈم نے اپنا ہینڈ بیگ شولڈر پر ڈالا اور عشال تک پہنچتے ہی زور سے اس کا دایاں کان اپنے ہاتھ سے مروڑ کر کرخت لہجے میں دانت پیس کر بولیں۔

"ڈرائیور کو بھیجوں گی، دو گھنٹوں بعد، دونوں سوٹ تیار کر کے رکھنا، سمجھی؟"

"جی!" درد کی شدت سے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں، خود کو چھڑوانے کی چاہ میں اس نے میڈم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا، میڈم نے مزید زور سے کان مروڑتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے دھکا دیتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھیں، عشال کان پر ہاتھ رکھے آنسو بہانے لگی تھی، ناک کی سوں سوں میں بھی مزید اضافہ ہو گیا تھا، وہ وہیں دروازے کے پاس بیٹھتی چلی گئی تھی، آنکھوں میں آنے آنسوؤں کو انگلی کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے اس نے ایک ہچکی سی لی تھی، ہمدان نے پاس آ کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اس کے گالوں پر اٹکے آنسو کو صاف کیا تو اس نے مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر ہمدان کے گال چھو کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"چل ہمدان، جلدی سے کام کرتے ہیں، ورنہ یہ ہٹلر میڈم چھوڑے گی نہیں، چل آ جا شاباش۔" ہمدان اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا اپنی سلائی مشین سنبھال کر بیٹھ گیا تھا، عشال نے بھی ناک صاف کرتے ہوئے اپنی سلائی مشین سنبھالی تھی۔

"عشال باجی!"

"ہوں؟"

"میڈم ہم پر ہمیشہ اتنا غصہ کیوں کرتی ہیں؟" معصوم سے سوال پر اس نے نظریں اٹھا کر ہمدان کی طرف دیکھا اور پھر کام میں مصروف ہوتے ہوئے اس نے مصروف انداز میں جواباً کہا۔

"پتا نہیں۔"

"مجھے میڈم اچھی نہیں لگتیں، وہ بہت بری

Digest Novels Lovers

ہیں۔"

"اوہوں ہمدان! کام کروا اپنا۔" ہمدان نے منہ بسورتے ہوئے سلائی مشین پر اپنا سر جھکا لیا تھا، عشال نے ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے اپنے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس کر لمبی سانس کھینچی اور پھر کپڑے کو مشین کی سوئی کے نیچے رکھ کر تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے کپڑے پر سلائی بھرنا شروع کر دی تھی۔

☆☆☆

خوبصورت سی بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں کاجل لگانے کے بعد پتلے پتلے ہونٹوں پر خوبصورت رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ہونٹوں کو آپس میں ہلکا سا دبانے کے بعد بڑی بڑی آئی لیشز پر مسکارا لگایا گیا تھا، خوبصورت لمبے چوکلیٹ کلر کے کھلے بالوں کو سلیقے سے سیٹ کرنے کے بعد خوبصورت شفون کے ڈیزائنر ویئر پر شفون کا خوبصورت کالا دوپٹہ گلے میں ڈالتے ہی پرفیوم کی نازک شیشی اٹھا کر خوبصورت ہاتھوں کی گوری گوری انگلیوں کو دباتے ہوئے گردن پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا، نک سک سے تیار ہونے کے بعد اس نے بڑے سے شیشے میں اپنا سراپا دیکھا تھا، وہ ہو بہو عشال کی ہم شکل تھی، وہی آنکھیں، وہی نین نقش، وہی گوری رنگت، وہی لمبے گھنے بال، ہاں لیکن بالوں کی رنگت میں خاصہ فرق تھا، بالوں کی رنگت کے سوا وہ سو فیصد عشال کی جڑواں بہن دکھائی دیتی تھی۔

"آئزہ!"

مسز درانی جو بہت ہی رحم دل اور خوبصورت پرسنالٹی کی مالکہ تھیں، دروازے پر ناک کرتے ہی وسیع خوبصورت کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی تھیں، آئزہ نے ان کی آواز پر پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے پوری طرح سے ان کی طرف پلٹ کر بولی۔

"مما! کیسی لگ رہی ہوں میں؟" اس نے بالوں کو فائنل ٹچنگ دیتے ہوئے پوچھا تو مسز درانی مامتا بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے نزدیک چلی آئیں تھیں۔

"میری پیاری سی شہزادی۔" مسز درانی نے نزدیک پہنچتے ہی اس کی پیشانی پر بوسہ دے ڈالا تھا۔

"اللہ نظر بد سے بچائے میری چندا کو۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے مسز درانی کے گلے میں اپنی بانہوں کا ہار ڈالا تھا۔

"آئی لو یو مما!"

"آئی لو یو ٹو مائے سویٹ ہارٹ، چلو میری جان، تمہارے ہونے والے دولہا میاں اور ساسو ماں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" آئزہ مسز درانی کی بات پر مسکراتی ہوئی ان کے ہمراہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

خوبصورت ٹائل، قیمتی ڈیکوریشن پیسز اور پینٹنگو سے سجی سنوری راہ داری پار کرنے کے بعد وہ دونوں وسیع محل نما ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تھیں، جہاں مسز درانی کی ہم عمر خاتون ہیروں کا سیٹ پہنے ایک انداز سے صوفے پر براجمان تھیں اور ان کے ساتھ والے صوفہ پر نہایت ہی خوبصورت ہینڈسم نوجوان براجمان تھا، مسز درانی اور آئزہ کو ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر ان دونوں نے کھڑے ہو کر آئزہ کی جانب دیکھا تھا، مسز خان آئزہ کو سامنے پاتے ہی خوشی سے آگے بڑھ کر اسے پیار سے گلے لگا کر بولی تھیں۔

"ماشاء اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بہو رانی۔"

"السلام علیکم!" آئزہ نے مہذبانہ انداز

میں سلام کیا تو مسز خان نے سلام کا جواب دیتے ہی اپنے ہینڈ بیگ میں سے نئے نئے کڑک دار نیلے نوٹ نکال کر اس کے سر پر وارے اور پاس ہی کھڑی کام والی کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

''اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے...... آؤ...... میرے پاس بیٹھو۔'' آئرہ دھیرے دھیرے سے چلتی ہوئی مسز خان کے بغل میں بیٹھ گئی تھی، آذان نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر آئرہ کی جانب دیکھا اور پھر گلہ کھنکارتے ہوئے سامنے ٹیبل پر سے پانی کا گلاس اٹھانے لگا تھا، آئرہ نے ایک سرسری سی نگاہ آذان پر ڈالتے ہی مسز درانی کی جانب دیکھا تھا جو خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔

''کیا مصروفیات ہیں آج کل تمہاری؟'' مسز خان نے پوچھا تو وہ دھیمے سے گویا ہوئی۔

''آں...... ڈائمنڈ جیولری کی ڈیزائننگ سٹارٹ کی ہے، آج کل اسی پر ہی وقت صرف ہوتا ہے زیادہ تر۔''

''ماشاء اللہ ہمیں بھی دکھاؤ اپنی ڈیزائننگ۔''

''جی شیور۔''

''مسز درانی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو، آئرہ آذان......'' مسز خان کی بات کو سمجھتے ہی مسز درانی مسکراتے ہوئے بول پڑی تھیں۔

''جی جی ضرور، وائے ناٹ، آئرہ بیٹا آذان کو لے جاؤ اپنے ساتھ، تمہاری ڈیزائن کردہ جیولری دیکھنے کا سب سے پہلا حق تو آذان کا بنتا ہے۔'' آئرہ نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے حامی بھری اور آذان کے ہمراہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ایگزیبیشن روم میں چلی آئی تھی، جہاں اس کی ڈیزائن کردہ بے شمار ہیرے کے سیٹ، بندے، انگوٹھیاں اور دیگر تمام جیولری شو پیس میں موجود تھی، وسیع روم میں داخل ہوتے ہی آذان نے جیولری اور پھر آئرہ کی جانب دیکھا تھا۔

''واؤ...... گریٹ...... نائس ٹو سی یور کریئیٹیوٹی۔''

''تھینکس۔'' وہ پسندیدگی کی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے آگے بڑھ کر باقی تمام جیولری سیٹ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''اس کے علاوہ کیا مشاغل ہیں آپ کے؟'' آئرہ نے دھیمے سے لہجے میں اپنی تمام جیولری پر نظر دوڑاتے ہوئے جواباً لب کھولے تھے۔

''کچھ خاص نہیں، فارغ اوقات میں میوزک سنتی ہوں، لانگ ڈرائیو کا شوق ہے اور آفکورس شاپنگ۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''شاپنگ کا شوق تو ہر لڑکی کو ہوتا ہے۔''

''ہوں۔'' وہ بھی مسکرا دی تھی، اس کے مسکراتے چہرے کو غور سے دیکھنے کے بعد وہ اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بولا تھا۔

''کس چیز کی شاپنگ زیادہ شوق سے کرتی ہیں آپ؟''

''مجھے نت نئے ڈیزائن کے کپڑے خریدنے کا بہت شوق ہے۔''

''ہوں...... گڈ۔'' آئرہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور پھر دھیرے سے چلتے ہوئے جیولری شو پیس کے سامنے جا کر گویا ہوئی۔

''آپ اس رشتے سے خوش ہیں؟''

''بہت...... اور...... آپ؟'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، ایک ملازمہ نے آ کر اسے اطلاع دی تھی۔

''میڈم! آپ کے لئے فون کال ہے۔''

''او کے...... میں آتی ہوں۔'' ملازمہ کے

Digest Novel Lovers Group

جانے ہی اس نے آذان سے ایکسکیوز کیا اور اس کے ہمراہ چلتی ہوئی باہر چلی آئی۔

وہ اس رشتے سے ہرگز خوش نہیں تھی، آذان واقعی اچھا جیون ساتھی بن سکتا تھا، اسے اس بات کا یقین تھا لیکن وہ تو بہت پہلے سے ہی اپنا دل کسی اور کے نام کر چکی تھی، مما کی محبت اور عزت کی خاطر وہ اپنی زبان کو تالے لگائے ہوئی تھی۔

باسل تقریباً دو سال سے ان کے یہاں ڈرائیور تھا، خوبصورت لمبا چوڑا، پڑھا لکھا انسان جو اپنی غربت کے باعث دو سال پہلے کوئی بھی جاب کرنے کو تیار تھا، اپنے کسی جاننے والے کے ذریعہ مسز درانی کی اکلوتی لاڈلی بیٹی آئرہ کا پرسنل ڈرائیور رکھا گیا تھا، کالج سے لے کر شاپنگ تک ہر جگہ آئرہ کے ساتھ ساتھ اس کا ڈرائیور اور باڈی گارڈ بن کر رہتا تھا، آئرہ تو پہلی ہی نظر میں اس پر فدا ہو گئی تھی، زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ بتانے کی خاطر دن کا زیادہ تر وقت وہ گھر سے باہر گزارنے لگی تھی، آئرہ اور باسل بیسٹ فرینڈ بن چکے تھے لیکن پھر بھی باسل کو اپنی حدود اور حیثیت کا بہت اچھے سے اندازہ تھا، وہ نہایت ہی شریف اور ایماندار شخص تھا، امانت میں خیانت کرنا اسے ہرگز نہ آتا تھا، آئرہ کو اس بات سے کوئی لینا دینا نہ تھا کہ جس سے وہ اس قدر محبت کرتی ہے وہ امیر ہے یا غریب، وہ تو بس اس کے عشق میں مبتلا تھی اور دل سے ہمیشہ کے لئے اس کا ساتھ چاہتی تھی۔

آج جب اس کو دیکھنے کے لئے مسز خان اور ان کا بیٹا آذان آئے تو وہ بجھے بجھے دل سے تیار ہوئی اور اپنی مما کی خاطر خوشی خوشی ان لوگوں سے ملی، وہ آذان سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ خود اس رشتہ سے انکار کر دے، لیکن ابھی شاید اس نے یہ سب کہنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

☆☆☆

اگلی دوپہر بدلی خوب گھر کر آئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا، جھوم جھوم کر چلتی ہوئی ہوا کا جل بکھیرتی آ رہی ہے، ہر لحظہ اندھیرا بڑھ رہا تھا، وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔

''عشال باجی! کچھ کھانے کو دیں، بہت بھوک لگی ہے۔'' ہمدان ابھی ابھی نہا کر آیا تو اسے بھوک ستانے لگی تھی۔

''اچھا۔'' عشال نے جلدی سے صفحات کے درمیان اپنے سر سے پن نکال کر لگائی، کتاب وہیں زمین پر رکھی اور اٹھ کر چند قدم فاصلے پر رکھے چھوٹے سے گیس کے چولہے کے پاس جا کر بیٹھ گئی، ہمدان بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''لگتا ہے آج بارش ضرور ہو گی۔'' ہمدان کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بولا تو اس نے بھی آسمان پر امنڈتے ہوئے اندھیرے بادلوں کو دیکھ کر دھیمے سے کہا۔

''ہوں......شاید۔''

بھنتے ہوئے مصالحے کی خوشبو سارے کمرے میں پھیل چکی تھی، اس نے چھوٹے سے ڈبے کو اٹھا کر ٹٹولا تھا، باسی دو روٹیاں نکال کر توے پر ہلکا سا پانی لگا کر گرم کیا اور پھر روٹی کے بیچ میں بھنے ہوئے پیاز اور مرچ نکال کر ایک پلیٹ ہمدان کی طرف بڑھا دی، وہ بڑے مزے سے بھنے پیاز کھانے لگا تھا، عشال نے اپنی پلیٹ سائیڈ پر رکھتے ہوئے پتیلی اتار کر نیچے رکھ دی تھی۔

''اس پیاز مصالحے سے بھی مزے کی کوئی چیز ہوتی ہے بھلا؟'' کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے وہ مزے لے لے کر آہستہ آہستہ کھا رہا تھا، عشال نے پیار بھری نظروں سے اس کی

Novels Digest

جانب دیکھا اور پھر اپنی پلیٹ سنبھالتے ہوئے خود بھی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی تھی، باہر بوندا باندی ہونے لگی تھی، ہلکی ہلکی خوشگوار ہوا چل رہی تھی، ایک نوالہ بھی اس کے حلق سے نیچے نہ اترا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی، اس نے جلدی سے پلیٹ سائیڈ پر رکھی اور اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے دروازے کے قریب آکر پوچھنے لگی۔

''کون؟''

''میں ہوں...... یاسین۔'' بند دروازے کے اس پار سے درخشاں میڈم کے ڈرائیور کی آواز ابھری تو عشال نے جلدی سے دروازہ کھول دیا، دروازہ کھلتے ہی یاسین جلدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

''میڈم نے آپ کو بوتیک پر بلوایا ہے۔''

''یاسین بھائی! سب خیریت ہے ناں؟''

''بظاہر تو سب ٹھیک ہی تھا۔''

''میڈم کا موڈ خراب تو نہیں تھا؟''

''نہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، ہمدان اندر سے دروازہ بند کرلو، میں بوتیک جارہی ہوں، میڈم نے بلوایا ہے، کچھ دیر تک آجاؤں گی، دروازے پر کوئی بھی آئے، تم دروازہ مت کھولنا، ٹھیک ہے؟'' عشال نے دروازے سے پلٹ کر ہمدان کو ہدایت دی تو وہ سر ہلاتا ہوا پلیٹ سائیڈ پر رکھ کر دروازے کے قریب چلا آیا تھا۔

''جی عشال باجی!''

پھر عشال سر پر دوپٹہ اوڑھتی یاسین کے ہمراہ باہر کی جانب بڑھ گئی تھی، ہمدان نے جلدی سے دروازے کو کنڈی لگائی اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے ہی پلیٹ اٹھا کر ایک بار پھر کھاتے ہوئے باہر برستی بوندا باندی کو دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

''انکل! آپ اسلام آباد سے واپس کب آئے؟''

آئرہ نے اپنے چچا کو لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھتے پایا تو وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھ کر پوچھنے لگی تھی۔

''ایک گھنٹہ ہوگیا ہے، تم کہاں غائب تھیں؟''

''ایگزیبشن روم میں تھی، کچھ کام کر رہی تھی، مما کہاں ہیں؟''

''وہ ابھی اپنے روم میں گئی ہیں، کچھ کام تھا۔''

''نہیں انکل، ایکچوئیلی مجھے مارکیٹ جانا تھا، سوچا مما کو بتاتی چلوں، مما جاگیں تو آپ انہیں بتادیجئے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''اوکے انکل، سی یو لیٹر۔''

''اپنا خیال رکھنا اور باسل سے کہنا کہ گاڑی دھیان سے چلائے۔''

''شیور انکل، ڈونٹ وری۔'' وہ ہاتھ لہراتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ گئی تھی، آئرہ کے چچا لگ بھگ پچاس کی عمر کے تھے، صبح کی واک اور ہر دم ایکٹو رہنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو فٹ رکھا ہوا تھا، اپنے بڑے بھائی کے گزر جانے کے بعد مسز درانی کے ساتھ سارا بزنس انہی نے ہی سنبھالا تھا، مسز درانی تو انہیں بھائی بھائی کہتے نہ تھکتی تھیں اور آئرہ بھی انکل کے گن گاتی نظر آتی تھی، آئرہ جب سولہ برس کی ہوئی تو چچا کے اندر کے شیطان نے انگڑائیاں لینی شروع کردی تھیں، پچھلے چار برس سے وہ آئرہ پر نظر رکھے ہوئے تھے، منہ پر بیٹی بیٹی کہتے اور دل ہی دل میں پیار کو پروان چڑھاتے چلے گئے، جب سے انہیں یہ

معلوم ہوا تھا کہ آئرہ کا رشتہ پکا ہونے جا رہا ہے تب سے ان کے اندر دبے شیطان نے کروٹیں لینی شروع کر دی تھیں، ساری جائیداد کی وارث ایک اکیلی آئرہ ہی تو تھی، جس نے شادی کے بعد سب کچھ اپنے ساتھ لے جانا تھا، انکل سے تو یہ بات بھی برداشت نہ ہو پا رہی تھی، تبھی انہوں نے دل ہی دل میں پلان بنا ڈالا تھا کہ کسی بھی طرح کر کے وہ یہ شادی ہرگز نہ ہونے دیں گے، ابھی جب وہ چہکتی ہوئی باہر کی جانب بڑھی تو انکل کی گستاخ نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا، لبوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر سے ٹی وی پر لگے میچ پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی۔

فصیح البیان نظر آنے والا مرتبے کا لالچی انسان دراصل فصیح البیان ہرگز نہیں ہوتا، دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والے خود اپنی ذات سے دشمنی کرتے ہیں۔

Digest Novels Corner Blog

☆☆☆

موسم بے حد خوشگوار تھا، عشال نے خوبصورت بڑی سی بوتیک میں داخل ہوتے ہی ہر طرف اپنے ڈیزائن کیے کپڑے ٹنگے دیکھے تو ایک لمحے کو وہ اس قدر خوبصورت جگہ اور اپنے ہی ڈیزائن کیے کپڑوں کو دیکھ کر دنگ سی رہ گئی تھی، دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس کی نظریں چاروں اور کا طواف کر رہی تھیں، کاؤنٹر پر کھڑی ایک خوبصورت سی لڑکی نے اسے پہچانتے ہی ویلکم کیا تھا، عشال نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر گھبرائے ہوئے انداز میں میڈم کے بارے میں پوچھنے لگی تھی۔

''میڈم! کہاں ہیں؟''

''وہ اندر ہیں، اپنے آفس میں، کچھ کلائنٹس آئی ہوئی ہیں۔''

''اچھا میڈم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟''

''ایکچوئیلی آج فروا اور زاویہ نے بنا بتائے چھٹی کر لی ہے، آج کل شادیوں کا سیزن ہے اور کلائنٹس کی بھرمار ہے، ایک کی اپوائنٹمنٹ ختم ہوتی ہے تو دوسرے کی شروع ہو جاتی ہے، میں اکیلی سب نہیں سنبھال پا رہی تھی، اسی لئے میڈم نے تمہیں بھی بلوا بھیجا۔''

''اوہ...... میں خوامخواہ ڈر رہی تھی کہ نجانے کیا بات ہو گئی۔''

''پانی لاؤں تمہارے لئے؟''

''نہیں۔'' وہ جھجکتے ہوئے سامنے چیئر پر جا بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''باسل! گاڑی روکو، گاڑی روکو، جلدی۔''

آئرہ کے شور مچانے پر بلیک ہونڈا اسٹرک پر ایک جھٹکے سے رکی تھی، گاڑی رکتے ہی اس نے جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور تقریباً دوڑتی ہوئی دوسری جانب سے آگے بڑھ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر باسل کی ساتھ والی سیٹ پر جا بیٹھی، باسل اس سارے منظر کو حیرت انگیز انداز میں دیکھ رہا تھا، آئرہ نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ بند کرتے ہی چہکتے ہوئے کہا تھا۔

''اب چلو۔'' وہ ابھی بھی حیران کن نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا، آئرہ نے جلدی سے اپنا من پسند گانا لگاتے ہوئے ایک بار پھر سے اس کی جانب دیکھ کر چلنے کو کہا تھا۔

''چلو بھی۔'' باسل نے لمبی سانس کھینچ کر سامنے پانی سے تر سڑک کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''آپ پلیز پیچھے جا کر بیٹھ جائیے، کسی نے آپ کو اس طرح آگے بیٹھے دیکھ لیا تو......''

''کچھ نہیں ہوگا، ڈونٹ وری۔'' باسل نے

ایک بار پھر سے اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے لب بھینچ کر پریشان انداز میں متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔

کچھ ریشمی ہے، کچھ کھردرا
ابھی بہہ چلا ہے، ابھی ہے رکا
ہاتھ میں ہے ریت سا
عشق تیرا......
اس پار تو ہے، اس پار میں
لگتا ہے ڈوبوں گا اس بار میں
جانے کہاں ہے چلا
عشق تیرا......
تو میرے، میں تیرے
سامنے جب تلک
یہ زمین یہ فلک خوبصورت لگے
قسط میں ہے ملی آج کی یہ خوشی
گن رکھیں ہیں مگر کل کے لمحے سبھی
کچھ دیر تجھ کو ابھی تک لوں گا میں
پلکوں کے تاروں میں رکھ لوں گا میں
ہے صبح کے خواب سا
عشق تیرا......

Digest Novels Lover Group

گانے کا والیم اونچا کرتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ گنگنانے لگی تھی، باسل اس کی ہر ہر حرکت نوٹ کرتے ہوئے چپ چاپ ڈرائیونگ کررہا تھا، گانے کے بیچ بیچ میں وہ بار بار باسل کی جانب دیکھتی اور پھر مسکراتے ہوئے کبھی کالے بادلوں تو کبھی گیلی سڑک کی جانب دیکھتے ہوئے گنگنانے لگتی تھی۔

باسل نے ایک بار پھر ان سنی کرتے ہوئے ڈرائیونگ پر اپنا دھیان رکھا تو وہ ایک دم چڑ کر بولی۔

''باسل! کیا ہے تمہیں، کیوں تم میری ہر بات کو ان سنی کرتے ہوئے؟''

''آئرہ میڈم! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آپ کے اور میرے سٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے، جو آپ چاہتی ہیں، ایسا ہرگز ممکن نہیں۔''

''کیوں؟...... کیوں ممکن نہیں؟'' باسل نے ایک نظر اس پر ڈال کر سمجھاتے ہوئے اپنی نظریں باہر سڑک پر مرکوز کردی تھیں۔

''آپ اچھی خاصی سمجھ دار ہیں۔''

''ایک تو تم مجھ آپ آپ کہنا بند کرو، مجھے اچھا نہیں لگتا ہے۔'' باسل نے بنا کچھ کہے نظروں کو سڑک پر ہی مرکوز رکھا تھا، تبھی وہ ایک بار پھر سے گویا ہوئی تھی۔

''تم جو بھی کہو، لیکن میں اپنی بات پر اٹل ہوں، مجھے تم سے محبت تھی، ہے اور ہمیشہ رہے گی۔'' وہ باہر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی تھی، دوپہر پر آہستہ آہستہ شام کا گماں ہونے لگا تھا، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ ایک بار پھر سے اس کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔

''باسل! مجھے آذان سے شادی نہیں کرنی، میں تمہارے سنگ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔'' وہ ابھی بھی خاموش تھا، آئرہ نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے بڑے دھیمے لہجے میں پوچھا تھا۔

''تم نے واقعی کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں کی؟''

''نہیں کیونکہ مجھے اپنی اوقات اور حیثیت اچھے سے معلوم ہے، میں نے کبھی بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی خواب نہیں دیکھا اور نہ کچھ چاہا، ایک حقیقت پسند مرد ہوں میں، یہ بچکانہ حرکتیں مجھے ہرگز زیب نہیں دیتیں۔''

''پیار اپنی حیثیت کے لوگوں سے کیا جاتا ہے۔''

''نہیں باسل! پیار حیثیت، عمر، ذات کچھ بھی تو نہیں دیکھتا، یہ تو بس ہو جاتا ہے اور ایک بار ہو جائے تو پھر اس سے بچ جانا مشکل ہے۔''

''مالک کا نوکر سے پیار ہو جانا سراسر بے وقوفی ہے۔''

''تم میرے نوکر نہیں ہو۔''

''آپ کا ڈرائیور ہوں، باڈی گارڈ ہوں نوکر ہی تو ہوں۔''

''صرف تم ایسا سمجھتے ہو باسل، میں نے تمہیں کبھی اپنا نوکر نہیں سمجھا۔''

''آئرہ میڈم! آپ جان کر بھی حقیقت سے انجان کیوں رہنا چاہتی ہیں؟''

''میں کچھ نہیں جانتی، جانتی ہوں تو صرف اتنا کہ آئی لو یو سو مچ، شادی کروں گی تو صرف تم سے، پھر چاہے تم مانو یہ نہ مانو، میں آذان سے کہہ دوں گی کہ وہ اس شادی سے انکار کر دیں۔''

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔''

''تم کیوں نہیں سمجھتے مجھے؟'' وہ ایک بار پھر سے خاموش ہو گیا تھا، آئرہ بھی منہ بسورے باہر کی جانب دیکھنے لگی تھی، چند ثانیے بعد وہ ایک بار پھر سے بولا تھا۔

''میں بہت غریب انسان ہوں، کسی بھی طور آپ کے قابل نہیں۔'' وہ گھورتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''کیوں؟ غریب لوگ کسی امیر کے قابل کیوں نہیں ہو سکتے؟ باسل، تمہارے ساتھ وقت بتانا مجھے اچھا لگتا ہے، یہ شاپنگ وغیرہ تو صرف ایک بہانہ ہے، میں تم سے شدت سے محبت کرتی ہوں، میرے لئے واپس جانا ناممکن ہے، جانتے ہو کل جب آذان سے ملاقات ہوئی تو ان کے ساتھ ایک پل بھی گزارنا مشکل ہو رہا تھا میرے لئے، مما کی خاطر اور تمہارے کہنے پر میں ان لوگوں سے ملی تو تھی مگر میرا سارا دھیان تمہاری طرف تھا، تم پاس نہیں ہوتے تو دل اداس ہو جاتا ہے، تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی میں۔'' اس کی باتیں اسے مزید ڈسٹرب کیے جا رہی تھیں، یوٹرن لیتے ہوئے اس نے کچھ ہی فاصلے پر گاڑی کو بریک لگائی تھی۔

''میری زندگی کی ہر خوشی ہر دکھ، میں نے تم ہی سے تو شیئر کیا ہے، یو آر مائی بیسٹ فرینڈ باسل۔''

''اوکے، میں مانتا ہوں کہ وی آر بیسٹ فرینڈز، اگر یہ بات صرف دوستی تک رہے تو اٹ ول بی گڈ فور بوتھ آف از، بی اے کی ڈگری کے علاوہ میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے، ایک بوڑھی ماں ہے، جو کینسر کی مریضہ ہے، اپنی ماں کے علاج کے لئے بہت مشکل سے مجھے یہ نوکری ملی ہے، مجھے اپنی ماں سے بہت محبت ہے، میں یہ نوکری نہیں گنوانا چاہتا، اپنی ڈگری جہاں بھی لے کر گیا، سب نے دھتکار دیا، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں پلیز مجھ پر رحم کیجئے، اگر بڑی میڈم اور چھوٹے صاحب کو ہلکی سی بھی بھنک پڑ گئی، تو وہ مجھے اس نوکری سے نکال دیں گے، آپ کا کچھ نہیں جائے گا، لیکن علاج نہ ہونے کے باعث میری ماں ضرور اس دنیا سے چلی جائے گی، پلیز فار گاڈ سیک۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر التجاء کرنے لگا تو آئرہ آنکھوں میں نمی بھرے گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی تھی، نڈھال قدموں سے چلتے ہوئے وہ ایک بڑی سی بوتیک میں داخل ہو گئی تھی جبکہ باسل لب بھینچے آفسردہ نگاہوں سے اسے بوتیک میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

کسی مصلحت سے چپ ہوں تو پتھر نہ جان مجھے
دل پر اثر ہوتا ہے تیری بات بات کا

Digest Novels Lovers

☆☆☆

رات کا اندھیرا چھاتے ہی ہر طرف جگمگاتی رشنیوں نے بسیرا کر لیا تھا، آج کے آخری کلائنٹ سے فری ہوتے ہی درخشاں میڈم نے عشال کو آفس میں بلایا تھا۔

"یہ دوسو روپے رکھ اور رکشہ کروا کر گھر چلی جا، مجھے کسی کے یہاں دعوت پر جانا ہے اس لئے ڈرائیور تجھے گھر چھوڑنے نہیں جاسکتا۔" کرخت لہجے میں کہتے ہی درخشاں میڈم نے اپنے ہینڈ بیگ سے دوسو روپے نکال کر اس کی طرف اچھال دیئے تھے، دوسو روپے ہوا میں اڑتے ہوئے اس کے قدموں میں آن گرے تو اس نے جھک کر پیسے اٹھائے اور اپنی مٹھی میں دباتے ہی گھبرائے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"میڈم!"

"کیا ہے؟"

"وہ...... اگر...... تھوڑے پیسے مل جاتے تو۔"

"ابھی دیئے تو ہیں۔" درخشاں میڈم کے آنکھیں دیکھانے پر وہ مزید گھبرا گئی تھی۔

"گگ...... گھر میں...... راشن پانی ختم ہو گیا ہے...... کک...... کچھ...... پیسے...... مل جاتے تو۔"

"بس اسی بات سے مجھے سخت نفرت ہے، تم غریب لوگوں نے پیسے دیکھے نہیں کہ رال ٹپکانی شروع کر دی، ابھی تین ہفتے پہلے ہزار روپے دیئے تھے تجھے، کہاں گئے وہ، صرف دو لوگ ہو گھر میں، کتنا خرچہ ہوتا ہے دو لوگوں کا، مہینہ ختم ہونے میں ابھی پورا ایک ہفتہ باقی ہے، مہینہ ختم ہونے سے پہلے ایک پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی تجھے، سمجھی، چل جا دفعہ ہو، خوامخواہ دماغ خراب کر دیا میرا۔" درخشاں میڈم نے حقارت سے اس کی جانب دیکھا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئیں، وہ التجاء بھری نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہی تھی، درخشاں میڈم نے اسے ابھی بھی وہیں کھڑے پایا تو غصہ بھری نگاہوں سے اس کی جانب گھور کر بولیں۔

"کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے، کہا ناں کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ایک پیسہ نہیں ملے گا، چل دفعہ ہو جا اب۔" وہ لمبی سانس کھینچتی ہوئی الٹے قدموں باہر کی جانب آئی تھی، سر پر دوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس نے گلاس ڈور کھول کر بوتیک سے باہر قدم جما دیئے، ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے، وہ سب لوگ کتنے خوش دیکھائی دے رہے تھے۔

جیسے یہ لوگ کبھی کسی پریشانی سے گزرے ہی ناں ہوں، وہ سب لوگوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی تھی، کچھ ہی دور جانے کے بعد ایک کارنر پر کھڑے لفنگے لڑکوں نے اس اکیلی سہمی ہوئی لڑکی کو اپنے پاس سے گزرتے دیکھا تو موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ تینوں آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلنے لگے تھے، عشال نے ان تینوں کو اپنے پیچھے آتے محسوس کیا تو مزید گھبراتے ہوئے اس نے اپنے قدموں کو تیزی سے آگے کی جانب بڑھانا شروع کر دیا تھا، وہ کھوجتی نگاوں سے رکشہ کی تلاش کرنے لگی تھی، لیکن بدقسمتی سے رکشہ تو دور پرے تک دیکھائی نہ دے رہا تھا، خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے اس نے اپنا دوپٹہ درست کیا اور تیزی سے سڑک کراس کرنے کے لئے بیچ سڑک پر اپنے قدم جما دیئے تھے، وہ تینوں لوفر سیٹیاں بجاتے ہوئے اسے ستانے لگے تھے، جلدی میں سڑک کراس کرتی کالی گاڑی سے ٹکرا کر وہ وہیں زمین پر ڈھ گئی تھی، وہ تینوں

لڑکے تو دور سے ہی یہ منظر دیکھ کر رفو چکر ہو گئے تھے، آئرہ اور باسل گھبرا کر گاڑی سے باہر نکلے تھے، عشال نے آنسو بہاتے ہوئے خود کو سنبھالا اور جلدی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہی دوپٹہ دوست کرتے ہوئے اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اپنے سامنے پریشان کھڑے ان دو اجنبیوں کو دیکھا تھا۔

آئرہ اور باسل اسے دیکھتے ہی ساکن رہ گئے تھے، عشال نے بھی جب آئرہ کی جانب نظر بھر کر دیکھا تو وہ بھی پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی، ان تینوں کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ تینوں ہی کسی خواب میں گم ہیں، آئرہ نے بے یقینی کے عالم میں اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر عشال کے گال کو چھوا تھا، عشال نے اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی جلدی سے گھبرا کر اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے تھے۔

''ایم آئی ڈریمنگ؟'' آئرہ نے باسل کو مخاطب کیا تھا، وہ تو خود ساکن کھڑا تھا، اسے کیا جواب دیتا، عشال نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے گال کو چھوتے ہوئے آئرہ کی جانب دیکھا تھا، آئرہ نے بے یقینی کے عالم میں اپنا ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا تھا۔

''آئی کانٹ بیلیو دز......'' پھر یاد آنے پر وہ ایک دم بولی تھی۔

''آئی ایم سوری، تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' عشال ابھی بھی سکتے کے سے عالم میں اپنی ہم شکل لڑکی کی جانب دیکھے جا رہی تھی، آئرہ نے پھر سے پیر تک اس کا جائزہ لے ڈالا تھا، ملگجے کپڑوں میں ملبوس وہ لڑکی اسے بہت عجیب سی لگی تھی۔

''کون ہو تم؟'' عشال کو چکر آنے لگے تھے تبھی آئرہ نے اداری سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تھا۔

''آر یو اوکے؟'' عشال کو وہ لڑکی کسی بعید سے کم نہ لگ رہی تھی، رات کے اندھیرے میں اپنی ہم شکل لڑکی کا سامنا اس کے لئے ناقابل یقین تھا، اس نے ایک بار پھر سے اپنے خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کیا اور تیزی سے آگے کی جانب قدم بڑھا دیئے، آئرہ نے فوراً اس کا راستہ روک لیا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''مجھے گھر جانا ہے۔''

''میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔''

''نن...... نہیں...... شکریہ۔''

''سنو!'' اس نے ایک بار پھر سے اپنے قدم روک لئے تھے، آئرہ اس کے سامنے آ کر بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے باسل سے مخاطب ہوئی تھی۔

''باسل! آئی ایم امیزڈ...... سیریسلی۔''

''آ...... آپ کو ہم ڈراپ کر دیتے ہیں، ڈونٹ وری، آپ ہم پر ٹرسٹ کر سکتی ہیں۔'' باسل نے اس بار اپنی زبان کھولی تو وہ گھبرائے ہوئے انداز میں باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''نن...... نہیں...... میں خود چلی جاؤں گی۔''

''ہے ڈونٹ وری! اس رات کے اندھیرے میں اکیلی کیسے جاؤ گی۔'' آئرہ نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تو وہ کچھ سوچتے ہوئے آئرہ کے ساتھ گاڑی کی پچھلی جانب بیٹھ گئی تھی، باسل نے گاڑی سٹارٹ کی اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر گاڑی کا رخ موڑ دیا، باسل ڈرائیونگ کرتے ہوئے گاہے بگاہے بے یقینی کے عالم میں بیک مرر کے ذریعہ گاڑی

Digest Novels Lovers Group

کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی آئرہ اور عشال کی جانب دیکھنے لگا تھا، آئرہ اور عشال بھی بے یقینی کے عالم میں بار بار ایک دوسرے کی جانب دیکھتی تھیں، طویل خاموشی کے بعد آئرہ نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''عشال!'' عشال نے گھبرائے ہوئے انداز میں جواب دیا تو آئرہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے دھیمے سے کہا تھا۔

''میرا نام آئرہ ہے...... آئرہ درانی...... بائے گاڈ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ میرے ساتھ ہو بہو میری شکل کی ایک لڑکی بیٹھی ہے، آئی رئیلی کانٹ بلیو وڈز۔'' جواباً عشال خاموش رہی تو آئرہ نے ایک بار پھر سے اسے مخاطب کر ڈالا تھا۔

''کہیں تم میری کوئی بچھڑی ہوئی بہن تو نہیں؟ میں گھر جاتے ہی مما سے پوچھوں گی اس بارے میں، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی اس قدر ہم شکل کیسے ہو سکتا ہے؟ رئیلی کانٹ بلیو وڈز۔'' اس کے جو منہ میں آ رہا تھا وہ بولتی چلی جا رہی تھی، عشال اس کے بغل میں بیٹھی چپ چاپ اس کی باتیں سنتی جا رہی تھی، کچھ دور جاتے ہی اس نے اپنا ایئریا پہچان لیا تھا، تبھی وہ دھیمے انداز میں باسل سے گویا ہوئی تھی۔

''بس یہیں گاڑی روک دیجیے، آپ کی گاڑی اس گلی میں نہیں جا سکتی، آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ ممنون نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی تھی۔

''یہ کیسے کھلتا ہے؟'' اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں آئرہ کی جانب دیکھ کر پوچھا تو آئرہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔

''شکریہ۔'' اس نے ایک بار پھر سے ممنون نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور گاڑی سے باہر قدم جما دیئے، آئرہ اور باسل بھی گاڑی سے باہر نکل آئے تھے۔

''ہم تمہیں گھر تک چھوڑ دیتے ہیں۔'' آئرہ نے آگے بڑھ کر کہا تو وہ دھیمے سے بولی۔

''اس گلی کی دائیں لین میں چوتھا گھر میرا ہے، آپ کی مہربانی، میں چلی جاؤں گی۔''

''مجھے پیاس لگی ہے، ایک گلاس پانی تو پلاؤ گی۔'' آئرہ کسی بھی طور اسے جانے نہیں دینا چاہتی تھی، لیکن یہ اس کے بس میں نہ تھا تبھی وہ پانی کا بہانہ بناتے ہوئے کم سے کم اس کا گھر ضرور دیکھنا چاہتی تھی۔

''جی ضرور آئیے۔'' اجازت ملتے ہی آئرہ اور باسل نے اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیا تھا، کس قدر تنگ گلی تھی وہ، کس قدر چھوٹے چھوٹے بوسیدہ مکان تھے، آئرہ نے نظریں اٹھا کر اس پتلی پیچیدہ، مٹیالی اور افسردہ سی گلی کے مکانوں کو دیکھا تھا، یہ گلی پر اسرار اور قدیم تھی، یہاں غربت بھی تھی اور شرافت بھی، کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ انسانیت کے جسم میں دوڑتی ہوئی رگیں ہیں جن میں بڑا پرانا سست اور نشہ آور خون شامل ہے، کچھ ایسا خواب آور کہ ہر شخص اپنے حال میں مگن ماضی کی بھول بھلیوں میں کھویا، مستقبل سے بے نیاز، کچھوئے کی سی چال میں رینگتا، ایک نا معلوم لمبے راستے پر رواں دواں ہے، کون جانے یہ راستہ کہاں سے چلا ہے اور کہاں پر ختم ہوگا۔

''زندگی اتنی مظلوم اور سہمی ہوئی بھی ہوتی ہے؟'' آئرہ نے تینوں اطراف نظر دوڑائی تھی، زندگی میں پہلی بار وہ کسی ایسی جگہ پر آئی تھی۔

''یہ سفید تھکی آنکھوں والا مسجد کا موذن جس کے شانے جھکے ہوئے اور پاجامے ٹخنوں سے

اوپر، شٹل کوک نما برقعوں میں سڑ پڑاتی عورتیں اور یہ سنہری مائل بوسیدہ دیواروں کے عقب میں رہنے والے مکین، یہ آخر کن گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں؟" دل ہی دل میں خود سے ہم کلام ہوئے وہ آگے بڑھ رہی تھی، اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں گرم گرم سا پانی اترنے لگا تھا۔

گھر کے دروازے پر پہنچتے ہی عشال نے دروازے پر دستک دی تھی، ہمدان جو کہ قمیض کی سلائی میں مصروف تھا دستک سنتے ہی جلدی سے اٹھ کر دروازے کے نزدیک آیا تھا۔

"کون؟"

"ہمدان دروازہ کھولو۔" عشال کی آواز سنتے ہی اس نے فوراً دروازہ کھول دیا تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں عشال باجی! بڑی دیر لگا دی واپس آنے میں۔" ہمدان نے دروازے کھولتے ہی شکایت کرنا شروع کر دی تھی، عشال نے اندر قدم جماتے ہی ان دونوں کو بھی اندر آنے کی دعوت دی تھی، باسل اور آئرہ حیرت بھری نگاہوں سے اس ڈبے نما چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

"تم یہاں رہتی ہو؟" آئرہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تو عشال دھیمے سے بول کر آگے بڑھ گئی تھی۔

"جی......!" ہمدان حیران کن نگاہوں سے آئرہ کی جانب دیکھتے ہوئے منہ کھولے کھڑا تھا، عشال نے جلدی سے دو سٹیل کے گلاس اٹھائے اور مٹکے کو تھوڑا سا دباؤ دینے کے بعد دونوں گلاس پانی سے بھر کر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے اور ان دونوں کی طرف چلی آئی۔

"معاف کیجئے گا، فرنیچر کے نام پر صرف یہ دو کرسیاں ہی ہیں، جو ہر وقت کپڑوں سے لدی رہتی ہیں، ہمدان جلدی سے کپڑے ہٹاؤ یہاں سے۔" اس نے دونوں گلاس ان دونوں کو تھمانے کے بعد ہمدان کو ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی، ہمدان بدستور منہ کھولے آئرہ کو دیکھے جا رہا تھا، عشال نے کہنی مار کر اسے ہوش دلایا اور دونوں کرسیوں پر سے تمام کپڑے اٹھا کر الماری کے اندر دبا دیئے۔

"بیٹھیں۔" آئرہ نے ایک ہی کمرے کے کارنر پر چھوٹا کچن دیکھتے ہوئے حیرت سے سوال کیا تھا۔

"اس گھر میں صرف یہ ایک ہی کمرہ ہے؟" عشال نے بھی چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر مسکرا کر دھیمے سے گویا ہوئی۔

"جی!" آئرہ کی نظریں اب ہمدان پر مرکوز تھیں، تبھی عشال نے ہمدان کے شولڈر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ میرا چھوٹا بھائی ہے ہمدان۔"

"اور تمہارے پیرنٹس؟" عشال ایک دم بجھ گئی تھی، تبھی ڈوبی ڈوبی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

"ہمارے والدین نہیں ہیں۔"

"اوہ...... سوری ٹو ہیر دیٹ۔" آئرہ نے افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے انگلش جھاڑی تو عشال صرف مسکرا کر رہ گئی، ہمدان ابھی بھی منہ کھولے ہوئے تھا، باسل خاموش سر جھکائے کھڑا تھا۔

"غالباً تم سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہو۔" آئرہ نے زمین پر بچھے میٹ، اسٹولوں پر پڑی سلائی کی مشینیں اور جگہ جگہ بکھرے کپڑے دیکھے تو فوراً سوال پوچھ ڈالا، عشال نے بھی کپڑوں پر نظر دوڑاتے ہوئے مسکرا کر جواباً کہا۔

"جی...... وہ گلبرگ میں بوتیک ہے ناں

درخشاں میڈم کی، ہم دونوں انہی کی بوتیک کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"اوہ آئی سی۔" باسل نے کرسی پر بیٹھتے ہی ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس خالی کر دیا تھا، وہ اب ایک بار پھر سے آئرہ کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا، آئرہ نے جلدی سے پانی کا گلاس باسل کو تھماتے ہی اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ مارا تھا، چند ہزار ہزار کے نوٹ ہاتھ میں بھرتے ہی اس نے ہاتھ ہینڈ بیگ سے باہر نکال کر عشال کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"غلط مت سمجھنا، میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں یہ دینا چاہتی ہوں۔" عشال نے نیلے نیلے نوٹ اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نن...... نہیں...... اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"پلیز انکار مت کرو، باسل تم ہی کہو ناں۔" اس نے باسل کی جانب دیکھ کر اسے مخاطب کیا تو وہ کچھ بولنے کی چاہ میں صرف لب ہلا کر رہ گیا تھا۔

"نہیں آئرہ میڈم! آپ یہ اپنے پاس ہی رکھیئے، ہم غریب ضرور ہیں لیکن......"

"پلیز عشال! انکار مت کرو پلیز۔"

عشال چند ثانیے خاموش کھڑی کچھ سوچتی رہی تھی تبھی آئرہ نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور نوٹ اس کی مٹھیوں میں دبوچ دیئے۔

"میرے لئے یہ سب ایک خواب سے کم نہیں ہے، میں تو ابھی تک یقین نہیں کر پا رہی کہ کسی کی شکل میں اتنی مشابہت ہو سکتی ہے، یہ خدا کی قدرت ہے، میں دل سے تم دونوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔" عشال نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا، آئرہ کی نگاہیں ابھی بھی اس مکان کے چاروں اور رقص کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"اپنی فیلنگز ایکسپلین کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔" وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی تھی، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اس کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔

"خیر، میں تم سے ملنے دوبارہ آؤں گی، رئیلی نائس ٹو میٹ یو۔" اس نے اپنے گورے گورے ہاتھ آگے بڑھا کر عشال سے ہاتھ ملایا تھا اور پھر ہمدان کے گال چھوتے ہی وہ باسل کی طرف پلٹی تھی۔

"چلتی ہوں، ٹیک کیئر۔" باسل نے اسے اپنی طرف پلٹتے دیکھا تو جلدی سے باہر کی جانب مڑ گیا، آئرہ نے ایک سرسری سی نگاہ اس کمرے میں دوڑائی اور باسل کے ہمراہ اس کمرے سے باہر نکل آئی، عشال اور ہمدان دروازے تک آئے تھے، ان دونوں کو گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر عشال نے دروازہ بند کرتے ہی کنڈی چڑھا دی تھی۔

"عشال باجی! یہ لوگ کون تھے؟ اور وہ باجی تو بالکل آپ جیسی تھیں ناں؟ بتائیں نے عشال باجی۔" ہمدان نے دروازہ بند کرتی عشال کی طرف دیکھتے ہوئے سوالوں کی لائن لگا دی تھی، عشال تھکے تھکے انداز سے چلتی ہوئی کرسی تک آئی اور پھر دھپ سے کرسی پر براجمان ہوتے ہی وہ لمبی سانس کھینچ کر بولی تھی۔

"اللہ کے لوگ تھے، ہاں...... وہ میرے جیسی تھیں، میں تو خود حیران ہوں ہمدان۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں اپنی مٹھی میں بند ان نیلے نوٹوں کو سیدھا کرتے ہوئے کہا تھا، ہمدان اب ساتھ والی کرسی پر بیٹھا عشال کی جانب دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ ہاتھوں میں پکڑے نیلے نوٹوں کو

Digest Novels Lover

دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچے چلی جا رہی تھی۔

''یہ کسی معجزے سے کم نہیں۔'' دور کہیں ڈوبی ہوئی آواز ابھری تھی اور پھر لمبی سانس کھینچتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ میرے پیچھے کتنی شرٹ سی لیں تم نے؟''

''چار۔''

''اور کوئی آیا تو نہ تھا دروازے پر؟'' وہ سوال پوچھتے پوچھتے کپڑوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔

☆☆☆

موٹی موٹی دو نوٹوں کی گڈیاں ٹیبل پر پھینکتے ہوئے اس چھوٹے سے کھنڈر نما کمرے میں بیٹھے کالے سے غنڈے کو مخاطب کیا تھا۔

''پورے دو لاکھ روپے ہیں، کام ہو جانے پر باقی کے تین لاکھ تمہیں مل جائیں گے۔'' غنڈے نے دونوں گڈیاں اٹھا کر ان کو ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر اپنے انداز میں کہا تھا۔

''کام ہو جائے گا۔''

''بہت صفائی سے کام کرنا ہے، کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے کہ اس سب کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔'' اس نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا تو وہ خباثت زدہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے کھڑا ہو گیا تھا۔

''ناصر صاحب، بے فکر ہو کر جائیں، صبح ہونے سے پہلے ہی آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔''

''یہ لو اس میں گھر کا ایڈریس اور آئرہ کے کمرے کا نقشہ موجود ہے، صبح کا سورج نکلنے سے پہلے مجھے وہ لڑکی اس گھر سے غائب چاہیے سمجھے۔''

''او کے ڈن۔'' اس نے سفید لفافہ اس غنڈے کے ہاتھ میں تھمایا اور تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے۔

☆☆☆

''مما! کین یو بلیو ودز کہ عشال ہو بہو میری شکل کی ہے، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے میرے سامنے آئینہ رکھ دیا ہے، مما میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ اس وقت میری کیا فیلنگز تھیں۔''

وہ گھر آتے ہی مسز درانی کے کمرے میں چلی آئی تھی، پچھلے ایک گھنٹہ سے وہ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھی آج کے واقعہ کو بار بار ریپیٹ کرتی چلی جا رہی تھی۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں سمجھ رہی ہوں کہ اس وقت تمہاری کیا فیلنگز ہیں۔''

''مما! آپ بس کل چل رہی ہیں میرے ساتھ، میں آپ کو اس سے ملوانا چاہتی ہوں۔''

''نہیں میری جان کل ممکن نہیں، ہم پرسوں جائیں گے اس کے پاس۔''

''کل کیوں نہیں؟'' اس نے معصومانہ انداز میں پوچھا تو مسز درانی اس کی پیشانی چومتے ہوئے شائستہ لہجے میں بولی تھیں۔

''کیونکہ کل مسز خان اور تمہارے ہونے والے دولہا میاں منگنی کی رسم کرنے آنے والے ہیں۔''

''کیا؟ کل؟ اتنی جلدی کیوں مما؟'' وہ ایک دم حیران ہوئی تھی اس کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی۔

''ارے اتنی جلدی کہاں ہے، تمہیں میں نے بتایا تھا ناں کہ وہ لوگ جھٹ پٹ شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''مما! میں نے بھی آپ سے کہا تھا ناں کہ ابھی مجھے کچھ وقت چاہیے، میں نے ابھی ابھی اپنا کرئیر اسٹارٹ کیا ہے، آئی ریئلی نیڈ سم ٹائم مما۔''

''میری جان، میری چندا، تمہارا کیریئر بالکل ڈسٹرب نہیں ہوگا، آذان اور اس کی فیملی کو تمہارے کیریئر سے کوئی ایشو نہیں ہے، تم آرام سے اپنا کام کرسکتی ہو۔''

''لیکن مما!''

''ڈونٹ وری مائے بے بی، ٹرسٹ می تمہارا کیریئر ڈسٹرب نہیں ہوگا۔'' وہ منہ بسورے مسز درانی کی جانب دیکھنے لگی تو انہوں نے مامتا بھرے انداز میں ایک بار پھر سے اس کی پیشانی چومی اور شائستہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''چلو کھانا کھاتے ہیں، زاہدہ سے کہہ کر آج میں نے اپنی لاڈلی کے لئے اس کا من پسند کھانا بنوایا ہے، چلو چلو شاباش۔'' مسز درانی بیڈ سے نیچے اتر آئی تھیں اور آئرہ کو بازوؤں سے پکڑ کر بیڈ سے نیچے اتارنے لگی تھیں، اس کی بھوک تو کب کی اڑ چکی تھی، وہ مسز درانی سے کیسے کہتی کہ وہ یہ شادی ہرگز نہیں کرنا چاہتی، اسے اپنی مما بھی عزیز تھیں اور باسل بھی، باسل اور مما کی خوشی کی خاطر اسے اپنے تمام ہتھیار گرانے پڑے تھے، بجھے بجھے دل اور نڈھال قدموں سے وہ چلتی ہوئی مسز درانی کے ہمراہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

Digest Novels Lovers group

اس دفعہ خزاؤں میں
کھل کے پھر بکھرنے کا
خوف اتنا گہرا تھا
کچھ تو پھول ایسے تھے
جو کہ کھل نہیں پائے
اور
بہار بیت گئی

مما اور چچا کے ساتھ ڈائننگ روم میں کھانا کھانے کے بعد وہ سیدھی اپنے روم میں چلی آئی تھی، کپڑے چینج کرنے کے بعد وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔

''محبت...... کیا چیز ہے یہ محبت؟ آرزوئے قرب حسن، ہم ہر وقت جس کے قریب رہنا چاہتے ہیں اسی سے دور جانا پڑتا ہے، کیوں؟ جس ذات کی بقاء کے لئے اپنی ذات کی فنا تک بھی ہم لوگ گوارا کرتے ہیں، اسی سے دور کیوں لے جاتی ہے یہ محبت، امیر اور غریب میں اتنا فرق کیوں ہوتا ہے؟ کیوں ایک امیر غریب سے یا غریب امیر سے محبت نہیں کرسکتا؟ دنیا والے اتنے سنگدل کیوں ہوتے ہیں؟ ہمیشہ سٹیٹس محبت کا راستہ کیوں کاٹتا ہے؟'' انگلیوں سے بال سنوارتے ہوئے وہ کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔

''محبت ماضی بن جائے تو گھن کی طرح اندر ہی اندر انسان کو ختم کرتی رہتی ہے، ماضی کی یاد انسان کے وجود کو ڈھانپ لیتی ہے، لباس کی طرح نہیں، جلد کی طرح، کھال کی طرح انسان یاد کے پیرہن میں لپٹ جاتا ہے اور پھر کچھ بھولنے کا خیال بھی بھول جاتا ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تھی، تبھی راکنگ چیئر پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے بالوں میں اپنی انگلیاں پھنسائی تھیں۔

''پرانی یاد، نئی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، تہہ در تہہ یاد انسان کے اندر ہمیشہ موجود رہتی ہے، آئینہ گرد آلود ہو جائے تو گرد کے ذرات میں کئی آئینے نمودار ہو جاتے ہیں اور پھر یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں ہو جاتی ہے۔'' وہ اندر ہی اندر خود سے جھگڑ رہی تھی، نیند تو کب کی اس سے روٹھ چکی تھی، چچا بھی بظاہر سونے جا چکے تھے لیکن سائیڈ لیمپ آن کیے وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

''ایک بار...... ایک بار آئرہ کڈنیپ ہو جائے، میری منزل خود بخود میرے قدموں تلے

چلی آئے گی، کل آئرہ کی منگنی ہے، میں یہ منگنی ہرگز نہ ہونے دوں گا، اپنی لائف کا اتنا عرصہ ایسے ہی تو برباد نہیں کیا میں نے کہ ایک دن سب کچھ ہاتھ سے گنواں بیٹھوں، آئرہ اور یہ جائیداد صرف میری ہے، انہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا، آئرہ کڈنیپ ہو جائے گی تو سب کچھ میرے بس میں ہو جائے گا، میں ناصر درانی، اتنی آسانی سے کیسے سب کچھ ہار سکتا ہوں، کبھی نہیں۔'' چچا نے مضبوط لہجے میں خود سے کہتے ہوئے رات کے دو بجاتی گھڑی پر اپنی نظریں جما دیں تھیں۔

دوسری جانب باہر گیٹ پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی، نیند میں جھولے کھاتا گارڈ ایک دم چونک کر کھڑا ہوا تھا۔

''کون ہے؟''

''میں ایک لاچار غریب ہوں، گلہ سوکھ رہا ہے، ایک گلاس پانی مل جائے تو بڑی مہربانی ہوگی صاحب۔'' گیٹ کے اس پار سے آواز آئی تو گارڈ نے کچھ سوچتے ہوئے جلدی سے پاس پڑے کولر میں سے ایک گلاس پانی نکالا اور چھوٹا گیٹ کھول کر اس بھکاری نما بڑی سی چادر میں لپٹے شخص کو پانی کا گلاس تھما دیا۔

''یہ لو بابا۔''

''شکریہ صاحب، بڑی مہربانی آپ کی۔''

اس شخص نے جیسے ہی گارڈ کے ہاتھ سے گلاس تھاما کہ ایک شخص اس فقیر نما شخص کے پیچھے سے نمودار ہوا اور گن پوائنٹ پر گارڈ کو اپنی حراست میں لے لیا، گارڈ بوکھلائے ہوئے انداز سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا، فقیر نما شخص نے جلدی سے گلاس دور پھینکا اور اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر اس گارڈ کے ناک پر رکھ دیا، رومال پر لگائی گئی بے ہوشی کی دوا کے باعث گارڈ چند ہی لمحوں میں زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا، ان دونوں نے مل کر اسے اٹھایا اور کرسی پر بٹھاتے ہی رسیوں سے باندھ دیا، اس کے منہ پر بھی کپڑا باندھا جا چکا تھا، اب وہ دونوں بہت احتیاط اور دھیرے سے چلتے ہوئے گھر کے اندرونی حصہ کی جانب بڑھے تھے۔

آئرہ اٹھ کر ٹیرس پر چلی آئی تھی، کالے وسیع آسمان پر تارے ڈگمگا رہے تھے، چاند بھی بدلیوں کے پیچھے چھپا اس کی ٹیرس پر جھانک رہا تھا، ٹھنڈی اور خنک ہوا نے اس کے گالوں کو چھوا تھا، وہ سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی چاند کو دیکھنے لگی تھی، ہلکی ہلکی بوندا باندی ایک دم شروع ہو گئی تھی، چاندنی رات خنک ہوائیں اور ہلکی سی بوندا باندی، اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''زندگی کے ہزار رنگ ہیں، دل خوش ہو تو زندگی کا ہر رنگ خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے، زندگی کا دھارا تندی و تیزی سے بھرپور مستی کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے، زندگی میں کئی رشتے، کئی ہم سفر اپنی جھلک دکھلاتے ہیں، پھر جھلملا کر بجھ جاتے ہیں، بچھڑ جاتے ہیں۔'' اس نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے تازہ خنک ہوا کو اپنے اندر اتارا تھا۔

دونوں کڈنیپرز آئرہ کے کمرے تک پہنچ چکے تھے، آئرہ اس بات سے انجان اپنے ہی خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی، دروازے کے ہینڈل پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا گیا تھا، پھر وہ دونوں بڑی آہستگی سے دبے قدموں کمرے کے اندر داخل ہوئے تھے، آئرہ کو قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا، اس کے پیچھے کوئی بھی تو نہیں تھا، پھر اپنا وہم سمجھ کر وہ جیسے ہی دوبارہ ٹیرس کی طرف پلٹی کہ اس لمحے کسی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ناک پر کپڑا رکھ دیا تھا، کچھ

Digest Novels Lovers

ہی دیر میں وہ اس شخص کی بانہوں میں جھول گئی تھی، رات دھیرے دھیرے سرکتی چلی جا رہی تھی اور مسز درانی اس بات سے انجان کہ ان کی لاڈلی کڈنیپ ہو چکی ہے، پرسکون نیند سو رہی تھیں۔ کڈنیپرز نے آئرہ کو گاڑی میں ڈالتے ہی چچا کو کال کی تھی، بے چینی سے منڈلاتے ناصر چچا نے فون کی دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہیلو!''

''کام ہو گیا ہے جناب!'' ناصر چچا نے اتنا ہی سنا تھا کہ چہرے پر ایک دم خباثت زدہ مسکراہٹ سج گئی۔

''گڈ...... ویری گڈ۔'' خوشی سے لمبی سانس کھینچتے ہوئے اب وہ شخص بہت پرسکون دکھائی دینے لگا تھا، موبائل کی بڑی سی اسکرین پر آئرہ کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ مکار شخص اپنے انداز میں گویا ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری سویٹ ہارٹ، بس تھوڑی سی تکلیف سہہ لو، کچھ ہی دن کی تو بات ہے، پھر تم اور میں ایک ہو جائیں گے، دنیا جہاں سے چھپا کر رکھوں گا تمہیں۔'' خباثت زدہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ آئرہ کی مسکراتی تصویر دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

آسمان کی نیلاہٹ میں ہلکا ہلکا کالا رنگ نمایاں تھا، گلی بھی بالکل خاموش اور افسردہ دکھائی دے رہی تھی، وہ بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے کھڑکی میں چلی آئی تھی۔

''نجانے آج دل کیوں اتنا اداس ہے؟''

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی، ہمدان ابھی تک لمبی تان کر سو رہا تھا، اس نے پلٹ کر چولہے پر پتیلی رکھی اور اس میں چائے کی پتی، چینی اور پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر چائے پکنے کے لئے رکھ دی، وہ ابھی بھی سوچوں میں گم تھی۔

''شاید کل رات والا واقعہ ابھی تک ذہن پر حاوی ہے۔'' اس نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے دودھ کا ڈبہ اٹھایا اور پتیلی میں دودھ انڈیل کر خالی ڈبہ سائیڈ پر رکھ دیا۔

''ہمدان! اٹھ جاؤ بھائی، نو بجنے کو آئے ہیں، کتنا سونے لگے ہو تم۔'' ہمدان کو آواز لگاتے ہوئے اس نے گوندے ہوئے آٹے پر سے کپڑا ہٹایا اور دو چھوٹے چھوٹے پراٹھے کے لئے پیڑے بنا کر ایک پلیٹ میں رکھ دیئے، ہمدان کسمساتے ہوئے کروٹ بدل گیا تھا۔

''ہمدان اٹھ جاؤ شاباش، میں پراٹھا توے پر ڈالنے لگی ہوں، ٹھنڈا ہو جائے گا تو کھایا نہیں گا، جلدی سے اٹھ جاؤ۔'' وہ ابھی بھی لمبی تانے سو رہا تھا۔

''دس بجے میڈم آ جائیں گی کپڑے لینے، جلدی سے اٹھ کر ناشتہ کر لو، پھر مجھے صفائی بھی کرنی ہے، اٹھو ناں ہمدان۔'' میڈم کا نام سنتے ہی اس نے جھٹ سے رضائی اتار دور پھینکی اور انگڑائیاں لیتا ہوا اٹھ بیٹھا، اب وہ آنکھیں مسلتے ہوئے چائے میں چمچ ہلاتی عشال کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''عشال باجی! آپ بہت بری ہیں، اچھا بھلا خواب دیکھ رہا تھا، میڈم کا نام لے کر سارے خواب کا بیڑا غرق کر دیا۔'' عشال اس کے منہ بسورنے پر مسکرانے لگی تھی۔

''اچھا...... کیا خواب دیکھ رہے تھے تم؟''

''میں نے دیکھا کہ ہمیں درخشاں میڈم سے آزادی مل گئی ہے، میں سکول جانے لگا ہوں، آپ بھی بہت خوش ہیں۔''

''ہوں...... چلو اب جلدی سے ہاتھ منہ دھو لو اور آ جاؤ یہاں۔'' وہ اب توے پر پراٹھا ڈالنے

Digest Novels Lovers

لگی تھی، تبھی ہمدان اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

''عشال باجی!''

''ہوں۔''

''کیا یہ سب حقیقت میں نہیں ہو سکتا؟'' پراٹھا توے پر ڈال کر وہ اس معصوم چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اللہ مالک ہے، اگر اس نے چاہا تو ایسا ہو بھی سکتا ہے، ہم لوگ بہت کمزور ہیں، سوائے خواب دیکھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

''پتا نہیں میڈم اتنی بری کیوں ہیں، انہیں ہم پر ترس کیوں نہیں آتا، اتنا کام کرواتی ہیں اور پھر بھی غصہ کرتی ہیں۔''

عشال اس کی باتیں سنتے ہوئے پراٹھے کی سائیڈ بدلنے لگی تھی، اس قدر خوبصورت پراٹھا دیکھتے ہی اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگی تھی تبھی وہ جلدی سے اٹھ کر باتھ روم کی جانب دوڑا تھا، ہاتھ منہ دھونے کے بعد وہ زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تھا، عشال نے پراٹھا اور چائے کا کپ اس کی جانب بڑھا کر اپنا پراٹھا بھی پلیٹ میں رکھا تھا، ناشتہ کرتے ہی دونوں نے مل کر کمرے کی صفائی کی تھی، وہ کپڑے بدل کر باتھ روم سے باہر آئی ہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔

''کون؟''

''دروازہ کھولو۔'' میڈم کی آواز سنتے ہی اس نے دروازہ کھول دیا تھا، ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میڈم آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم میڈم!''

''وعلیکم السلام۔'' میڈم کے ہاتھ میں کچھ شاپرز تھے، شاپرز عشال کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ کرخت لہجے میں بولی تھیں۔

''یہ پکڑو...... نیا کپڑا خرید کر لائی ہوں، بہت ہی قیمتی ہے، بہت احتیاط سے کام کرنا ہے۔''

''جی!'' اس نے شاپرز پکڑتے ہی کرسی پر رکھ دیئے تھے اور پھر الماری کھول کر ہینگ کیے کپڑے اتار کر میڈم کی طرف مڑ کر بولی تھی۔

''میڈم! تمام کپڑے تیار ہیں، میں گاڑی میں رکھ آؤں؟''

''باہر یاسین کھڑا ہے اسے دے دو۔'' عشال نے دروازے کے باہر کھڑے ڈرائیور یاسین کو کپڑے تھمائے اور پھر دروازہ بند کرتے ہی پلٹ کر بولی۔

''میڈم! کتنے جوڑوں کا کپڑا ہے؟''

''لگ بھگ تیس کے قریب ہے اور مجھے تین دن کے اندر تمام جوڑے تیار چاہئیں اور یہ نکما جو ہے ناں۔'' میڈم نے سلائی مشین پر بیٹھے ہمدان کو چپت لگائی تھی، وہ پورا ہل کر رہ گیا تھا، عشال دکھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''کمبخت کپڑے کو داغ لگا دیتا ہے، حالانکہ کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ زمین پر مت لگایا کرو کپڑا، لیکن مجال ہے جو اس کے کانوں میں جوں تک رینگ جائے اور تو......'' میڈم اب کے عشال کی طرف لپکی تھیں، ایک بار پھر سے اس کا کان مروڑتے ہوئے دانت پیس کر بولی تھیں۔

''خیال نہیں رکھ سکتی اس کا، کام چور منحوس۔'' میڈم نے ایک جھٹکے سے اسے دھکا دے کر اس کا کان چھوڑا تھا، وہ کان پکڑے آنکھوں کی نمی کو صاف کرنے لگی تھی، میڈم نے شہادت والی انگلی اٹھا کر کرخت لہجے میں دونوں کو

Novels Lovers Digest

دھمکی دی تھی۔

''اگر اس بار کسی بھی کپڑے پر ہلکا سا بھی داغ لگا تو پیسے نہیں دوں گی اگلے مہینے کے، یاد رکھنا، اتنا مہنگا کپڑا آتا ہے، ساری لگی لاگت پر پانی پھر جاتا ہے۔''

''میڈم اگلی باری ایسا نہیں ہوگا، میں خاص خیال رکھوں گی۔'' عشال نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو میڈم اسے گھورتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھیں، عشال نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور لمبی سانس کھینچتے ہوئے کرسی پر پڑے شاپرز اٹھا کر میٹ پر آ بیٹھی تھی۔

''عشال باجی! میڈم کب مریں گی؟'' ہمدان نے منہ بسور کر پوچھا تو عشال کی ایک دم ہنسی چھوٹ پڑی تھی، ہمدان بھی ہنسنے لگا تھا۔

''عشال باجی! آپ ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں، ایسے ہی ہنستی رہا کریں، جب میڈم آپ کو ڈانٹتی ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' عشال نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کان کو چھوا تھا۔

''تم ان باتوں پر دھیان مت دیا کرو، اب تو عادت سی ہوگئی ہے ان سب باتوں کی۔''

''پتا ہے عشال باجی! میں نے تو سوچ رکھا ہے کہ جب میڈم مر جائیں گی تو ہم جشن منائیں گے۔''

''اوں ہوں، ایسا نہیں کہتے۔'' وہ ایک بار پھر سے منہ بسور کر مشین پر جھک گیا تھا، جبکہ عشال شاپرز میں سے کپڑے باہر نکالنے لگی تھی۔

☆☆☆

مسز درانی پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام تک نہ لے رہے تھے، رو رو کر انہوں نے اپنا برا حال کرلیا تھا۔

''بھابھی! سنبھالیں خود کو۔'' چچا ناصر نے اپنے مکار چہرے پر شرافت کا نقاب اوڑھ لیا تھا، تبھی وہ پریشان صورت بنائے مسز درانی کو دلاسہ دے رہے تھے، مسز درانی کہاں سنبھلنے والی تھیں، آئرہ ان کی بیٹی تھی اور ان کی اکلوتی بیٹی کڈنیپ ہوچکی تھی، سسکتے ہوئے لہجے میں وہ چچا کی طرف دیکھ کر بولی تھیں۔

''کیسے سنبھالوں خود کو، کیسے سنبھالوں، میری بیٹی نجانے کس حال میں ہوگی، کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں اسے، ناصر بھائی اللہ کا واسطہ ہے اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لائیں، میری بیٹی کو ڈھونڈ کر لائیں۔'' انہوں نے زارو قطار رونا شروع کر دیا تھا، انسپکٹر صاحب نے گھر کے تمام ملازمین کو لاؤنج میں ہی اکٹھا کرلیا تھا، باری باری سب سے پوچھ گاچھ کرنے کے بعد وہ صوفہ پر نڈھال بیٹھیں مسز درانی کے پاس آ کر بولے تھے۔

''مسز درانی آپ حوصلہ رکھیے، ہماری پوری کوشش ہے کہ آج ہی کی ڈیٹ میں آپ کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالا جائے، ہوسکتا ہے کہ کڈنیپرز دن کے کسی بھی حصہ میں آپ سے رابطہ کریں، ہم نے اپنا سارا ہوم ورک کرلیا ہے، وہ کڈنیپرز ہم سے بچ نہیں پائیں گے۔''

''انسپکٹر صاحب آج آئرہ کی منگنی کی رسم ہے اور آج ہی اس کا کڈنیپ ہوگیا، اس کا ملنا بہت ضروری ہے انسپکٹر صاحب، اگر وہ آج شام تک نہیں ملی تو خاندان بھر میں بدنامی ہو جائے گی، آپ تو جانتے ہیں کہ لوگ دوسروں کا دکھ نہیں سمجھتے، بلکہ وہیں پر چوٹ لگاتے ہیں جہاں پہلے سے زخم ہوتا ہے۔'' چچا ناصر نے آگے بڑھ کر انسپکٹر صاحب سے کہا تو وہ کچھ سوچتے ہوئے اپنے انداز میں بولے۔

''ڈونٹ وری مسٹر ناصر درانی، ہمیں احساس ہے اس بات کا، ہم اپنی طرف سے پوری

Digest Novels Lovers group

کوشش کریں گے۔"

باسل بن پانی مچھلی کی طرح تڑپ کر اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا، اس سے مسز درانی کی حالت بھی چھپی نہ رہی تھی، لبوں پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل گیراج میں چکر کاٹ رہا تھا۔

"یہ سب اتنی اچانک کیسے ہو گیا؟ آئرہ میڈم کو کوئی بھلا کڈنیپ کیوں کرے گا، اگر کیا بھی تو ابھی تک کسی نے رقم کی وصولی کے لیے کال کیوں نہیں کی؟" وہ سوچ میں اس قدر گم تھا کہ اسے پاس پڑے بڑے سے گملے کا پتا بھی نہ چلا اور وہ اس سے ٹکرا کر بری طرح گرتے گرتے بچا، گملے سے ٹکرانے کے باعث اس کا موبائل جیب میں سے اچھل کر گاڑی کے نیچے جا گرا تھا، اس نے زمین پر لیٹ کر گاڑی کے نیچے ہاتھ مار کر اپنا موبائل اٹھانا چاہا تھا کہ سامنے سے اسے انسپکٹر اور چچا ناصر کے قدم گیراج کی جانب بڑھتے نظر آئے، اس نے ان دونوں کو اگنور کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ اپنے موبائل پر مرکوز کر دی تھی، گاڑی کے نزدیک پہنچتے ہی چچا ناصر نے اردگرد نظر دوڑائی تھی، جب انہیں وہاں کوئی بھی نہ دکھا تو بڑے دھیمے انداز میں خباثت زدہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر انسپکٹر کی طرف دیکھ کر بولے۔

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر نے بھی مکار چہرے پر خباثت زدہ مسکراہٹ سجالی تھی۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے ناصر صاحب، آپ نے ہمارا خیال رکھا اور ہم نے آپ کا، آپ اسی طرح ہمارا خیال رکھیئے ہم آپ کا خیال رکھیں گے۔" ناصر چچا نے انسپکٹر کے شولڈر پر ہاتھ رکھ کر اپنے غلیظ انداز میں کہنا شروع کیا تھا۔

"اس کی تم فکر نہیں کرو، تمہارا خیال میں بہت اچھے سے رکھوں گا، سب کچھ ٹھیک ویسا ہی ہو رہا ہے، جیسا میں نے پلان کیا تھا، بس آج کی رات گزرنے کا انتظار ہے مجھے، شام تک آئرہ کی منگنی کی بات اپنے آپ ختم ہو جائے گی اور پھر بیٹی کی جدائی اور اس کے رشتے کا صدمہ بھابھی جان کب تک برداشت کریں گی، امید ہے کہ رات تک ہی بھابھی کا کام تمام ہو جائے گا، نہ بھی ہوا تو صبح تک میں ان کو اس درد سے نجات دے دوں گا، سب یہی سمجھیں گے کہ بیٹی کی جدائی میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں، پھر میرا راج ہو گا، اس گھر پر، بزنس پر، تمام جائیداد پر اور میری رانی آئرہ پر۔"

ناصر کے بھیانک ترین ارادے سنتے ہی باسل کانپ کر رہ گیا تھا، حیرت کے مارے وہ اٹھنے کی چاہ میں زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔

چچا ناصر نے انسپکٹر کو وہاں سے وداع کرتے ہی اندر کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ ان کے فون پر بیل بج اٹھی تھی، نمبر غور سے دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے وہیں رک کر فون کان سے لگائے سرگوشیانہ انداز میں بولے تھے۔

"تم سے کہا ناں، کہ ابھی مجھے فون مت کرو، میں آج رات تک چکر لگاؤں گا تمہاری طرف، ہاں ہاں پتا ہے مجھے، ساتھ ہی لاؤں گا تمہاری رقم اور ہاں اس لڑکی کا خاص خیال رکھنا، ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہونی چاہیے اسے، ورنہ تمہاری کھال ادھیڑ کے رکھ دوں گا، کھانا پینا سب ٹائم پر دینا، جان ہے وہ میری، اسے کچھ بھی ہوا تو جانتے ہو تم مجھے، ٹھیک ہے رات میں ملاقات ہو گی، اب فون مت کرنا۔" غصے سے کال ڈسکنیکٹ کرتے ہی ناصر چچا پیر پٹختے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے، باسل گاڑی سے ٹیک

Digest Novels Lovers

لگائے زمین پر بیٹھا تھا، اس کے لئے یہ سب ناقابل یقین تھا۔

''کوئی شخص اس قدر گھٹیا بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے ہی گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالے، کیا سگے رشتے بھی اس قدر گھٹیا ہوسکتے ہیں؟ کیا خون کے رشتے بھی خونی ہوسکتے ہیں؟ یا اللہ اتنا بڑا ظلم اتنی بڑی ناانصافی، نہیں مجھے کچھ کرنا ہوگا، بڑی میڈم نے ہمیشہ میری ضرورت کے وقت میرا خیال رکھا ہے، اتنے اچھے انسانوں کے ساتھ اس قدر برا نہیں ہوسکتا، پولیس...... ہاں پولیس کو سب کچھ بتا دوں، لیکن کوئی میری بات پر کیونکر یقین کرے گا، بلکہ پولیس تو خود اس بھیانک کھیل میں شامل ہے، یا اللہ کیا کروں، کیا کروں۔'' خشک ہوتے لبوں کو تر کرتے ہوئے وہ مسلسل سوچے چلا جارہا تھا۔

''کیا کروں؟'' پھر ایک دم سے اسے کچھ یاد آیا تھا اور پھر سوچتے ہوئے وہ ہم کلام ہوا تھا۔

''ہاں یہی ٹھیک رہے گا، شاید یہی ٹھیک رہے گا۔'' پھر وہ جلدی سے اٹھا تھا اور بھاگ کر گیٹ کھولا تھا، واپس دوڑتے ہوئے وہ گاڑی کے نزدیک آیا اور جلدی سے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے بڑی تیزی سے گاڑی باہر نکالی تھی اور پھر گاڑی سے اتر کر گیٹ بند کرتے ہی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کر فل سپیڈ میں گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

☆☆☆

قمیض کی کٹائی کرنے کے بعد عشال نے تھکے تھکے انداز میں نظریں اٹھا کر سلائی میں گم ہمدان کی طرف دیکھا تھا اور پھر جمائی لیتے ہوئے اس نے شاپر میں سے دوسرا کپڑا نکال کر سیٹ پر بچھا دیا تھا، انچی ٹیپ سے کپڑا ماپنے کے بعد وہ ایک بار پھر سے قینچی تھام کر کپڑا کاٹنے لگی تھی کہ دروازے پر ہوتی زور زور کی دستک نے اس کی اور ہمدان کی پوری توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی، حیران نظروں سے ہمدان کی جانب دیکھتے ہوئے وہ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر جلدی سے اٹھتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

''کون ہے؟''

''جی میں ہوں باسل۔'' دروازے کی دوسری جانب سے اجنبی آواز اور نام سنتے ہی اس نے مزید حیرانی سے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کون باسل؟''

''میں کل آیا تھا آئرہ میڈم کے ساتھ، آپ کو گھر ڈراپ کیا تھا کل رات ہم دونوں نے۔''

عشال کو ایک دم یاد آیا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کی کنڈی کھول دی اور سامنے پریشان کھڑے باسل کی طرف دیکھ کر حیرانی سے گویا ہوئی۔

''خیریت؟''

''بالکل خیریت نہیں ہے، مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔'' ہمدان وہیں مشین کے پاس بیٹھا حیرانی سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، عشال نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک بار پھر سے پوچھا تھا۔

''جی کیسی مدد؟''

''آئرہ میڈم کڈنیپ ہوگئی ہیں، وہ اس وقت بہت زیادہ مشکل میں ہیں۔''

''یا اللہ خیر، لیکن میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟'' عشال نے حیرانگی و پریشانی ظاہر کی تو وہ آگے بڑھ کر بولا۔

''کیا میں اندر آسکتا ہوں، یہاں دروازے میں بات کرنا ٹھیک نہیں رہے گا۔''

''جی آیئے۔'' باسل نے اندر آتے ہی تمام قصہ اسے سنا ڈالا تھا، عشال نہایت ہی پریشانی

Digest Novels lovers

کے عالم میں گویا ہوئی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آئرہ میڈم کے سگے چچا یہ حرکت کر سکتے ہیں، کیا تمام رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں؟''

''تقریباً...... آج کل دولت نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے، رشتوں کے تقدس کا کوئی پاس نہیں رہا، لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔''

''اب کیا ہوگا؟''

''پولیس کے پاس جانا بیکار ہے، ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

''لیکن میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟''

''آپ کو صرف آج کے دن کے لئے آئرہ میڈم بن کر اس بنگلے میں جانا ہوگا۔''

''جی...... مم...... میں؟'' عشال کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا، تبھی وہ حیرانی سے باسل اور ہمدان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''پلیز انکار مت کیجئے گا، آپ کی مدد کے بغیر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''باسل صاحب یہ ناممکن ہے۔''

''کیوں ناممکن ہے؟''

''آئرہ میڈم اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''کوئی فرق نہیں ہے، میں کسی قسم کے فرق کی گنجائش ہی نہیں چھوڑوں گا، یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں، ڈونٹ وری۔''

''لیکن باسل صاحب۔''

''پلیز چند گھنٹوں کی بات ہے، صرف آج ہی کا دن، آپ آئرہ میڈم بن کر اس بنگلے میں جائیں گی تو بڑی میڈم کی جان بچ جائے گی، خاندان بھر میں بدنامی سے بچ جائیں گی بڑی میڈم اور پھر آج رات ناصر صاحب ان کڈنیپرز سے ملنے جانے والے ہیں، میں با آسانی ان کا پیچھا کر کے وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔''

''لیکن اگر کسی کو شک ہو گیا تو؟''

''کسی کو شک نہیں ہوگا، آپ پلیز چلیے میرے ساتھ، میں راستے میں آپ کو سب سمجھا دوں گا۔''

''معاف کیجئے گا باسل صاحب، میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں لیکن کر نہیں پاؤں گی، میں ہمدان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' عشال نے پریشان لہجے میں کہا تو ہمدان فوراً اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

''عشال باجی! آپ میری فکر نہیں کریں، چند گھنٹوں کی بات ہی تو ہے، میں اپنا خیال رکھ لوں گا اور دروازہ بھی نہیں کھولوں گا، آپ میری طرف سے بے فکر ہو کر جائیں۔'' معصوم لہجے میں کہے گئے الفاظ اس کے دل کو چھو گئے تھے، ہمدان کو جلدی سے اپنی بانہوں میں لپٹا کر پیار کرتے ہوئے وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''اگر میڈم آ گئیں تو؟''

''میں سب سنبھال لوں گا عشال باجی، آپ جائیں۔'' عشال نے ہمدان کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہی چادر اٹھا کر اوڑھ لی تھی اور پھر باسل کی جانب دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''باسل صاحب ایک بار پھر سوچ لیجئے، کہیں کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''آپ فکر نہیں کریں، مجھ پر بھروسہ کریں، آج رات تک آپ کو صحیح سلامت آپ کے گھر واپس چھوڑ کر جاؤں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' پھر عشال نے پریشان انداز میں ہمدان کی جانب دیکھا تھا۔

''ڈبے میں کل والا سالن اور روٹی رکھی

ہے، یاد سے کھا لینا اور اپنا خیال رکھنا، جب تک میں نہ آؤں، دروازہ مت کھولنا۔'' ہمدان نے جی حضوری کرتے ہوئے مثبت انداز میں سر ہلایا تو عشال نے باسل سمیت باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے اور ہمدان نے جلدی سے دروازہ بند کرتے ہی کنڈی چڑھا دی تھی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے باسل نے تمام ضروری باتیں اسے اچھے سے سمجھا دی تھیں، سیلون کے باہر گاڑی پارک کرتے ہی وہ عشال سمیت سیلون کے اندر داخل ہو تھا، سٹائلسٹ کو ضروری ہدایات سمجھانے کے بعد وہ ویٹنگ ایریا میں بیٹھ کر عشال کا انتظار کرنے لگا تھا، دوسری جانب سیلون کے اندرونی حصہ میں چار سے پانچ لڑکیاں عشال کے میک اوور میں لگ گئی تھیں، چاکلیٹ کلر کا ہیر ڈائے لگانے کے بعد دو لڑکیاں اس کی بازوؤں کی ویکسنگ، دو لڑکیاں آئی برو اور دو لڑکیاں پیڈی کیور میں لگ گئی تھیں، جلدی سے ویکسنگ کرنے کے بعد اب اس کا مینی کیور بھی سٹارٹ ہو چکا تھا، عشال کے لئے یہ سب کچھ کسی خواب سے کم نہ تھا، وہ بڑی حیرانگی سے تمام لڑکیوں کو اپنا میک اوور کرتے دیکھ رہی تھی، بال دھلوانے کے بعد اب اسٹائلسٹ خود سے اس کا ہیر اسٹائل بنانے لگا تھا، باسل بن پانی کے مچھلی کی طرح تڑپتے ہوئے اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اسٹائلسٹ کے ساتھ آتی عشال پر پڑی اور وہ اگلہ قدم اٹھانا بھول گیا، وہ کسی بھی طرح اب عشال نہیں لگ رہی تھی، سب کچھ ویسا ہی تھا، باسل عشال کو سیلون ڈراپ کرتے ہی نزدیکی بوتیک سے آئرہ جیسے کپڑے خرید لئے تھے، پورے میک اوور کے بعد وہ باسل کے سامنے گھبرائی ہوئی کھڑی تھی، باسل تو کیا وہ تو خود اپنے آپ کو پہچاننے سے انکاری تھی، اسٹائلسٹ کا شکریہ ادا کرتے ہی وہ عشال سمیت سیلون سے باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

مسز درانی نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا، چچا ناصر پانی کا گلاس اٹھا کر مسز درانی کی جانب بڑھ کر بولے تھے۔

''بھابھی! آپ کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کیے جا رہی ہیں، میری ابھی انسپکٹر احتشام سے بات ہوئی ہے، وہ اپنا کام کر رہے ہیں، انشاءاللہ جلد ہی اچھی خبر ملے گی، آپ ہمت مت ہاریئے، یہ لیجیے پانی۔''

''نہیں بھائی صاحب! جب تک آئرہ نہیں مل جاتی مجھے سکون کی سانس نہیں آئے گی، مجھے آئرہ چاہیے، جلد از جلد۔'' مسز درانی نے ایک بار پھر سے زارو قطار رونا شروع کر دیا تھا۔

''آدھے سے زیادہ دن گزر چکا تھا، کڈنیپرز کا کوئی فون تک نہیں آیا، پتا نہیں کس حال میں ہوگی میری بچی۔''

''بھابھی! حوصلہ رکھیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، پولیس اپنا کام کر رہی ہے۔'' چچا ناصر نے گلاس سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے مسز درانی کو حوصلہ دیا تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے پھر سے آنسو بہانے لگی تھیں، چند ہی ثانیے بعد باسل لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور پھر گھبرائے ہوئے انداز میں چچا ناصر اور پھر مسز درانی کی جانب دیکھتے ہوئے دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

''میڈم!'' اس کی آواز پر دونوں نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر اس کے پیچھے کھڑی عشال پر نظر پڑتے ہی مسز درانی ایک جھٹکے سے کھڑی ہو کر اس کی جانب دوڑی تھیں، ناصر چچا نے عشال کو دیکھا تو اس طرح جھٹکے سے کھڑے ہوئے گویا جیسے صوفے نے

Digest Novels lovers

کرنٹ مارنا شروع کر دیا ہو، وہ حیران و پریشان وہیں کھڑے عشال کی جانب دیکھتے رہے تھے۔

"آئرہ میری جان!" مسز درانی نے اسے خود سے لپٹا کر خوب پیار کیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں اپنی مما کو اکیلے چھوڑ کر، کون تھے وہ نامراد، گھر کیسے آئی ہو؟" ایک ساتھ اتنے سارے سوالات پوچھے جانے پر وہ مزید بوکھلا گئی تھی۔

"مما! پتا نہیں کون تھے وہ لوگ، بہت مشکلوں سے موقع پاتے ہی وہاں سے بھاگ آئی، مما میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" عشال نے ڈرتے ڈرتے انداز میں کہا تو مسز درانی اسے سینے سے لگا کر ایک بار پھر سے پیار کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"ہاں میری جان، چلو تم میرے کمرے میں چلو، اب اپنی جان کو خود سے دور نہیں ہونے دوں گی۔" اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی تھیں، ناصر چچا حیران و پریشان سوچوں میں غرق کھڑے تھے، باسل باہر واپس جانے لگا تو اسے روک کر دھیمے لہجے میں انکوائری کرنے لگے تھے۔

"رکو۔" باہر جاتے قدم ایک جھٹکے سے وہیں جم کر رہ گئے تھے، خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے پلٹ کر ناصر چچا کی جانب دیکھا تھا۔

"جی!"

"آئرہ تمہیں کہاں پر ملی؟"

"وہ...... کیولری گراؤنڈ برج کے نیچے۔" باسل نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی، ناصر چچا کی تو سیٹی پہلے سے ہی گم ہو چکی تھی، بے چینی سے لمبی لمبی سانس کھینچتے ہوئے اپنے پیشانی پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے وہ اپنے انداز میں بولے تھے۔

"آ...... اچھا ٹھیک ہے...... تم جاؤ۔" باسل سر تا پا ان پر اک نگاہ دوڑاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا، ناصر چچا اب غصے کے عالم میں اپنے کمرے میں چلے آئے تھے، کمرے کا دروازہ لاک کرتے ہی انہوں نے موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کیا تھا، دوسری طرف بیل جا رہی تھی، بے چینی سے اِدھر اُدھر منڈلاتے ہوئے وہ کال رسیو ہونے کا ویٹ کر رہے تھے، چند ثانیے بعد کال رسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو!"

"کیا بکواس ہے یہ سب، تم لوگوں سے ایک لڑکی نہیں سنبھالی گئی۔" دبی دبی آواز میں اپنا غصہ ظاہر کرتے ہوئے وہ دانت پیس کر بولے تھے تو دوسری جانب وہ غنڈہ نما شخص ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"میں نے بہت بڑی غلطی کی تم پر بھروسہ کر کے، سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔"

"کچھ بولو گے بھی کہ ہوا کیا؟"

"کیا ہوا ہے؟ یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ کیا ہوا ہے؟"

"فالتو میں میرا دماغ چاٹنے کی ضرورت نہیں، رات کو یاد سے تین لاکھ روپے لے کر میرے اڈے پر پہنچ جانا، میں اس سے زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔"

"پیسے گئے بھاڑ میں سالے، لڑکی سنبھالی نہیں گئی تجھ سے، دعوے اتنے بڑے بڑے کر رہا تھا، کیا کیا اینڈ میں، میرا سارا پلان چوپٹ کر کے رکھ دیا۔"

"ابے او زیادہ مغز ماری مت کر میرے ساتھ، نہیں تو اس لڑکی کا ایسا بندوبست کروں گا

Digest Novels Lovers

ناں کہ نسلیں یاد کر کے کانپ اٹھیں گیں۔"

"ابے ہٹ سالے دو ٹکے کے آدمی، یہ دھمکیاں جا کر کسی اور کو دینا، مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے، تجھے کیا لگا کہ آئرہ تیرے چنگل سے بھاگ نکلے گی اور مجھے علم تک نہیں ہوگا، سالے گیدڑ کی اولاد، چھوڑوں گا نہیں تجھے میں، ایک ایک پیسہ وصول کروں گا تیرے سے۔"

"اپنی اوقات میں رہ بے غیرت، منہ سنبھال کر بات کر مجھ سے، ورنہ میں ٹھوک دوں گا لونڈی کو۔"

"مجھے بے وقوف بنانے کی غلطی سے بھی کوشش مت کرنا، ابے غنڈوں کے نام پر دھبہ ہو تم لوگ، سالے ایک کام دیا تھا کرنے کو، سب کچھ چوپٹ کر ڈالا۔"

"دیکھ سیٹھ، پکا مت میرے کو، سب جانتا ہوں میں، پیسہ نہ دینے کی چال میرے ساتھ مت کھیل، ورنہ ابھی کہ ابھی گھر یہ کال کر کے تیرا بھانڈا پھوڑ دوں گا اور بقایا کی رقم بھی وہیں سے وصول کر لوں گا اور رہی بات اس لونڈیا کی تو، اس کا دیکھ میں کیا حشر کرتا ہوں۔"

"ابے جا، آئرہ اس وقت گھر پر موجود ہے۔" اس غنڈے کے ماتھے پر چند شکنیں ابھری تھیں تبھی وہ آگے بڑھ کر لکڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا تھا۔

"جو ایک بار میرے قبضے میں آجائے اسے موت یا پیسے کے سوا کوئی چیز آزاد نہیں کرا سکتی۔" اندر داخل ہوتے ہی اس نے زمین پر بیٹھی حال و بے حال آئرہ کی جانب قدم بڑھائے تھے، بالوں سے جکڑ کر وہ کرخت لہجے میں بولا تھا۔

"لے بات کرا اپنے انکل سے۔"

"ہیلو! انکل، انکل پلیز مجھے بچا لیجئے، انکل۔" آئرہ کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو ناصر چچا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، حیرانگی سے منہ کھولے وہ لڑکھڑاتے ہوئے گویا ہوئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ آئرہ اس وقت گھر پر ہے۔"

"دیکھ سیٹھ بھیجا مت خراب کر میرا، اگر یہ لڑکی زندہ چاہیے تو آج رات تک میری مطلوبہ رقم لے کر میرے اڈے پر پہنچ جا۔" یہ کہتے ہی اس نے غصے سے کال کاٹ دی تھی، ناصر چچا حیران و پریشان کھڑے فون کی طرف دیکھتے ہوئے ہم کلام ہوئے تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ ناممکن ہے، یہ مجھے بے وقوف بنا رہا ہے، آئرہ اس وقت گھر پر ہے، لیکن، فون پر آواز بھی تو آئرہ کی تھی، یہ کیسے ممکن ہے۔" نڈھال قدموں سے چلتے ہوئے وہ بیڈ پر آ بیٹھے تھے۔

"آئرہ گھر پر ہے، تو وہاں کون ہے، مجھے جا کر دیکھنا ہوگا۔" پھر جلدی سے فون اور گاڑی کی چابی سنبھالتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر جانے والے راستے کی جانب بڑھے تو پیچھے سے آتی مسز درانی کی آواز سے ان کے قدم وہیں رک کر رہ گئے۔

"بھائی صاحب!" گھبرائے ہوئے انداز میں انہوں نے پلٹ کر مسز درانی کی جانب دیکھا تھا جو چلتے ہوئے انہی کی جانب آرہی تھیں۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"مم......وہ انسپکٹر احتشام سے ملنے۔"

"آپ ان سے کل کا ٹائم فائنل کر لیں، دو گھنٹے بعد مسز خان منگنی کی رسم کے لئے آجائیں گی، بہت سے کام پڑے ہیں کرنے والے۔"

"لیکن بھابھی، احتشام سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"بھائی صاحب! ماشاء اللہ سے آئرہ گھر آ چکی ہے، آپ احتشام صاحب سے کہہ دیجئے کہ یا تو منگنی کی رسومات کے بعد ملنے کا پلان کرلیں یا پھر کل کا کوئی بھی وقت مقرر کرلیں، ابھی ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

"جی...... جیسا آپ ٹھیک سمجھیں بھابھی۔"

مسز درانی مسکرا دی تھیں اور پھر ان کے ہمراہ چلتے ہوئے آج شام کے فنکشن کے بارے میں کچھ ہدایات دیتے ہوئے لان تک چلی آئی تھیں، دوپہر شام میں ڈھل چکی تھی، باسل گاڑی کے پاس کھڑا بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کررہا تھا، عشال مسز درانی کے کمرے میں بیڈ پر کروٹ لیتے پریشانی سے اپنے لب کاٹے جارہی تھی۔

"یا اللہ سب کچھ خیر خیریت سے ہوجائے، پتا نہیں باہر کیا ہورہا ہوگا، کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے، یا اللہ مدد کر۔" اس نے خوف سے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں، دل زوروں سے دھڑک رہا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ آج کا دن اس کے لئے کتنے امتحانات لایا ہے، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے کوئی ایسا ریموٹ ملے اور وہ جلدی سے وقت کو فارورڈ کردے اور اس مشکل گھڑی سے آزاد ہوکر اپنے گھر واپس چلی جائے، لیکن صد افسوس کہ اسے تو ابھی بہت ہی کٹھن مراحل سے گزرنا تھا۔

اچھا برا وقت سبھی پر آتا ہے، آتا ہے اور گزر جاتا ہے، کیونکہ وقت کا تو کام ہی ہے گزرنا، مشکل وقت بھی گزر جاتا ہے، یاد رہتا ہے تو صرف اتنا کہ کس نے مشکل وقت کو مشکل ترین بنا دیا اور کس نے آسان، انسان جب اچھا سوچتا ہے تو اللہ خود ہی راستے بنا دیتا ہے اور تمام مشکلیں آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔

☆☆☆

گھڑی شام کے پانچ بجا رہی تھی، مسز درانی عشال کو آئرہ کے روم میں لے آئی تھیں، وارڈ روب سے ڈارک گرین کلر کا خوبصورت سا شفون کا سوٹ نکال کر عشال کی طرف بڑھتے ہوئے وہ نہایت ہی شائستہ لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"جلدی سے شاور لے لو اور ریڈی ہوجاؤ، سات بجے مہمان آنا شروع ہوجائیں گے، صرف دو گھنٹے بچے ہیں۔" عشال نے گھبرائے ہوئے انداز میں مسز درانی اور پھر ڈریس کی طرف دیکھ کر مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے نظریں جھکا لیں تھیں، مسز درانی نے ڈریس سامنے بیڈ پر رکھتے ہوئے عشال کی پیشانی چوم کر پیار بھرے انداز میں کہا تھا۔

"آج جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول پانا ہم دونوں کے لئے اتنا آسان نہیں ہے، لیکن بیٹا اپنا دکھ، غم چھپا کر دنیا داری بھی تو نبھانی ہوتی ہے، دنیا والوں کو اگر اپنے زخم دکھائے جائیں تو یہ دنیا والے مرہم لگانے کی بجائے نمک چھڑک کر زخم کو اور تازہ اور تکلیف دہ بنا دیتے ہیں، یہ دنیا والے بڑے ظالم ہوتے ہیں، کسی کے دکھ درد کو نہیں سمجھتے۔" عشال لب بھینچے نظریں جھکائے مسز درانی کی باتیں سن رہی تھی، مسز درانی نے چند ثانیے کی خاموشی کے بعد ہلکی سی مسکان چہرے پر سجاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

"میں تو اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اللہ نے ہماری عزت پر آنچ نہیں آنے دی، ہماری عزت رکھ لی، بدنامی سے بچا لیا، لوگوں کے طعنوں سے بچا لیا، سمجھ نہیں آرہی کہ اپنے رب کا شکر ادا کیسے کروں، اللہ بڑا مہربان ہے، بہت مہربانی اس ذات پاک کی۔" مسز درانی ایک بار پھر سے آنسو بہانے لگی تھیں، عشال کی

Digest Novels Lovers

آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں، لیکن اس نے جلدی سے اپنے آنسو پر قابو پاتے ہوئے مسز درانی کے گالوں پر اٹکے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے رندھی آواز میں کہا تھا۔

''مما آپ مت روئیں۔'' مسز درانی نے جلدی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر چوم لیے تھے اور پھر ایک بار پھر سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

''اوکے مائے چائلڈ، گیٹ ریڈی، میں نیچے جا کر کچن میں جھانکتی ہوں، ان لوگوں کے سر پر کھڑے نہ ہو جب تک تب تک ڈھنگ سے کام نہیں کرتے اور پھر آج کے دن تو میں کسی بھی معاملے میں کوئی بھی رسک نہیں لے سکتی، آج میری لاڈو کا سب سے اہم دن ہے۔'' ایک بار پھر سے بوسہ دیتے ہی وہ کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں، عشال نے دکھ بھری نگاہوں سے بند دروازے کی جانب دیکھا تھا اور پھر سرد آہ بھرتے ہی اس نے چاروں اور نگاہ دوڑائی تھی۔

کتنا خوبصورت کمرہ تھا وہ، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ باربی ڈول کی دنیا میں آ بسی ہے وائٹ اینڈ پنک کلر کمبینیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے کمرے کی سیٹنگ کی گئی تھی۔

وڈ فلور پر خوبصورت پنک کلر کا بیڈ رکھا تھا، پنک بیڈ پر نہایت ہی خوبصورت وائٹ کلر کی سلک کی بیڈ شیٹ بچھی تھی، پنک بلینکٹ نہایت ہی نفاست سے بیڈ کے آدھے حصے کو کوور کیے ہوئے تھا، بیڈ کی پشت والی بڑی سی سلور کلر کی وال پر وائٹ کلر کے چھوٹے بڑے ہر سائز کے سرکل بنائے گئے تھے جن کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہر سرکل میں سے وائٹ کلر کی روشنی پھوٹ رہی ہو، ساتھ والی پنک وال پر وائٹ کلر کے فریم میں قید آئزہ کی خوبصورت فوٹو ٹنگی تھی، دیوار کے کارنر پر ایک لمبا صراحی دار پیور وائٹ کلر کا گلدان پڑا تھا جس میں رنگ برنگی پھول اپنے سر نکالے باہر کی طرف جھانک رہے تھے اور ساتھ ہی ایک رائٹنگ چیئر رکھی گئی تھی، دیوار کے آگے خوبصورت سی وائٹ اور پنک کلر کی بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل رکھی گئی تھی، ٹیبل پر خوبصورت شیشوں میں قید پرفیومز اور بے شمار میک اپ کا سامان سلیقے سے رکھا ہوا تھا، بیڈ کے چند قدم کے فاصلے پر خوبصورت پنک کلر کا نرم ملائم قالین پڑا تھا، ٹیرس والی پنک دیوار کے ایک کارنر پر دو چھوٹی کرسیوں اور ٹیبل کا سیٹ پڑا تھا پورے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے وارڈ روب کے قریب چلی آئی تھی، شیشے والی وارڈ روب سے جھانکتے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے وہ ٹیرس کی طرف بڑھی تھی، موسم خوشگوار تھا لیکن فضا سوگوار محسوس ہو رہی تھی، وہ چلتے ہوئے ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی تھی، شفاف نیلگوں آسمان کے مقابل سفیدے کے درختوں کے سیمگوں سبز پتے کتنے خوبصورت نظر آ رہے تھے، آسمان کی شفاف نیلاہٹیں، درختوں کی سبزی اور اڑتے ہوئے کوؤں کی ڈار کی سیاہی، بالکل متضاد رنگوں کا یہ امتزاج اس کو آج سے نہیں بچپن سے ہی بہت بھلا لگتا تھا اور اس وقت بھی شفاف نیلگوں آسمان تھا، اس کے مقابل درختوں کی سبزی تھی اور سیاہی کا محض مختصر سا نقطہ، اڑتا ہوا تنہا کوا، اس کا پریشان دل اور بھی سہم گیا تھا، کوؤں کی اڑتی ہوئی سیاہ ڈار کے بجائے فقط ایک تنہا کوا، انگریزوں کے عقیدے کے مطابق اکیلا کوا بدخبری کا مظہر ہوتا ہے۔

''اللہ خیر کرے۔'' اس کے ذہن میں ہلچل سی مچ گئی تھی، پھر اس نے زیر لب لاحول پڑھی، اپنا دھیان اس واہمے سے ہٹا لینے کے باوجود وہ

دیر تک اس اکیلے کوے کو نیلگوں آسمان کی بلندیوں میں بھٹکتا دیکھتی رہی اور ایک انجانی سی وحشت اس کے ذہن پر مسلط ہوتی چلی گئی، کچھ دیر وہ چلتی ہوئی بیڈ تک آئی تھی، بیڈ پر پڑا خوبصورت لباس اٹھاتے ہوئے وہ زیر لب ہم کلام ہوئی تھی۔

''نجانے رات کب ہوگی، ایک ایک لمحہ کئی کئی گھنٹوں کے برابر لگ رہا ہے۔'' اس نے پریشانی سے لب بھینچ لئے تھے۔

''یا اللہ باسل صاحب کی مدد کرنا، آئرہ میڈم خیر خیریت سے گھر واپس آجائیں، سب کچھ خیریت سے ہو جائے بس، میں شکرانے کے نوافل ادا کروں گی۔'' بیڈ پر دھپ سے بیٹھتے ہی اس نے پریشانی کے عالم میں اپنی آنکھیں بھی موند لی تھیں، چہرے پر تھکاوٹ اور افسردگی واضح طور پر عیاں تھی، پھر اس نے آنکھیں کھول کر گھڑی پر نظر دوڑائی تھی، چھ بجنے کو آئے تھے، پریشانی سے لب کاٹتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے ڈریس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا کروں؟ ساڑھے سات بجے منگنی کی رسم ہے، کیا ساڑھے سات بجے سے پہلے آئرہ میڈم آجائیں گی؟ باسل صاحب نے کہا تھا کہ منگنی کی رسم نو بجے کی جائے گی، مگر میڈم نے نجانے کیوں ساڑھے سات کا ٹائم رکھ دیا، میں کیا کروں؟ باسل صاحب سے کیسے بات کروں، یا اللہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گئی تھی، مسز درانی دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوئی تھیں اور سامنے بیڈ پر پریشان بیٹھی عشال کو دیکھتے ہی وہ لپک کر اس کی جانب بڑھی تھیں۔

''آئرہ بیٹا چ تم ابھی تک شاور لینے نہیں گئیں؟'' عشال نے بھیگی پلکیں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور جلدی سے کھڑی ہوگئی، مسز درانی اس کے نزدیک چلی آئی تھیں۔

''کیا ہوا ہے میری جان؟''

''مما میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کیا منگنی کی رسم تھوڑی آگے نہیں ہوسکتی؟''

''بیٹا میں نے اسی لئے تو نو بجے سے ساڑھے سات کا ٹائم بنایا تھا کہ جلدی سے رسم ہو جائے اور تم آرام سے آکر سو جاؤ، ریسٹ کرو، جتنی جلدی رسم ہو جائے گی اتنا اچھا ہے ناں؟''

''نہیں، آپ نو بجے کا ٹائم ہی رکھ دیجئے، میں ابھی تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں، سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، جیسا تم کو ٹھیک لگے، تھوڑی دیر آرام کرلو۔'' مسز درانی نے پیار بھرے لہجے میں کہتے ہی اس کے گال کو چھوا اور پھر کمرے سے باہر نکل گئیں، پرسکون انداز میں عشال نے لمبی سانس کھینچی اور بیڈ پر دھپ سے بیٹھ گئی، منگنی کی رسم کا ٹائم تو آگے بڑھ ہی گیا تھا، لیکن پریشانی اور خطرہ ابھی بھی اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔

☆☆☆

گھڑی رات کے آٹھ بجا رہی تھی، سٹنگ روم مہمانوں سے بھر چکا تھا، مسز خان اور آذان بھی سٹنگ روم میں موجود مسز درانی کے ساتھ محو گفتگو تھے، ناصر چچا دروازے میں کھڑے بے چینی سے لب کاٹتے ہوئے فون پر اس غنڈے سے بات کرنے میں گم تھے۔

''میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتا تب تک مجھے یقین نہیں آئے گا، اگر آئرہ واقعی تمہارے پاس ہے تو تمہیں تمہارے پیسے مل جائیں گے، ورنہ۔'' ناصر چچا دھمکی دیتے دیتے رک گئے تھے اور پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے

Dreaf Novels lovers

بولے تھے۔

''مجھے تمہارے ایم ایم ایس پر یقین نہیں ہے، جتنے مرضی ایم ایم ایس بھیج دو، پر جب تک خود تصدیق نہیں کروں گا تب تک مجھے یقین نہیں آئے گا۔'' ناصر چچا نے غصے سے پھنکارتے ہوئے فون کال کٹ کر دی تھی، غصے سے دانت بھینچے وہ مہمانوں کی جانب دیکھنے لگے تھے، اتنے میں ایس ایم ایس کی ٹون پر انہوں نے ایم ایم ایس دیکھا تو تصویر میں اس گندی سی جگہ پر قید آئزہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''یہ ناممکن ہے، لازمی...... لازمی اس نے آئزہ کو قید کرتے وقت یہ تصویر لی ہوگی، اب وہ صرف مجھے بلیک میل کر رہا ہے، پیسے بٹورنے کے لئے اچھا کھیل کھیل رہا ہے، آئزہ اس وقت گھر پر ہے، میں اس کی بات پر کیسے یقین کر لوں۔'' شش و پنج میں مبتلا ناصر چچا پریشانی کے عالم میں لب کاٹنے لگے تھے، ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا ایم ایس موصول ہوتے ہی وہ بے چینی کے عالم میں تیزی سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑے تھے۔

''بھائی صاحب!'' مسز درانی کی آواز نے ایک بار پھر سے انہیں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''جی!''

''کہاں جا رہے ہیں آپ؟''

''انسپکٹر احتشام کی کال آئی تھی، انہوں نے ان کڈنیپرز کو حراست میں لے لیا ہے، میرا ابھی جانا بہت ضروری ہے بھابھی، آخر کار آئزہ کا سوال ہے، وہ لوگ دوبارہ بھی یہ حرکت کر سکتے ہیں۔''

''لیکن انسپکٹر صاحب کو کنفرم ہے کہ وہ لوگ ہی کڈنیپرز ہیں؟''

''ہاں، ایکچوئیلی ان کے موبائل میں سے آئزہ کی کچھ تصاویر بھی ملی ہیں اور ابھی کچھ دیر پہلے مجھے بھی ان کڈنیپرز نے آئزہ کے کچھ ایم ایم ایس کیے تھے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ آئزہ ابھی بھی انہی کے قبضے میں ہے۔''

''لیکن آئزہ تو گھر پر ہے۔''

''جی بھابھی میں نے بھی انسپکٹر احتشام سے یہی کہا ہے، لیکن انہوں نے مجھے ارجنٹلی تھانے بلایا ہے، آپ بے فکر رہیں، میں منگنی کی رسم شروع ہونے سے پہلے ہی یہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''اوکے سی یو۔'' مسز درانی حیران کھڑی انہیں باہر جاتا دیکھتی رہی تھیں اور پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ دوبارہ سٹنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

ناصر چچا تیزی سے اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی اڑا لے گئے تھے، باسل نے موقع پاتے ہی جلدی سے گیٹ کی طرف دوڑ لگائی تھی، گیٹ کے باہر چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس نے ٹیکسی والے کو ناصر چچا کی گاڑی کا پیچھا کرنے کو کہا تھا۔

Digest Novels Lovers group

سوزِ عشق

افشاں علی

Digest Novels Lovers group

اتابک شاہ گیلانی نے آہستہ سے تحلیل کے ڈوپٹے کو ہٹاتے اس کے قریب آنا چاہا۔

"دور۔۔۔ دور رہو۔"

اسے اپنے قریب سے قریب تر ہوتا دیکھ وہ اپنے خشک پڑے ہونٹوں پر زبان پھیرتے بمشکل بول پائی تھی۔

اتابک شاہ نے اس کی بات کو سنی ان سنی کرتے نرمی سے تحلیل کی ٹھوڑی کو پکڑے اس کا چہرہ اُوپر کی طرف کیا، دونوں کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں تھیں۔

"یہ جو تمہاری آنکھوں میں حیرت، غصہ، ناراضگی اور ہلکا ہلکا سا ڈر ہے نا، میں اس کے بجائے ان آنکھوں میں اپنی محبت کا عکس دیکھنا چاہتا ہوں۔ ان آنکھوں میں جو چہرہ ہو وہ صرف و صرف میرا ہو، جو خواب ہو وہ میرے ساتھ جڑے ہوں، تمہارے دل کی دھڑکن میں صرف

ناولٹ

و صرف میرا ہی نام ہو۔"

اتابک شاہ گیلانی کے ہونٹ تحلیل کے کے قریب سرگوشی کر رہے تھے۔"

"تمہاری سانسوں کی خوشبو میرے دل کو بے چین کر رہی ہے۔ میری اُنگلیاں تمہارے چہرے کے نقش حفظ کرنا چاہتی ہیں۔ ہاں مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، میرے لمس میں صرف پیار ہوگا طلب نہیں۔ ٹھہراؤ ہوگا جبر نہیں، کیونکہ تم میری محبت ہو، پہلا عشق ہو جو قبولیت بن کر میرے روبرو ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ اس کے چہرے کی طرف جھکا اور ہاتھ بڑھائے اس کے چہرے کو چھو۔۔۔نے لگا۔

پہلے لرزتی پلکوں، آنکھوں کو پھر سُرخ پڑتے گالوں اور پھر کپکپاتے ہونٹوں کو۔

"تمہارے یہ سُرخ ہونٹ ہی اس وقت مجھے بہکانے کے لیے کافی ہیں۔" تحلیل کے

آٹھویں قسط

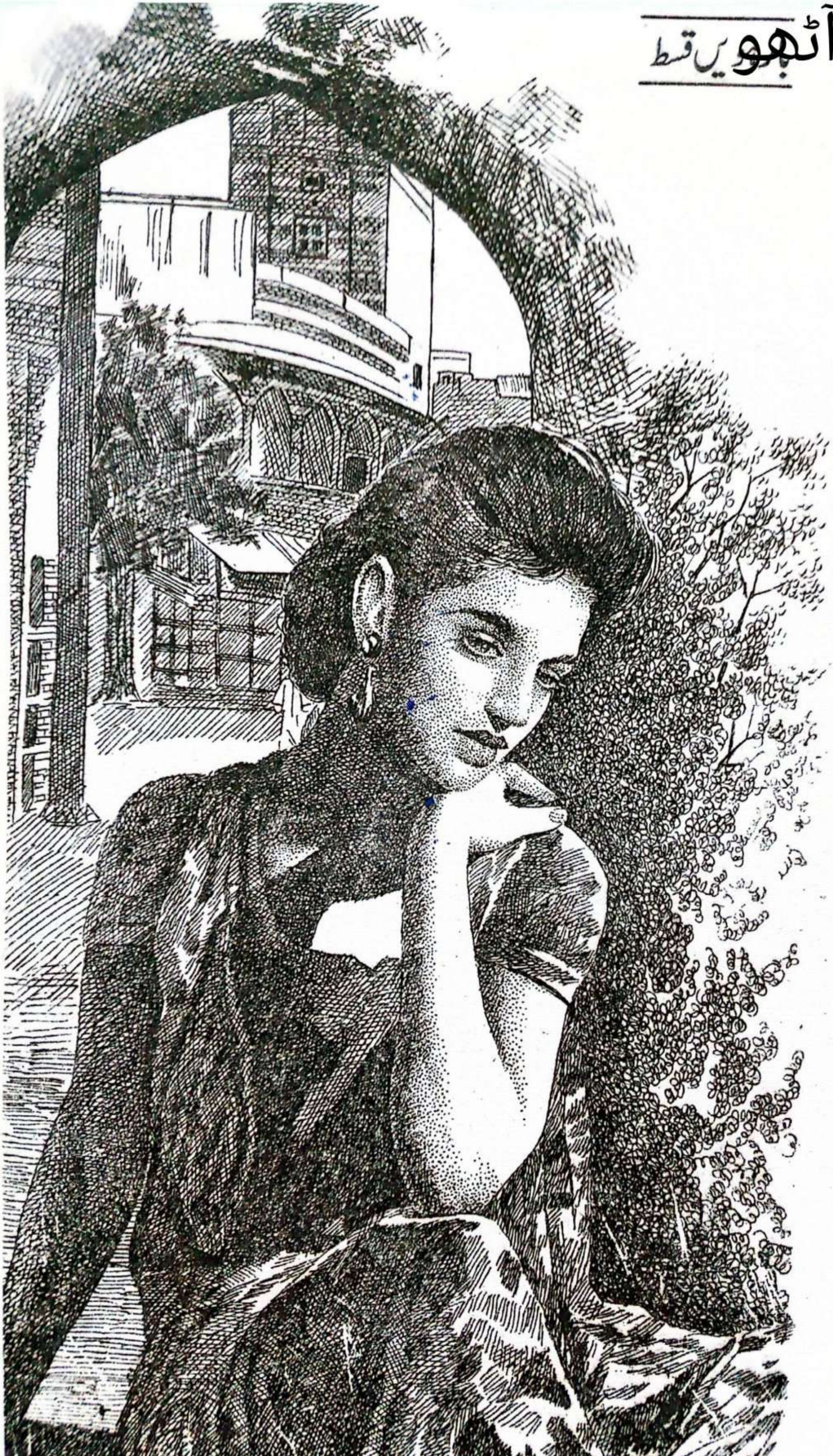

[illegible] اور انگوٹھے کو
پھیرتے ہوئے اتابک شاہ نے مخمور لہجے میں کہا تو وہ اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبائے ہولے سے سسکی۔

اتابک شاہ گیلانی کے لمس میں محبت، شدت، عقیدت، اپنائیت، ایک خماری و بے خودی سی تھی۔ اتابک شاہ نے جونہی اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھے تحلیل کو لگا جیسے کوئی دہکتا انگارہ سا اس کی پیشانی کو چھو گیا ہو۔

''میری محبت کی پہلی مہر، پہلا پاک لمس اور زندگی بھر کا ایک وعدہ ہے یہ، تمہارا ساتھ، تمہارا لمس، تمہاری قربت، جو مجھے نصیب ہو جائے تو یہ رات میری زندگی کی حسین صبح بن جائے گی۔''

اتابک شاہ نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹا اور اس کے پھولوں سے سجے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس کی شہ رگ کے قریب سرگوشی کی محبت بھری سرگوشی۔

''یہ لمحہ! یہ تمہاری خوشبو! تمہاری سانسوں کی روانی! سب کچھ میری روح میں اُتر رہا ہے کسی مشروب کی طرح، گویا تمہارا آنا میرے ادھورے وجود کی تکمیل ہے۔'' اتابک شاہ نے نرمی سے اس کا ملائم حنائی ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا۔

''تمہارے ان نرم ملائم ہاتھوں کی نرمی و گرمی میرے وجود کو پگھلا رہی ہے میرے دل کو بے تابی اور میری دھڑکنوں کو بے ترتیب کر رہی ہے۔ میں تمہیں چھو کر محسوس کرنا چاہتا ہوں۔''

''پلیز چھوڑیے، آپ۔۔۔پ۔''

بے ربط سے جملے ابھی تحلیل کے ہونٹوں سے مکمل ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ اتابک شاہ گیلانی نے اپنا بایاں بازو تحلیل کی کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے گویا اسے شکنجے میں جکڑ لیا۔

''آپ۔۔۔پ۔۔۔ میرے ساتھ اس طرح زبردستی نہیں کر سکتے ہیں۔''

اس کی قربت کا فسوں تھا یا شخصیت کا سحر کہ تحلیل غیر ارادی طور پر تم سے آپ پر آ چکی تھی۔

''آہاں میری سونی! میں تم سے کبھی زبردستی کر ہی نہیں سکتا بلکہ میں تو اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں کہ اتنے کم وقت میں تو صرف محبوب کا دیدار ہی بمشکل نصیب ہوتا ہے اور مجھے تو تم پوری کی پوری کی میسر ہوئی ہو۔ محبوب کا یوں مل جانا بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا اور میں اس نعمت کی ناقدری نہیں کرنا چاہتا۔''

یونہی اسے بازوؤں میں گھیرے اس کے نقوش کو محسوس کرتے، وہ اسے اپنی ہمراہی میں بیڈ تک لے آیا تھا۔

''بہت بُرے ہیں آپ'' وہ اس کی بڑھتی ہوئی جسارتوں پر مچلی۔

''اچھا ہوں یا بُرا ہوں جیسا بھی ہوں اب تمہارا شوہر ہوں اور تمہارے شوہر ہونے کے ناطے تمہارے اس سندر سجے سنورے سراپے کو سراہنا میرا اوّلین فرض و حق ہے۔''

شدتوں سے چور بھاری گھمبیر لہجہ تحلیل کی سماعتوں میں اُترا۔ اُس نے ایک بار پھر مزاحمت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ چوڑیوں سے سجی دونوں حنائی کلائیاں جو اس نے اتابک شاہ کو خود سے دور کرنے کے لیے اس کے چوڑے شانے پر رکھے اسے پیچھے کی اور دھکیلنے کی کوشش کی تھی اب وہی دونوں کلائیاں مضبوطی سے اتابک شاہ کے ہاتھوں کی گرفت میں قید تھیں۔

''پلیز!! آپ۔۔۔پ۔''

''ہش۔۔۔ش بہت بولتی ہو تم۔'' بے ساختہ وہ اس کے ہونٹوں کو نرمی سے خاموش کرا گیا۔

جبکہ تحلیل کو اب اپنی سانسیں ڈوبتی اُبھرتی سی محسوس ہونے لگی تھیں۔

تم نیند ہو تو سو کر گزاریں گے یہ حیات
تم رات ہو تو مجھ کو کہاں صبح کی طلب

☆☆☆

رات کی تاریکی ہر طرف اپنا قبضہ جما چکی تھی۔ حویلی کے در و دیوار پر سناٹے کا راج تھا، لیکن کسی کے دل میں نفرت کا طوفان کہیں زیادہ شور مچا رہا تھا۔

جہاں آرا، اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ چہرہ نفرت سے سرخ تو دل میں نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ جبکہ آنکھوں سے غصے سے سلگتے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

”ایک غریب ہاری کی بیٹی ہماری بھابھی بنے گی؟ یہ ناممکن ہے میں یہ شادی کسی قیمت نہیں ہونے دے سکتی۔“ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

نفرت و حسد نے اس کے اندر ایک سازش کو پروان چڑھایا اور پھر اپنے دو خاص آدمیوں کو بلا کر اپنا نفرت انگیز حکم جاری کیا۔

”اس معمولی ہاری کی دھی کو راتوں رات ایسے غائب کرو کہ گوٹھ میں لوگ اسے کیا اس کے نام کو بھی ہمیشہ کے لیے بھول جائیں، اس پہ ایسا دھبہ لگے کہ لوگ اس کے پیروں کے نشان پر بھی پتھروں کی بارش کریں اور کوئی اس کا نام لیوا نہ ہو۔“

مہندی والی رات ہی دو نقاب پوش آدمی رات کے تیسرے پہر حویلی کے عقبی حصے سے گوٹھ کے اندرونی کچے حصے کی طرف بڑھے۔

مومل اپنے کچے کمرے میں ہاتھوں میں مہندی اور آنکھوں میں آنے والی نئی زندگی کے خواب سجائے بے خبر سو رہی تھی۔ کسی معصوم سی

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابنِ انشا کے شعری مجموعے

آج ہی اپنے قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37310797, 042-37321690

digest library.com

مسکراہٹ کے ساتھ وہ کروٹ بدلتی تو کنوارے پن اور آنے والی نئی زندگی کے حسین رنگ اس کے چہرے پر یوں پھیلتے جیسے تقدیر آخری بار اسے چمکنے کا موقع دے رہی ہو۔

اچانک کمرے کا دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ سے کھلا مومل کی آنکھ کھلنے سے پہلے ہی ایک مضبوط ہاتھ نے اس کے منہ پر کپڑا رکھا، دوسرا ہاتھ اسے اُٹھا کر کندھے پہ ڈالے اندھیرے میں باہر نکلا۔ اس کی سسکیاں، اس کی ہچکیاں، سننے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ صحن میں بچھی چارپائیوں پر جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ماں باپ اور بھائی سو رہے تھے اب وہاں مردہ جسم ہی پڑے تھے۔ اس بے چاری کو تو نہ رونے کا موقع ملا نہ ہی ان کے آخری دیدار کا۔ بند ہوتی آنکھوں اور سن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ اپنے خواب، اپنے پیارے، اپنی عزت اور اپنی زندگی کو وہیں چھوڑ آئی۔

اندھیری رات میں بیل گاڑی کے پہیے مٹی پر چرچرا رہے تھے۔ شہر کا سفر طے ہوا۔

شہر کے پوش حصے میں، جہاں گلیاں سسکتی تھیں اور دیواریں چیختی تھیں، ایک اُونچے عالی شان کوٹھے کا دروازہ کھلا۔

''یہی جگہ ہے۔''

جہاں آرا کے آدمیوں نے مومل کو بے رحمی سے اندر کمرے میں لا پٹخا۔ گرنے کی وجہ سے وہ کچھ ہوش میں آئی اور اپنی غنودگی بھری بوجھل آنکھیں بامشکل کھول اُٹھنے کی کوشش کی۔

اندر سے ہنسی کی آوازیں، سازوں کی مدھم لے اور گناہ آلود خوشبوئیں استقبال کو موجود تھیں۔

تبھی ایک بھدی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے عجیب زرق برق سا لباس پہنا ہوا تھا مومل کے قریب آ کر اس کا چہرہ تھام کر زبردستی اُوپر کو اُٹھایا۔

''کیا نازک کلی ہے۔ چند دن میں خوشبو بھی بک جائے گی۔''

وہ عورت زوردار قہقہہ مارے خباثت سے بولی ''لڑکیو! نئی تجوری کی خاص حفاظت کرنا اور اچھے سے خیال رکھنا۔''

اس بھدی عورت نے کمرے سے باہر نکلتے کسی کو ہدایت دی جسے سن کر مومل نے اپنے چکراتے سر کو تھامے اُٹھنے کی کوشش کی۔

وہ سنبھلنے کی کوشش کرتی، دروازے کی طرف بڑھ مگر اس کمرے کے دروازے کی طرح اس کی قسمت کا دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔

سازش زمانہ نے ایسا ساز چھیڑا دل میں سوز اُٹھا
نفرت کی چنگاڑی تلے عشق کا شعلہ بجھا۔

✦✦✦

صبح کی کرنیں ابھی پوری طرح بکھری بھی نہ تھیں کہ گوٹھ میں ہلچل مچ گئی۔ ہاری، مزارے، سب ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

''مومل رات سے غائب ہیں۔''

''کہیں بھاگ تو نہیں گئیں؟''

''اب سائیں کیا کہے گا؟ مومل نے تو اپنے ساتھ ساتھ سائیں کی بھی عزت داؤ پر لگا دی۔''

ہر طرف بس سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ آخر یہ خبر ظفر تک بھی پہنچ گئی۔

مومل کا یوں راتوں رات لاپتہ ہونا جہاں اس کے گھر والوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا وہیں اک جوالا مکھی سا ظفر کے دل ودماغ میں پھٹ رہا تھا۔

''میں تو پہلے ہی کہتی تھی یہ معمولی سی ہاری کی دھی ہماری حویلی کے قابل ہی نہیں۔ بھلا کوئی

Digest Novels Lovers group

ایسے اپنے ویاہ سے دو دن پہلے بھاگتا ہے"

جہاں آراء نے اپنے بھائی کا اُترا چہرہ دیکھ کر گویا گرم لوہے پر چوٹ کی۔

موہل کا پہلے شادی سے انکار، پھر زبردستی ماننا اور اب یوں غائب ہونا جہاں آراء کی بات میں وزن پیدا کرنے کو کافی تھا۔ دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کو آپس میں جکڑ کر، اپنے سر کو جھکائے سوچوں میں اُلجھا بیٹھا تھا۔ فی الحال اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

جونہی آنکھیں بند کیں تو موہل کا خوبصورت معصوم چہرہ نظروں کے سامنے آ گیا۔

مسکراتی، شرماتی، خواب بنتی موہل اور پھر اچانک اندھیرے میں ڈوبتا وہی چہرہ۔

ایک بے نام سی خاموشی و ویرانی اس کے آس پاس بکھری تھی۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اپنے اندر اُٹھتے اُبال کو برداشت کر رہا تھا۔

محبت کے ساتھ ساتھ اس کی عزت بھی نیلام ہو اُٹھی تھی۔

وہ اندر ہی اندر بکھر رہا تھا۔ باہر اک شور تھا لوگوں کی باتوں کا، اشاروں کا مگر دل کے اندر جو طوفان اُٹھ رہا تھا اسے باہر کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ موہل کا یوں فرار ہونا گویا اس کی مردانگی پر اک طعنہ تھا۔

پورا دن وہ یونہی کمرے میں اپنی محبت کا ماتم کرتا اس کی سوچوں میں گم بیٹھا رہا۔ مگر پھر بُوا کے اصرار پر وہ زبردستی کمرے سے باہر نکلا۔

اب سائیں کیا کریں گے، پتا نہیں ویاہ بھی کرے گا یا نہیں؟

"ارے کیسی بات کر رہی ہو۔ وہ چھوری سائیں کی پسند تھی۔ اس کا یوں جانا سائیں کا تو ویاہ سے اب دل ہی خراب ہو جانا ہے۔"

بس وہ اک لمحہ تھا جو محبت پر غالب آ گیا۔ یہ جملے ظفر کے دل پر کسی آری کی طرح وار کر گئے اور اسی لمحے اس نے فیصلہ کیا، آخر کو وہ کیوں اور کس لیے ماتم کناں رہے، کیوں سوگ منائے۔ اور کیوں گوٹھ کے لوگوں کو اپنی ذات پر اُنگلی اُٹھانے کا موقع دے۔

اس نے اپنا ارادہ جہاں آراء کو بتایا کہ وہ مقرر دن پر ہی شادی کرے گا اور وہ بھی اس کی نند زہرہ سے ساتھ ہی اس نے دوٹوک لہجے میں صاف کہہ دیا اس بار کوئی مہلت نہیں۔۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔

جہاں آراء کی تو جیسے دلی مراد بر آئی۔

وہ خوشی خوشی لال حویلی اپنے بھائی کے رشتے کا پیغام لے کر لوٹی۔ لال حویلی والے جو یہ سمجھتے تھے کہ زہرہ طلاق یافتہ ہی مرے گی اس کا ویاہ تو اب ممکن نہیں کیونکہ ان کی برداری کا تو اب کوئی رشتہ نہیں تھا۔ ظفر کا رشتہ کہنے کو تو پہلے بھی آیا تھا مگر تب لال حویلی والوں کی آنکھوں میں زمان شاہ گیلانی کا وجود تھا اور اب اک بار پھر آنا انکار کی نہ گنجائش تھی نہ ان میں حوصلہ۔

لال حویلی کے کمرے میں جہاں آراء آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں موتیوں کا گجرا سجا رہی تھی۔

چہرے پر اطمینان اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کر لیے تھے۔ موہل سے شادی روک کر اس نے جہاں اپنے خاندان کی عزت بچائی وہیں اپنی نند کو اپنی بھرجائی (بھابھی) بنا کر لال حویلی میں اپنا مقام اور مضبوط کر لیا۔

اب لال حویلی پوری کی پوری اس کے ہاتھوں میں تھی۔

"اب یہ حویلی صرف و صرف جہاں آراء

Digest Library

ں ہے۔

آئینے میں خود کو فتح یاب دیکھ کر اس نے شاطرانہ طور پر خود کو آنکھ مار کر داد دی۔

مگر قسمت کے فیصلے جہاں آراء کی سازشوں سے کہیں بلند تھے۔ جہاں آراء لاعلم تھی کہ جو اس رات اس نے بویا وہ ایک دن ایسی آندھی لانے والا تھا جو اس کی زندگی کو ہلا کر رکھ دے گا۔

✦✦✦

کوثر اسے کمرے کے پاس چھوڑ کر واپس پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولتا اپنی شاندار سحر انگیز شخصیت کے ساتھ پورے اعتماد سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اور اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا سامنے پڑے بیڈ کی طرف دیکھنے لگا تھا جس پر سرخ گلاب کی پتیوں کی چادر بچھی ہوئی تھی اور بیڈ پر بیٹھا وہ نازک وجود عروسی لباس میں موجود تھا۔ اس کی نظر جیسے ہی اس لڑکی کے چہرے پر پڑی تھی اس کی بے نیازی جیسے لمحوں میں غائب ہوگئی تھی۔ وہ لڑکی تھی کہ کسی ماہر مصور کے ہاتھوں بنا حسن کا شاہکار۔ اس نے سُرخ رنگ کا لہنگا پہنا ہوا تھا۔ جس کا بھاری کام دار والا دوپٹہ طریقے سے سر پر ٹکایا گیا تھا۔ میک اپ کے استعمال نے اس کے حُسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا۔ ماتھے پر ٹیکا اور جھومر لگائے ناک میں بڑی سی نتھ پہنے وہ دلہنوں کا مخصوص رُوپ لیے نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ لڑکی بلاشبہ وہی تھی جو یہیں ایک بار پہلے بھی اچانک اس کی نظروں کے سامنے آکر غائب ہوئی تھی۔ وہ اس لڑکی کے حسین روپ میں بُری طرح اُلجھ کر رہ گیا اور ٹکٹکی باندھے خاموش کھڑا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جبکہ وہ جو کب سے سر جھکائے بیٹھی اپنی بے بسی پر خون کے آنسو روتے ہوئے اپنی آنکھیں موند کر دل ہی دل میں اس رب کے حضور اپنی عزت کی سلامتی کی دُعائیں کر رہی تھی۔

اس نے کچھ دیر پہلے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز بخوبی سنی تھی۔ کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اُس نے آنے والے کو اپنی بھیگی پلکیں اُٹھا کر دیکھا تھا اور اپنے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھ کر وہ حیرت سے ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ وہ اس شخص کو کیسے نہ پہچانتی۔ اس کے گوٹھ کا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو اسے نہ جانتا ہو۔ وہ بھی اس شخص کو نہ صرف جانتی تھی بلکہ اسے یہ بھی پتا تھا کہ اس کے سامنے کھڑا یہ شخص جو لال حویلی کا سپوت ہے، ہاں۔۔ یہ ہی شخص یہاں اس کے لیے نجات دہندہ کا رُوپ لے کر آیا ہے۔ گزشتہ دو دنوں میں مسلسل مانگی گئی دُعاؤں کی قبولیت بن کر آج اس کے سامنے آ کھڑا تھا۔ یہی تھا جو اسے اس جہنم سے نکال سکتا تھا۔ اس کے دل نے بے ساختہ کہا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وڈیرے کا سکتہ ٹوٹتا اور وہ اس کی طرف بڑھتا۔ وہ بنا کچھ سوچے سمجھے اس کے پیروں میں جا بیٹھی۔ اس حسین مورت کو اپنے قدموں میں بیٹھے دیکھ جس پر وہ سکتے سے باہر آیا اور بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

”خدا کے لیے رحم کریں سائیں۔۔ رحم کریں مجھ پر۔ اس دلدل سے مجھے نکال لیں۔ میں آپ کو واسطہ دیتی ہوں۔ آپ کی سب سے عزیز ہستی کا۔ مہربانی کر کے مجھے اس جگہ سے باہر نکال لیں۔ آپ کے نام کا خوف تو گوٹھ میں سب کے دلوں پر ہے۔ آج اپنے نام کا سکہ یہاں بھی چلا دیں۔ مجھے آزاد کریں یہاں سے۔ میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گی بلکہ میں گوٹھ ہی چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤں گی۔ میں

اچھی طرح جانتی ہوں یہ ترانہ بائی بھی آپ کے سامنے بھیگی بلی بن جائے گی۔ مجھے آج پہلی بار یوں پیش کیا گیا ہے نامعلوم آگے کیا ہو۔ میں جان دے دوں گی اپنی مگر میں اپنی عزت کا سودا کسی قیمت پر نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو اس سوہنے رب کا واسطہ دیتی ہوں مجھے بچا لیں۔ خدا کے واسطے سائیں مجھے بچا لیں۔"

اس کے پیروں میں گری وہ روتی گڑگڑاتی چاندی جیسے رنگ والی لڑکی مکمل دُلہن کے لباس میں سجی اس کوٹھے کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ جو اس کے دل پر پہلی ہی نظر میں پوری طرح قابض ہو گئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پیروں میں بیٹھی یہ حسین مورت کون تھی؟ لیکن ہاں اسے اتنا ضرور پتہ چل چکا تھا کہ یہ لڑکی انجانے میں نہ صرف ترانہ بائی کے کوٹھے پر لائی گئی بلکہ اب ترانہ بائی اسے زبردستی کوٹھے کا "ہیرا" بنا کر قیمت وصول کرنا چاہتی تھی۔ وہ حسین مورت نہ صرف اپنے وجود کی سحر سامانیوں کے ساتھ وڈیرے کے دل کو لوٹ رہی تھی بلکہ اس کے چہرے پر چھائی معصومیت نے بھی اسے اپنے ساتھ باندھ لیا تھا۔ اس نے اپنے پیروں میں بیٹھی اس نازک دلہن کو اُٹھایا۔

میں نہیں جانتا تم کون ہوں؟ مگر تم جب اس کام کے خلاف ہو تو یہاں کیا کر رہی ہو؟ کون لایا تمہیں یہاں؟

اس کی رُعب دار بھاری آواز پر نم پلکیں اُٹھیں۔ میں مومل ہوں سائیں۔ گوٹھ میرا گیلانی ہے۔ اور میرا ویاہ ہونا تھا وڈیرانی جہاں آراء کے بھائی سے۔

اس حسین مورت کے تعارف پر تو جیسے وہ ششدر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید حیرت اُتر آئی تھی۔

"تم ہو وہ لڑکی جس سے ظفرو کا ویاہ تھا؟ مگر تم ویاہ چھوڑ کر بھاگی کیوں اور گوٹھ سے اس کوٹھے پر کیسے پہنچیں؟؟"

اب سائیں کی آواز میں حیرت کے ساتھ تجسس بھی تھا۔ مومل نے کرب سے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے سائیں کو دیکھا۔

"سائیں! اس سوال کا جواب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ بس اتنا جانتی ہوں کسی دشمن کی سازش تھی جو نہیں چاہتا تھا کہ میرا ویاہ ہو، آج آپ نے مجھے نہیں بچایا تو یا تو میں مر جاؤں گی یا پھر نا کام ہوئی تو ساری زندگی یوں ہی گزر جاتی اس گندے دلدل میں بے گناہ سزا کاٹتے ہوئے۔"

روتے ہوئے اس نے ہچکی لی اور یہ ہی وہ لمحہ تھا جب اس نے فیصلہ کیا۔

آج زندگی میں پہلی بار عائشے گل نے اپنے لیے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا۔ کسی سے کچھ مانگا تھا۔ وہ سیدھا اس کمرے سے باہر نکلا اور اور مرکزی کمرے میں چلا آیا جہاں ترانہ بائی آج کی محفل برخاست کرنے کی بے وجہ تاویلیں پیش کرتے ہوئے آئے ہوئے مہمانوں کو اگلے دن پر ٹال رہی تھی۔ وہ کمرے میں لائن سے پڑے صوفوں میں سے ایک صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے پُرسکون سا آ بیٹھا اور پھر جو ہی سب رُخصت ہوئے اس نے ترانہ بائی کے سامنے اپنا مطالبہ رکھا جسے سُن کر وہ دنگ رہ گئی۔ اس نے جانچتی نظروں سے اپنے سامنے پُوری شان سے بیٹھے اس شہزادے کو دیکھا تھا جو اس کے کوٹھے کے سب سے قیمتی "ہیرے" طلب گار بنا بیٹھا تھا۔

"بیس لاکھ۔"

پہلی بولی لگائی تھی۔ اتنی بڑی قیمت سُن کر

DigestLibrary.com

ترانہ بائی کی باچھیں کھل گئیں، لیکن اس نے اپنے تاثرات کمال ہوشیاری سے چھپا لیے تھے۔ وہ جانتی تھی اس انسان کا اگر اس پر دل آ ہی گیا ہے تو وہ اسے کسی بھی قیمت پر حاصل کر کے رہے گا۔ اسی لیے اس اس وقت یہ کھیل بہت سوچ سمجھ کر کھیلنا تھا۔ تا کہ وہ اس موقع کا بھرپور فائدہ اُٹھا سکے۔

سرکار!! یہ لڑکی میرے کوٹھے کا کوہ ''نُور'' ہے اور اسے پہلی بار آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اب تک اس لڑکی کو کسی نے ہاتھ لگانا تو دور کی بات، دیکھا تک نہیں۔

سامنے بیٹھا شخص جانتا تھا کہ اتنے بڑے کوٹھے کو چلانے والی یہ عورت اس کھیل کی ماہر ''کھلاڑی'' تھی۔ وہ اتنی آسانی سے اپنے جال میں پھنسی اس بیش قیمتی مچھلی کو نکلنے تو نہیں دے گی۔ وہ اتنی سی ''رقم'' کے لیے تو اس ''نور'' کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مزید رقم کا مطالبہ ضرور کرے گی اس لیے اس نے اپنی رُعب دار آواز میں ایک بار پھر بولی لگائی۔

''پچاس لاکھ'' اس کی سرد گرج دار آواز پورے روم میں گونجی تھی۔

''سرکار وہ۔۔''

ترانہ بائی متذبذب سی بولنے ہی لگی تھی۔

دوبارہ اس کی بھاری آواز گونجی۔

''ایک کروڑ۔۔۔'' اور اس بار ترانہ بائی کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ بھول گئی تھی کہ وہ لال حویلی کا سپوت سکندر شاہنواز جونیجو تھا۔ اپنے گوٹھ کا وڈیرا جس کے سامنے گوٹھ کا کوئی مرد بھی آنکھ اُٹھا کر بات کرنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ مگر آج وقت اسے کس موڑ پہ لے آیا تھا کہ وہ گوٹھ کی ہی اک لڑکی کے لیے بازارِ حُسن میں بیٹھا اس کی قیمت لگ رہا تھا جسے وہ اک اشارے پر اپنے ہمراہ لے جا سکتا تھا۔

اور پھر اس شہزادے کی سرد اور ٹھہری ہوئی آواز سے وہ چونک کر ہوش کی دنیا میں آئی ''میں چاہوں تو ابھی ہاتھ پکڑ کر اسے یہاں سے لے جاؤں مگر میں نے تمہیں تمہارے مطالبے اور تمہاری اوقات سے بھی بڑھ کر پیسے دینے کی بات کی ہے تو اب سمجھ جاؤ یہ لڑکی مجھے کتنی ضروری ہے۔

اب جلدی سے جاؤ اور میرے اس کے نکاح کی تیاری کرو۔ میں اسے اپنے ساتھ پوری عزت سے لے کر جانا چاہتا ہوں۔

''سائیں! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ گوٹھ کے وڈیرے اور اتنی بڑی حویلی کے وارث ہیں۔ آپ ایک معمولی لڑکی سے شادی کریں گے؟؟'' جس کے آگے پیچھے کا کچھ اتا پتا نہیں مجھے۔

''[illegible] وڈانی کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوں گی۔''

''میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا۔ میں جب ایک بار فیصلہ کر لوں تو اپنے بابا سائیں کی بھی نہیں سنتا۔ تمہارا منہ بند رکھنے کی قیمت میں بتا چکا ہوں۔ اب منہ کھلا تو بولنے کے لیے زبان نہیں بچے گی۔ اب جاؤ اور جلدی سے نکاح کی تیاری کرو مجھے آدھے گھنٹے بعد جانا ہے۔''

وہ اپنی بات پر بضد تھا تب ہی بگڑ کر بولا دو ٹوک لہجے میں بولتا۔ اسے چپ کروا گیا۔ خوبصورت چہرے و جسم اس نے بہت دیکھے تھے۔ جہاں آراء کی تیز طرار زبان سے تنگ آ کر وہ اکثر یہاں آ کر دل کو بہلانے کو وقتی سکون حاصل کرتا۔ مگر اس لڑکی میں نجانے ایسی کیا خاص بات تھی کہ اس پر پہلی نظر ڈالتے ہی سکندر

digest library.com

شاہنواز کی پوری ہستی موبل کے سامنے سرنگوں ہو گئی تھی۔

نکاح ہوتے ہی اس نے حیران پریشان سن بیٹھی موبل کا ہاتھ آہستگی سے تھاما اور اسے لیے پوری شان سے گردن اُٹھائے اپنی مغرور چال چلتا اس کوٹھے کی دہلیز پار کر گیا۔ جبکہ موبل کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے ساتھ گھسیٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی اور پیچھے کھڑے سبھی لوگ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے ان دونوں کو جاتے دیکھ رہے تھے۔

بادل چھائے تھے، جیسے آسمان بھی اس جُدائی پر سوگوار ہو۔ شام کی مدھم روشنی میں اپنا ہی گھر کچھ اور بھی ویران لگ رہا تھا۔ شام کی خنکی میں جیسے اک اَن کہی اُداسی رچی ہوئی تھی۔ حویلی کے در و دیوار یوں سسک رہے تھے۔ گویا وہ بھی جانتے تھے کہ اس حویلی کے مالکان آج ہمیشہ کے لیے رُخصت ہو رہے ہوں۔ صحن میں پرانا نیم کا پیڑ بھی خاموش تھا اور اس کے پتے ہولے ہولے جیسے الوداع کہہ رہے ہوں۔

عزیز لغاری کھلے وسیع صحن میں بوجھل دل لیے کھڑا تھا۔ نگاہوں میں ماضی کی دُھندلی تصویریں تیر رہی تھیں۔ جبکہ اس کی والدہ کی نگاہیں اس کے چہرے پہ یوں جمی تھی جیسے اس کے چہرے کو تاعمر کے لیے اپنی آنکھوں میں قید کر رہی ہوں۔

جانے سے پہلے عزیز لغاری نے اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے ہاتھ چومتے اک الوداعی محبت پاش نظر حویلی پہ ڈالی، ہر اینٹ، ہر در و دیوار اس کی کہانی سے واقف تھے۔

''بیٹا! جانا ضروری ہے؟'' لب ہلے مگر سوال لبوں پر آ کر ٹھہر گیا۔

''اپنا خیال رکھنا۔''

جی اماں اور اب آپ کو ہی اپنا اور سب کا خیال رکھنا ہے۔ میرا جانا ضروری ہے وقت کا تقاضا بھی ہے اور یہ ہی شاید قسمت کا فیصلہ۔''

اکلوتی لاڈلی بہن مہر بانو بھی وہی دل میں ڈر، آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر چُپ سجائے پاس ہی کھڑی تھی۔

''تم نیانی ہو، دعا کرنا، میں انشاء اللہ ضرور لوٹوں گا۔ آخر کو تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے۔'' مسکراہٹ سنائے بہن کے سر پر ہاتھ رکھے اس نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

جبکہ چھوٹا بھائی نذیر لغاری جو ہمیشہ اس کے پیچھے پھرتا تھا، آج دیوار سے لگا ہوا تھا جیسے اس کے کاندھوں پر وقت سے پہلے کوئی بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔

''اماں کا خیال رکھنا اور خود کو سنبھالنا۔ اب تم ہی اس گھر کے بڑے اور مردِ خانہ۔''

عزیز لغاری نے آخری بار حویلی کو دیکھا۔ آنکھوں میں نمی اور دل مین درد کی اک لہری اُٹھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک تپش تھی۔ بچھڑنے کی، جلنے کی اور شاید پلٹنے کی بھی۔

کہنے کو دشمنوں کی غلط فہمی اور کسی کی سازشوں نے اس کی جڑیں کاٹی تھیں اور وہ اس زمین پر رہ کر بھی بے زمین ہو چکا تھا۔

اپنوں کی جانیں بچانے کی خاطر اسے وہ فیصلہ کرنا پڑا جس سے ہر محب وطن کا دل کانپتا ہے۔ اپنے وطن، اپنے شہر کو خیر باد کہنا۔

وہ اُن سب کو دوسرے شہر کی محفوظ پناہ گاہ میں چھوڑ آیا تھا، مگر خود دشمنوں کے سائے اتنے لمبے ہو چکے تھے کہ ملک چھوڑنا اُس کے لیے ناگزیر ہو چکا تھا۔

قدم پیچھے ہٹتے گئے اور عزیز لغاری دور ہوتا

گیا۔ اپنے ہی آنگن سے، اپنے گوٹھ، اپنی مٹی اور اپنوں سے۔۔

ہوائی جہاز کی کھڑکی سے نیچے پھیلا ہوا شہر عزیز لغاری کو بے رنگ اور بے روح سا لگا۔ نئی سرزمین، نئے چہرے، نئی زبان مگر دل میں ایک ہی دھڑکن، ایک ہی درد۔ جیسے اُس کے وجود کا آدھا حصہ وہیں پیچھے رہ گیا ہو۔ ماں کی نم آنکھوں میں، بہن کے لرزتے لہجے میں اور بھائی کی خاموش نگاہوں میں۔

امیگریشن کی قطار میں کھڑا وہ بار بار پیچھے مڑ کر اپنوں کو دیکھنے کی خواہش کو دباتا۔ کیونکہ پیچھے اب سوائے یادوں کے، کچھ ان دیکھے زخم اور نامکمل خواب کے سوا کچھ نہ تھا۔

ایئرپورٹ سے باہر نکلا تو ٹھنڈی ہوا نے اُس کے چہرے کو چھوا، جیسے کوئی اجنبی اسے خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ مگر وہ لمس اپنائیت سے خالی تھا۔

سڑکیں کشادہ تھیں، لوگ مصروف، مگر عزیز لغاری کی دنیا جیسے ساکت ہو چکی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر جب وہ نئے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوا تو کھڑکی سے گزرتے مناظر دُھندلے ہو گئے۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تو زہرہ کا ساکن چہرہ، ننھی کلی کی بند آنکھیں، ماں کی دُعائیں، بہن کی نم آنکھیں اور بھائی کی وہ خاموشی تیر رہی تھی۔ ہر منظر میں وہی اپنا شہر، اپنی حویلی اور وہی گوٹھ کی گلیاں جھلک رہی تھیں۔

”یہ ہجرت نہیں۔ ایک سزا ہے۔“ عزیز لغاری نے دل ہی دل میں کہا اور آسمان کی طرف نظریں اُٹھا دیں۔

”پر میں لوٹوں گا۔ ضرور لوٹوں گا، اس دن جب یہ زمین میری ہوگی اور دشمنوں کا غرور خاک ہو چکا ہوگا۔“

اس نے اپنے برابر سیٹ پہ موجود اس وجود کو دیکھا تو ایک باری سینے میں جلتی ہوئی راکھ تلے ایک چنگاری زندہ سی ہو اُٹھی۔ اُمید کی، واپسی کی اور کہیں نہ کہیں اپنے انصاف کی۔

✦✦✦

اس نے ابھی مکمل آنکھیں بھی نہ کھولی تھیں کہ آس پاس بکھرے گلابوں اور موتیا کے پھولوں کی مہک نتھنوں سے ٹکراتے ہوئے اس کے دماغ میں دستک دیتی اسے ہوش وحواس میں لانے لگی۔ اس نے جمائی لیتے جونہی اپنے برابر میں لیٹے وجود کو دیکھا تو ایک جھٹکے سے نیم وا آنکھیں پوری طرح نہ صرف کھل گئیں بلکہ گزشتہ رات اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے حواس بحال کر گئی۔ وہ اُٹھنے کو تھی کہ اتابک شاہ گیلانی نے اپنا رُخ اس کی طرف موڑا۔

”نئی زندگی کی پہلی صبح مبارک ہو میرے دل کی ملکہ!“ لہجہ محبت بھرا تھا تو انداز بھی اتنا ہی پرحدت۔ جبکہ روم کا ماحول اے سی کی بدولت خنک دار تھا۔

وہ تحلیل کی طرف جھکے اس کے گال پہ شدت بھری جسارت کر چکا تھا اور اب اس کے ہونٹوں کو اپنی نظروں میں فوکس کیے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اپنی قربتیں ظاہر کرتا تحلیل نے اک جھٹکے سے اُٹھتے ہوئے اسے خود سے دور کیا۔

”جسٹ انف، پلیز نو مور۔“

مقابل کی آنکھوں میں سوالیہ نشان دیکھ کر اسے اپنے کہے گئے جملے کا ادراک ہوا جو وہ روانی میں انگلش میں ہی کہہ گئی تھی۔

”میرا مطلب ہے دور رہو پلیز۔“

اس نے اپنے اردگرد کمبل لپیٹتے ہوئے قدرے روکھے پن سے کہا ”اب سے تو تم پوری کی پوری میری دسترس میں ہو۔ تم پہ میرا اختیار

بھی ہے اور اب سے تو پورا پورا حق بھی حاصل ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں ابھی پھر سے اپنی بانہوں میں لپیٹ کر سو جاؤں۔"

وہ قدرے اس کے قریب ہوا۔ اس کی لو دیتی آنکھیں اور خمار آلود لہجے نے اسے سٹپٹانے پر مجبور کیا۔ اتابک شاہ کی کہی بے باک بات پر اس کے عارض سرخی جھلکانے لگے۔

"مگر خیر جانے دو ابھی۔ اب سے تو تم بھی یہیں ہو ساری زندگی ہی تمہیں بانہوں میں سمیٹے سونا اور جاگنا ہے۔"

للی کے چہرے پر گہری نظریں جمائے گھمبیر لہجے میں بولتے ہوئے وہ اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے لطف اندوز ہوا۔

"سنو! مجھے کوئی ایسی ویسی کمزور سی لڑکی مت سمجھنا۔ میں اپنی پہ آؤں تو دنیا ہلا سکتی ہوں۔"

للی نے دل کی اتھل پتھل کو نظر انداز کرتے خود پر قابو پاتے اپنے لہجے کو مضبوط ظاہر کیا۔

"بالکل تم دنیا ہلا سکتی ہو۔ بلکہ تہہ و بالا کر سکتی ہو۔ جیسے میرے دل کی دنیا تم نے اک لمحے میں تہہ و بالا کر دی۔ تم واقعی کچھ بھی کر سکتی ہو۔" اپنی بات کہہ کر وہ اک بار اس کی طرف بڑھا۔ تبھی دروازے پر ہونے والی دستک کا فائدہ اُٹھا کر للی تیزی سے بیڈ سے اُٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس ہی رکھے اپنے سوٹ کیس میں سے اپنے کپڑے سلیکٹ کر کے واش روم میں گھس گئی۔ جی کیا کام ہے؟ اتابک شاہ نے وہی بیڈ پر کسلمندی سے لیٹے لیٹے پوچھا۔

"سائیں! اماں جیجل آپ کو اور (دلہن) کنوار بی بی کو نیچے ناشتے کے لیے بلوا رہی ہیں۔"

ملازمہ نے بند دروازے کے پیچھے سے اپنا پیغام دیا۔

"ٹھیک ہے ہم لوگ آ رہے ہیں۔"

دروازے کھولے بغیر اُس نے جواب دیا اور اُٹھ کر الماری سے اپنے پہننے کے لیے کپڑے دیکھنے لگا۔

تحلیل جب تک فریش ہو کر واش روم سے باہر آئی اتابک شاہ بھی اپنے کپڑے سلیکٹ کر چکا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ والا ہینگر تھامے جونہی وہ مڑا تحلیل کو دیکھ کر ایک لمحے کو وہ چونکا۔ بلیک سلک کی شرٹ پر آف وائٹ بیگی پہنے گیلے بالوں میں ہاتھ چلاتی کافی بولڈ سا لک دے رہی تھی وہ۔

(باقی آئندہ)

ابنِ انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح سفرنامے
- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلیے
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

Digest Novels Lovers group

حدیث نبوی ﷺ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''رات گئے قصہ کہانیوں کی محفلوں میں نہ جایا کرو کیونکہ تم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کس کس کو کہاں کہاں پھیلایا ہے اس لئے دروازے بند کر لیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو، برتنوں کو اوندھا کر دیا کرو اور چراغ گل کر دیا کرو۔''

(بخاری، الادب المفرد)

لائبہ رضوان، فیصل آباد

اقوال حضرت علی المرتضیٰؓ

- اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔
- اللہ پاک کے نزدیک وہ غلطی جو تمہیں تکلیف دے اچھی ہے، اس خوبی سے جو تمہیں مغرور بنا دے۔
- معافی دینے کا حق اسی کو ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے پر قادر ہو۔
- جب عقل پختہ ہو جاتی ہے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔
- جو تم کو بری بات سے ڈرائے وہ تم کو خوشی کی بشارت دیتا ہے۔

عفرا ثاقب، جہلم

ایوان صدر

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سادگی، قناعت پسندی اور عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے ایک مرتبہ ایک غیر ملکی وفد آپؓ سے ملنے آیا آپؓ کا خادم انہیں شہر سے باہر لے گیا، آپؓ اس وقت حسب معمول دوپہر کے کھانے کے بعد ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے وہ لوگ آپ کے خادم سے کہنے لگے۔

''ہم آپ کے خلیفہ سے ملنے آئے ہیں۔''

اس شخص نے جواب دیا۔

''یہ ہیں ہمارے خلیفہ اور جہاں آپؓ آرام فرما رہے ہیں یہ ہی جگہ ہمارا ایوان صدر ہے۔''

شازیہ ثمن، جھنگ

آپ بھی سنیے

- کچھ لوگ ہوا کی مانند ہوتے ہیں چپکے سے زندگی میں آتے اور چپکے سے زندگی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔
- انسان کو فنا ہے لیکن محبت کو نہیں، تو کیا مرنا محبت کے لئے اختتام کا نام ہے؟
- محبت پربتوں کے دامن سے پھوٹنے والے چشمے کی طرح اپنی سمت اور اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے لیکن کچھ محبتیں درگاہ پہ تقسیم ہونے والی نیاز کی طرح ہوتی ہیں جنہیں خالی ہاتھوں سے اپنے قدموں پہ خود چل کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔
- کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں، اچانک ہی دل کے مندر میں گھنٹیوں کی طرح بجنے لگتی ہیں۔
- محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔

○ اتنے غلط انسان نہیں ہوتے جتنے غلط رویے ہوتے ہیں۔

○ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔

○ کچھ لوگوں کو اپنی نفرت پر بڑا مان ہوتا ہے تو سنیے! نفرت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے اور آنکھوں کے پردوں پر چھپی ہوئی چاہت اپنے پروں کو کھول کر جھلملانے لگے، لہٰذا مان اس پہ کرو جو قابل بھروسہ ہو۔

○ کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو، ورنہ وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

سعدیہ احسن، لاہور

اختیار کی ایک کوشش

اگر بن میں رہنا مقدر ہے
اور یہ ایک طے شدہ امر بھی ہے
کہ ہر بن میں بس بھیڑیے منتظر ہیں مرے
تو یہ سوچتی ہوں
کہ اس صورت حال میں
کیوں نہ پھر!
اپنی مرضی کے جنگل میں جا بسوں!

نازیہ عمر، پشاور

یہ کھلا

دل نعمت ہے یا گھر موت کا ہے
کچھ بھی لیکن ات ڈر موت کا ہے
جسے سفر زیست جان کر طے کیا ہم نے
طے کر کے پھر کھلا یہ سفر موت کا ہے

نبیہ طارق، کراچی

برجستگی

تیمور لنگ نے سمرقند فتح کیا تو مال غنیمت میں دوسری چیزوں کے ساتھ کچھ خواتین بھی آئیں ان میں ایک اندھی عورت بھی تھی، جب اسے تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''دولت۔'' عورت نے جواب دیا۔

تیمور ہنس کر بولا۔

''دولت اندھی بھی ہوتی ہے کیا؟''

عورت نے برجستہ کہا۔

''اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو تم جیسے لنگڑے کے گھر کیوں آتی۔''

عاصمہ سلیم، ملتان

وہ لفظ جو دل پہ اثر کریں

☆ لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور نہ ہی زمین پر اترا کر چل کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔

☆ کوئی تم سے بے اعتنائی سے پیش آئے تو جواباً اس سے محبت سے پیش آؤ اپنے رویے کی مٹھاس سے اس کو شرمندہ کرو۔

☆ پیار سے کہی گئی ایک بات نفرت اور غصے سے کہی گئی سو باتوں سے بہتر ہے۔

☆ محبت اور خدمت نہ ہوتو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔

☆ دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتی دل کے گرد بھی ہوتی ہیں، کئی خواب کئی خیال ان ہی میں قید رہ جاتے ہیں۔

ناصر حسین، خانیوال

بیاض

تسنیم طاہر

Digest Novels Lovers group

لائبہ رضوان — فیصل آباد

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتا ہوں تو اندیشۂ رسوائی ہے
دیکھتا ہوں تو ہزاروں سے شناسائی ہے
سوچتا ہوں تو وہی غم وہی تنہائی ہے

....

پہاڑ اپنی جگہ ساکت کھڑا ہے
مگر یہ جبر بھی کتنا کڑا ہے
میں اس سے روٹھنا چاہوں بھی کیسے
کہ وہ میرے لئے مجھ سے لڑا ہے

....

کسی نے دی نہیں آواز مجھ کو
مگر پھر بھی یہاں رکنا پڑا ہے
بہت چاہا مگر کب مانگ پائی
کہ وہ میری دعاؤں سے بڑا ہے

عفرا ثاقب ---- جہلم

شہر کراچی یاد ہے تجھ کو
تیرے شب بیداروں میں
مرزا سا چغتائی بھی تھا
یار ہمارا یاروں میں

....

میری خطا پہ سنگ زنی کیجیے مگر
اپنے گناہ تول کر پتھر اٹھایئے

....

پھر دیے رکھ گئیں تیری پرچھائیاں
آج دروازہ دل کو کھلا دیکھ کر
اس کی آنکھوں کا ساون برسنے لگا
بادلوں میں پرندہ گھرا دیکھ کر

شازیہ ثمن ---- جھنگ

پھر کون بھلا داد تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں
میں سنگ صفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

....

کسی بھی بات پر اب بھیگتی نہیں آنکھیں
کہ اپنا حال بھی سوکھے چناب جیسا ہے
کسے سناؤں میں اس دل کی داستاں واثق
شب فراق کا ہر پل عذاب جیسا ہے

....

تھی جاں بہت عزیز مگر درد درد تھا
حد سے بڑھا جو درد تو جاں سے گزر گئے
تقدیر کا یہ حسن توازن بھی خوب ہے
بگڑتے نصیب اپنے کسی کے سنور گئے

فاطمہ خان ---- لاہور

پھولوں کے نشیمن میں رہا ہوں صدا سے
دیکھو کبھی خاروں سے میرا ذکر نہ کرنا
وہ میری کہانی کو غلط رنگ نہ دے دیں
افسانہ نگاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

....

نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہیں چوٹیں اکثر
دوستی ایک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

....

دل میں نہ کبھی جھانکا نہ مساکین کو دیکھا
تسبیح کے دانوں میں خدا ڈھونڈ رہے ہیں

نازیہ عمر ---- پشاور

یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

....

کتنے ستم ظریف ہیں یاران خوش مذاق
آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

....

ہوئے جاتے ہیں کیوں غم خوار قاتل
نہ تھے اتنے بھی دل آزار قاتل
مسیحاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل
نبیہ طارق ---- کراچی
ہر اک شہر کا ماحول ایک جیسا ہے
تو اس دیار میں کتنے مکان بدلے گا

....

آخری بار ملاقات کی حسرت ہے مگر
تم سے کچھ اس کے سوا اب نہیں کہنا مجھ کو
مجھ کو جاتے ہوئے آواز نہ دینا ہرگز
دیکھنا اور فقط دیکھتے رہنا مجھ کو

....

کی تھی محبت میں نے سکون دل کے لئے
وہ سینے میں اٹکا رہا چبھن کی طرح
بڑھائے تھے میں نے قدم روشنی کے لئے
وہ جلاتا رہا مجھے بس اگن کی طرح
عاصمہ سلیم ---- ملتان
میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گم شدہ میری

....

ہمارے دل بہت زخمی ہیں لیکن
محبت سر اٹھا کر جی رہی ہے

....

اب تو تنہائی کا یہ عالم ہے فراز
کوئی ہنس کر بھی دیکھے تو محبت کا گماں ہوتا ہے
ناصر حسین ---- خانیوال
وہ جس کا ضبط تھا بلند پربتوں کی طرح
کسے خبر تھی روئے گا اک دن بادلوں کی طرح
جانے کیوں گریزاں ہیں مجھ سے احباب میرے
میں تو مخلص تھا ماں کی دعا کی طرح

....

آنکھیں مصروف ہو جاتی ہیں بھلا دیتے ہیں لوگ
دور بہت دور نکلتے ہیں منزلیں گنوا دیتے ہیں لوگ
دست طلب اٹھا کے مانگتے ہیں محبت خدا سے
جو ہو دسترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ

....

جگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا
کچھ اس لئے بھی میں اسے ضرور مناؤں گا محسن
کہ پھر سے روٹھنے والا بھلا نہ دے مجھے

....

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل مگر سوال تیری زندگی کا تھا

....

تمہیں خبر ہی نہیں کہ کوئی ٹوٹ گیا ہے
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے
افشاں اشرف ---- عارف والا
نہیں آتی نیند بھی موت بھی چین بھی
نہیں آتا وہ بھی کچھ دنوں سے
ہلکا ہو گیا آج جی بھر کے رونے سے
بہت بوجھل تھا جی پچھلے دنوں سے

....

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی تو اس طرح گزرتی نہیں

....

بارش سے کھیلتی رہیں پختہ عمارتیں
بجلی گری تو شہر کے کچے مکان پر
شہناز یہ نواب ---- علی پور
غم وہ سفاک ستم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اتر کے بس جائے
زندگی وہ اداس جوگن ہے

digest library.com

حنا کی محفل

عین غین

Digest Novels Lovers group

عائشہ رانا ---- سانگھڑ

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟

ج: تم کیا کر رہی ہو۔

س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟

ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔

س: اب بتا بھی دیں؟

ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔

س: آپ عید الاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔

س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔

ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔

س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟

ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

تسکین حیدر ---- سیالکوٹ

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔

ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔

س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟

ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔

س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟

ج: پی جی ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔

س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟

ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔

س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟

ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

سنبل انجم ---- دیپالپور

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟

ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور "گرل" کا بھائی آ جائے۔

س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟

ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔

س: سکون کی تلاش؟

ج: اپنے اندر تلاش کرو۔

س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟

ج: کون کہتا ہے

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

ایسی حالت

بیکر کا انگوٹھا زخمی ہو گیا، وہ اپنے ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے انگوٹھے کو دیکھ کر کہا۔

''گھر جاؤ اور انگوٹھے کو دو تین گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں ڈبوئے رکھو۔''

گھر جا کر بیکر نے ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا، اسی اثنا میں اس کی بیوی آ گئی اور پوچھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' شوہر نے کہا۔

''میرے انگوٹھے میں تھوڑی سی چوٹ آ گئی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے، اگر میں دو تین گھنٹے تک اسے ٹھنڈے پانی میں رکھوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسا بے وقوف ڈاکٹر ہے؟'' بیوی نے کہا۔

''زخمی انگوٹھے کو ٹھیک کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے گرم پانی میں ڈبویا جائے۔''

بیوی کے کہنے پر بیکر نے دو تین گھنٹے تک انگوٹھے کو گرم پانی میں رکھا اور انگوٹھا واقعی ٹھیک ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد اس کی ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا۔

''میں نے تمہارے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ بیوی کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھے کو گرم پانی میں ڈبویا تھا جس کی وجہ سے انگوٹھا ٹھیک ہو گیا۔''

''عجیب بات ہے۔'' ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میری بیوی تو ایسی حالت میں ہمیشہ انگوٹھا ٹھنڈے پانی میں ڈبونے کو کہتی ہے۔''

فرح راؤ، کینٹ لاہور

ٹاس

مچھلی کے شوقیہ شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھ سے کہا۔

''میں کوئی کام ٹاس کے بغیر نہیں کرتا اس لئے کبھی ناکام نہیں ہوتا، آج صبح بھی ٹاس کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار کو جانا چاہیے یا چرچ؟''

''اور تم جیت گئے ہو گے؟'' دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''بڑا سخت مرحلہ تھا مجھے چھ مرتبہ سکہ اچھالنا پڑا پھر کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔''

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

نشانہ باز

ایک ماہر نشانہ باز کے پاس ایک اخباری نمائندہ انٹرویو کرنے گیا کمرے میں بہت سی آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور ہر آنکھ پر صحیح نشانہ لگا تھا اخباری نمائندے سے نشانوں سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آخر آپ ایسا اچھا نشانہ کس طرح لگا لیتے ہیں؟''

''یہ کون سا مشکل کام ہے پہلے ہم نشانہ لگاتے ہیں اور پھر اس نشانے پر آنکھ بنا لیتے ہیں۔''

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

ھیٹ تو میں اب تک کر چکا ہوتا، لیکن مجھے یاد ہی نہیں آ رہا کہ میں نے ناک بنائی کہاں تھی۔" آرٹسٹ نے وحشت زدہ لہجے میں بتایا۔

ناز یہ عمر، پشاور

معجزہ

Lourdes کی زیارت گاہ سے ملنے والے ایک عیسائی زائر کو کینیڈی ایئرپورٹ پر کسٹم کے لئے رکنا پڑا، جب اس کی باری آئی تو اس نے کہا۔

"میرے پاس کوئی غیر قانونی چیز نہیں ہے۔"

"اس شیشی میں کیا ہے؟" کسٹم آفیسر نے پوچھا۔

"اس میں جاہ لورڈس کا مقدس پانی ہے۔"

کسٹم آفیسر نے بوتل کھول کر اسے سونگھا اور منہ بناتے ہوئے بولا۔

"کون کہتا ہے کہ یہ مقدس پانی ہے، یہ تو وسکی ہے۔"

زائر نے اچھلتے ہوئے کہا۔

"وہسکی......؟ کیا بات ہے سینٹ برنارڈ کا ایک اور معجزہ۔"

فاطمہ خان، لاہور

یوں بھی ہوتا ہے

رفیق کلرک ڈاکٹر ذیشان کے پاس گیا اور کہا۔

"مجھے بہت زیادہ نیند آتی ہے، اس لئے وقت پر دفتر نہیں پہنچ سکتا، کوئی ایسی دوا دیجئے کہ بروقت دفتر پہنچا کروں ورنہ اس نیند کی بدولت مجھے نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔"

ڈاکٹر ذیشان نے چند گولیاں دیں اور کہا۔

"سوتے وقت ایک گولی کھالیا کرنا۔"

رفیق کلرک رات کو گولی کھا کر سویا اور صبح اٹھا تو حیران ہوا کیونکہ وہ وقت سے پہلے اٹھ گیا تھا، چنانچہ رفیق کلرک مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ہی دفتر جا پہنچا اور آفیسر سے کہا۔

"دیکھیے سر! آج میں وقت پر آفس آ گیا ہوں۔" افسر نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن بتاؤ کہ کل کہاں رہے؟"

شازیہ ثمن، جھنگ

فرمائش

شوہر نے بیوی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"میری جان! ہماری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں مگر میں نے آج تک تم سے کوئی فرمائش نہیں کی، آج ایک حقیر سی فرمائش کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ تم اسے رد نہیں کرو گی۔"

بیوی نے خوش ہو کر کہا۔

"تم کوئی فرمائش کرو تو سہی، مجھے اس کی حسرت ہی رہی کہ تم بھی کوئی فرمائش کرتے۔"

اس پر فوراً شوہر بولا۔

"ڈارلنگ تم مجھ سے طلاق لے لو اور مہر معاف کر دو تاکہ میں اس لڑکی سے شادی کر سکوں جس سے مجھے محبت ہوگئی ہے۔"

عفرا ثاقب، جہلم

کہاں ہے

لڑکیاں شادی کے معاملے میں نرالی ہوتی ہیں، رشتہ آنے پر لڑکے کے بارے میں ایسے ایسے سوالات کرتی ہیں جیسے لڑکے کو اپنا خاوند نہیں منیجر بنا رہی ہوں لیکن جوں جوں ان کی عمر گزرتی ہے، سوالات میں تبدیلی آتی جاتی ہے۔

بیس سال کی عمر میں لڑکی کا پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔

"لڑکا کیسا ہے؟" پچیس سال کی عمر میں جب رشتہ آتا ہے تو پہلا سوال کچھ یوں ہوتا ہے۔

"لڑکا کیا کرتا ہے؟" اور جب لڑکی کی عمر تیس سال سے تجاوز کر جاتی ہے تو کوئی رشتہ آنے پر اس کا پہلا سوال ہوتا ہے۔

"کہاں ہے؟"

لائبہ رضوان، فیصل آباد

☆☆☆

میری ڈائری سے

آمنہ عبداللہ

Digest Novels Lovers Group

لائبہ رضوان: کی ڈائری سے ایک نظم

اے عشق ہمیں برباد نہ کر ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بیدار نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

عفرا ثاقب: کی ڈائری سے ایک غزل

اس دل کو جھروکے میں ایک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درباں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے سے بساتے ہیں
دنیا کہے دیوانہ، یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کر چلے جانا، دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا، چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں، انشا کی نشانی ہے

شازیہ ثمن: کی ڈائری سے ایک نظم

''میرے نام سے پہلے''
اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا، بے حواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں جیسے
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال وخد اس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے

اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف ''بے وفا'' لکھا

فاطمہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''آبلہ''

اداسی کے افق پہ جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر، سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سربسر تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

نازیہ عمر: کی ڈائری سے ایک غزل

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو، کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار ہی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو
کبھی حسن پردہ نشین بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کو کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

نبیہ طارق: کی ڈائری سے ایک غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
دشمنوں سے ہی غم دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

عاصمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

غرور و ناز و نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے درست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے
بہت کچھ جان کر جانا کہ اب تک کچھ نہیں ہونا
یہی جانا کہ بہتر جان کر انجان ہونا ہے
جو الجھی سوچ رکھتا ہو، الجھنا اسی سے بے معنی
مجھے سلجھی سی اک تحریر کا عنوان ہونا ہے
یہ کیسے فاصلے کردار و شخصیت میں ملتے ہیں
بکھر کر مر رہا ہوں میں سو اب یکجان ہونا ہے
یہ انسانوں نے اخلاقی بلندی ہی سے سیکھا ہے
نہیں احسان کرنا، سر تا پا احسان ہونا ہے
زمیں سے اس قدر اچھی نہیں وابستگی میری
عدم سے توڑ کر رشتہ مجھے امکان ہونا ہے

ناصر حسین: کی ڈائری سے ایک نظم

''بلاوا''

چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

کھٹا پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
املی	۱۲۵ گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لونگ	چار عدد
ثابت سیاہ مرچیں	ایک کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
دار چینی	ایک عدد
پیاز (درمیانے سائز کی)	دو عدد
ہری مرچیں	چھ عدد کٹی ہوئی باریک
دودھ	آدھا کپ
زردے کا رنگ	تھوڑا سا
لیموں (رس نکال لیں)	دو عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب

چاولوں کو دھو کر بھگو دیں، املی کو بھی پانی میں بھگو دیجیے، پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں، ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں، اب اس میں زیرہ، لونگ، بڑی الائچی، سیاہ مرچیں، اور دار چینی ڈال کر بھون لیں۔

اس کے بعد اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال کر اچھی طرح بھونیں، اس کے بعد گوشت اور کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر بھونیں جب گوشت کا پانی سوکھ جائے تو دو کپ پانی ڈال کر ڈھکنا بند کر دیں اور پکنے دیں۔

جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو بھگوئی ہوئی املی میں سے بیج نکال کر تمام گودا اور پانی ہنڈیا میں ڈال کر پکنے دیں جب املی کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو آنچ ہلکی کر دیں۔

اب ایک دیگچی میں ایک تہ چاولوں کی لگائیں اور پھر اس کے اوپر سارا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، اب آدھی پیالی دودھ میں تھوڑا سا زردے کا رنگ ملائیں اور اسے چاولوں کی اوپری تہ پر چھڑک دیں اور لیموں کا رس اس پر چھڑک کر دم پر رکھ دیں پندرہ بیس منٹ بعد لذیز کھٹا پلاؤ گرم گرم سرو کریں۔

چنے کی دال مصالحہ

اشیاء

چنے کی دال	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی لال مرچیں	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد چوپ کر لیں
تیل	آدھا کپ
پودینہ، ہری مرچیں	چوتھائی چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد

ترکیب

دال کو صاف کر کے پانی میں ڈال کر تیس منٹ کے لئے بھگو دیں ایک پتیلی میں دال ڈال

digest library.com

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

Digest Novels Lovers Group

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

ہر انسان کی زندگی میں ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب وہ ٹھہر کر زندگی کے بارے میں سوچتا ہے۔

زندگی کی غرض وافادیت کیا ہے؟ کیا زندگی ایک دریا ہے جو اپنے تند و تیز دھارے میں ہم کو بہائے لے جا رہا ہے جس کے سامنے ہم بے اختیار ہیں۔

ایک ایک لمحہ تلاطم کا مظہر ہے، ایک کے بعد دوسرا مسئلہ کہیں قرار نہیں، کہیں سکون نہیں، بے اعتباری، بے یقینی کے لمحوں میں زندگی کی معنویت کے بارے بے شمار سوال اُٹھتے ہیں۔

زندگی میں خوشیوں اور غموں کی ایک بھرپور کائنات ہے۔ زندگی کے سادہ صفحے پر احساس اور جذبوں کی عبارت خود تحریر کرنا پڑتی ہے۔

زندگی بامعنی اس وقت ہوتی ہے جب ہم اس کو کسی مقصد کے تحت گزارتے ہیں۔ زندگی کا روشن پہلو سامنے رکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ یہ زندگی بہت خوشگوار ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اپنی ذات سے دوسروں کو خوشیاں بانٹیں اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ خوشیاں لوٹ کر ہمارے پاس واپس ضرور آئیں گی۔

ہم اگر دوسروں کو خوشی نہیں دے سکتا تو اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ ہماری ذات کسی کے لیے دکھوں کا موجب نہ بنے۔

اپنے اردگرد لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کیجیے۔ یقین کیجیے اس عمل سے آپ خود بھی بہت خوش رہیں گے۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنی دُعاؤں میں آپ کیا یاد رکھتے ہیں اللہ کریم ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے اس یقین کے ساتھ کہ دونوں کی فلاح اللہ کے ذکر میں ہی ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں ملتان سے رضوانہ سلیم کا موصول ہوا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

مئی کا شمارہ ہانیہ کی سرورق سے سجا ملا۔ خاص پسند نہیں آیا۔ اسلامیات کا حصہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ سردار طاہر صاحب کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے آگے بڑھے اور انشاء جی کے سوالنامے میں اُلجھے پھر انشاء جی کی زبانی ان کے جوابات جاننے، آپی ہر ماہ اس آس پر حنا کا شمارہ کھولتے ہیں کہ کوئی نیا سلسلے وار ناول سٹارٹ ہوگا، لیکن انتظار، انتظار ہی رہا اور مئی میں بھی کوئی سلسلے وار ناول شروع نہ ہوا۔ مکمل ناول حنا کامران کا ''زمین زادہ'' نے ہماری ساری توجہ کھینچ لی۔ بہت خوب!! سسپنس سے بھری تحریر جس میں محبت کی بھی چاشنی ملی۔ ماہنامہ ''حنا'' میں پہلے بھی حنا کامران کی تحریر پڑھی لیکن یہ مکمل ناول ''زمین زادہ'' کچھ مختلف ہے اور نام بھی بہت یونیک ہے۔ اگلی قسط کا

شدت سے انتظار ہے۔ گہنا گئے سبھی چاند طیبہ ہاشمی کا مکمل ناول جو چار اقساط پر مشتمل تھا، اختتام پذیر ہوا۔ اس تحریر کو ہم بہت زیادہ تو نہیں لیکن اچھا کہہ سکتے ہیں۔ طیبہ آپی آپ پرانی رائٹر ہیں آپ کے قلم میں کاٹ ہے۔ آپ پلیز تاریخ دان سے نکل کر دورِ حاضر میں لکھیں۔ آج کی محبت پر لکھیں ماضی کو چھوڑ دیں۔ ان نوابوں، مہاراجوں کی داستانوں سے بھلا اب کسے دلچسپی ہے۔ زارم شاہ، ایک منفرد نام کی رائٹر کی تحریر ''جنیا ہی تو ہے'' بے حد پسند آئی۔ لائٹ سے موضوع پر لکھی۔ یہ تحریر مکمل تفریح ہے ہوئے تھی۔ زارم شاہ پلیز اپنے نام کے معنی بتائیں گی آپ ناول میں سوزِ عشق افشاں علی اب آہستہ آہستہ اپنے پرانے سٹائل میں آتی جا رہی ہیں۔ اس ماہ کی قسط انتہائی دلچسپ تھی۔ شکریہ افشاں بی، بشریٰ سیال کا ناولٹ یارِ من، اس قسط میں اچھا خاصا ٹوئسٹ لگا۔ ویسے بھی اب کہانی اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے۔ عائشہ گل کی شدت پسندی اسے کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے۔ وہ جس فیصلہ کن موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے یہاں تخت یا تختے والا معاملہ ہے۔ محمد امیر عائشہ کے لیے اگر گلیرس دنیا چھوڑ بھی دے تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر شاید وہ پچھتاوے کا شکار ہو کر عائشہ گل سے اُلجھ پڑے اور ایک بار پھر عائشہ گل کی زندگی دوراہے پر آن کھڑی ہو۔ ازابیل بے چاری کی تکالیف نہ جانے کب ختم ہوں گی۔ مجھے تو ہو سکتا ہے یہ اویس اصل میں محمد امیر ہی ہے کہانی ماضی اور حال میں چل رہی ہے۔ شاید علیزے سچ میں ایما سے بہت محبت کرتی ہے اب جبکہ وہ جان گئی کہ فارس غلط انسان ہے اس کے شر سے ناراضگی کے باوجود دوست کو بچانا چاہ رہی ہے، لیکن ایما غلط فہمی کا شکار ہو چکی ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ رب نواز علمی گاہ، راحیلہ ناز کی تحریر اچھی تھی۔ اینڈ پر سب غلط فہمیاں ختم ہو گئیں اور موسم نکھر گیا۔ رب نواز دنیا سے جا کر درس گاہ کے روپ میں زندہ و جاوید ہو گیا۔ افسانہ ایک ہی تھا اور رمشا احمد نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا۔ پسند آیا۔ مستقل سلسلے وہی پرانے۔ پلیز آپی ان سلسلوں میں کوئی جدت لائیں۔ نئے سلسلے شروع کریں۔ رائٹرز سے انٹرویو وغیرہ کا سلسلہ بھی شروع کریں۔

رضوانہ سلیم کیسی ہیں آپ؟ کافی عرصے بعد اس محفل میں آپ کی آمد ہوئی۔ مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ!! آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں۔ ان شاء اللہ جلد عمل درآمد ہو گا۔ سلسلے وار ناول انشاء اللہ جولائی سے سٹارٹ ہوں گے۔ آپ پڑھ کر اپنی رائے دیجیے گا۔ شکریہ!!

فائزہ رحیم! ڈسکہ سیالکوٹ سے تشریف لائی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ بے حد لیٹ ملا۔ اُوپر سے اس ماہ کا سرورق بھی فرسودہ سا تھا۔ اسلامیات والے حصہ سے دل و دماغ کو روحانی زندگی ملی۔ انشاء نامہ میں انشاء جی سوالات کرتے نظر آئے۔ ہم ٹھہرے نالائق سٹوڈنٹ سو آنکھ بچا کر آگے بڑھے اور زاروم شاہ کے ناول ''جینا ہی تو ہے'' میں سٹاپ کیا۔ انتہا کی تلخ مگر حقیقت سے قریب ترین تھی۔ زاروم شاہ کی طیبہ ہاشمی کی تحریر تو نہایت بورنگ رہی۔ تین ماہ ہمارے صبر کا امتحان لیا۔ طیبہ جی پلیز!! ہلکی پھلکی رومانٹک تحریریں لکھا کریں۔ رب نواز علمی گاہ، راحیلہ ناز کی تحریر نے بے حد متاثر کیا۔ بہت خوبصورت الفاظ اور کردار پڑھتے وقت مزہ آیا۔ ''زمین زادہ'' حنا کامران کی تحریر پڑھتے وقت لگ رہا تھا کوئی سسپنس سٹوری پڑھ رہے

ہیں۔ تھرل سے بھرپور قدم قدم پر کچھ نیا ہونے کا احساس اہلاف کے کردار نے بے حد متاثر کیا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ زارم شاہ نے بھی اچھا لکھا جبکہ بشریٰ سیال کے ناولٹ کی کیا ہی تعریف کریں۔ بے مثال تحریر بس خوف ہے تو یہ کہ عائشہ گل محمد امیر کو گنوا بیٹھے گی۔ رمشا احمد کا افسانہ ''محبت اُدھار تھی'' بھی پسند آیا۔ مستقل سلسلے سبھی بہترین تھے۔ حنا کا دسترخوان بیاض، حنا کی ڈائری سبھی اپنی اپنی جگہ بہترین تھے۔ آپی عید کے حوالے سے سروے لازمی شامل کیجیے گا۔

فائزہ رحیم اس محفل میں خوش آمدید!! مئی کے شمارے کے لیے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ!! آپ کی رائے ہم مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔ ان کی طرف سے شکریہ قبول کیجیے۔ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔ ہم منتظر رہیں گے!!

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

7321690-7310797

روبینہ وحید کی ای میل بھی سے موصول ہوئی ہے۔ مئی کا سرورق انتہائی بورنگ لگا۔ اسلامیات والا حصہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ انشاء نامہ میں انشاء جی نے اپنے مخصوص انداز میں مزاح کے رنگ بکھیرے، آپی سلسلے وار ناول حنا کے صفحات سے کیوں غائب ہو گئے ہیں۔ آپ پلیز فوزیہ غزل یا مدیحہ تبسم سے اب سلسلے وار ناول لکھوائیں۔ اس ماہ مکمل ناول میں ٹاپ پر ''زمین زادہ'' رہا۔ کہانی کا پھیلاؤ بتا رہا تھا کہ یہ نیکسٹ ماہ چلے گی۔ حنا کامران نے کہانی کا پلاٹ انتہائی شاندار چنا جس پر کرداروں کو خوبصورت سانچوں میں ڈھالا۔ جب کہ طیبہ ہاشمی کا ناول تو پہلی قسط سے لے کر آخری حصے تک ہماری توجہ نہ حاصل کر سکا، نہ جانے طیبہ ایسے ماضی کے قصے کہاں سے نکال لاتی ہیں۔

زارم شاہ کا مکمل ناول بھی اچھا لگا۔ ناولٹ میں بشریٰ سیال کا ناولٹ ''یارِ من'' اب دلچسپی کھوتا جا رہا ہے۔ رہی عائشہ گل کی ہٹ دھرمی اور محمد امیر کا فدویانہ انداز یہ دو کردار تو حقیقت سے بہت دور ہیں۔ عائشہ گل کے پیچھے کوئی رشتہ نہیں اور وہ ان نئے بنے والے رشتوں کو بھی ٹھوکر پر رکھے ہوئے ہے۔ افشاں علی کا ناولٹ اب دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔ کہانی میں دلچسپی موجود ہے۔ افسانہ ایک ہی تھا، لیکن اچھا تھا۔ مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ، بیاض اور ڈائری بے حد پسند آئے۔ افراح طارق نے بھی خوب مزے کے کھانوں سے دسترخوان سجایا۔

روبینہ وحید اس محفل میں خوش آمدید!! مئی کے شمارے کے لیے آپ کی پسندیدگی ہمارے لیے انعام ہے۔ بے حد شکریہ!!
اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ!!

digestlibrary.com